الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاہا فقد اذانی

سیرۃ الفاطمہؑ

(سوانح عمری جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا)

مصنفہ

جناب مولانا مولوی حکیم سید ذاکر حسین صاحب

(مترجم نہج البلاغہ)

باہتمام

سید صغیر حسن شمس زیدی الواسطی بلائی

مطبع اثنا عشری دہلی میں چھپکر شائع ہوئی [illegible]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

التماس و اعتذار

بادی النظر میں سیرت نویسی ایک آسان کام ہے۔ کسی شخص کے حالات مشہورہ کا ایک جگہ جمع کر دینا سیرت نویس کو اس کے فرض منصبی سے سبکدوش کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن صاحبانِ نظر اور اربابِ فہم جب اس سمندر کی گہرائی پر غور کرتے ہیں۔ تو انہیں سوائے حیرانیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ انہیں قدم قدم پر انسانی عجز کی تصویر نظر آتی ہے۔ اور انہیں بیساختہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ ہم اس شناوری میں عاجز۔ یقیناً عاجز۔ مجبور، حقیقۃً مجبور۔

سیرت و مفہوم سیرت

ہم کسی امر کی آسانی یا مشکلات کا اندازہ نہیں کر سکتے جب تک کہ اس کے مفہوم کو نہ سمجھ لیں۔ اسی لئے سیرت نویسی سے پہلے ہمیں مفہوم سیرت کو مدِ نظر رکھنا پڑیگا۔ اور اسے مدِ نظر رکھنے سے گو ہماری مشکلات میں اضافہ ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اعترافِ عجز ان مشکلات کو آسانی کی شکل میں تبدیل کر دیگا یعنی گو ہم ان مشکلات سے عہدہ بر آ یقیناً نہ ہونگے۔ اور نہ ہو سکتے ہیں لیکن اعترافِ عجز کی بدولت سعادت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہمیں مل جائیگا۔ کیونکہ یہ اعتراف بھی منازلِ حکمت میں سے ایک منزل ہے۔

میرے دوستو! سیرت تصویر باطنی کا نام ہے۔ کیفیات قلبیہ کا نام ہے۔ حقائق واقعیہ کا نام ہے۔ یعنی اگر کسی کی سیرت ہم لکھنا چاہیں۔ تو ہمارا فرض یہ ہوگا۔ کہ اس کی باطنی تصویر لفظوں میں کھینچدیں۔ اسکی قلبی حالت پر خود مطلع ہو کر دوسروں تک اطلاع پہنچادیں اس کے حقائق واقعیہ کا انکشاف اس حیثیت سے ہو کہ علمی دسترخوان پر ہر مہمان کے سامنے جامِ جہان نما چنا ہوا نظر آئے لیکن یہ کوشش ایک بیسُود کوشش ہے۔ اس جد وجہد میں ہمیں یقیناً محالات عقلیہ سے دوچار ہونا پڑیگا۔ اور کبھی کامیابی میسّر نہ آئیگی۔ اگرچہ طائر عقل کی پرواز ساحتِ قدس ہی تک کیوں نہ پہنچ جائے۔

ارباب قلب پر روشن ہے کہ عالم کون وفساد میں جسقدر تجلّیات ہمیں نظر آتی ہیں انمیں سے کسی ایک کی بھی حقیقت واقعیہ کو معلوم کر لینا ہماری طاقت سے باہر ہے ہمیں نہیں معلوم کہ ایک ذرّے کی حقیقت کیا ہے؟ ہم نہیں جان سکتے۔ کہ شجر وحجر کے حقائق واقعیہ کیا ہیں؟ انسانی علم محدود ہے اور ہمیشہ محدود رہیگا۔ رازِ دہر جسطرح ابتدا میں سربستہ تھا اسی طرح آج بھی ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ سربمہر چلا جائیگا ع

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا

انصاف سے دیکھو اور غور سے کام لو۔ جب ان اشیا کی نسبت جو ہم سے بلحاظ ترکیب عنصری بہت پست ہیں۔ ہمارے علم کا یہ حال ہے تو پھر وہ صورت جسے انسان کہتے ہیں۔ اسکی اصلی حالت کو گھیر لینا ہمیں کسطرح میسّر آئیگا۔ اور جب اپنے ہی جیسے انسانوں کی اصلی حالت دکھانے میں ہم عاجز ہیں تو وہ انسان جن کا قدم عرش کے اوپر ہے۔ وہاں تک ہماری رسائی کیونکر ہوگی۔ ناممکن ہے۔ محال ہے۔ قطعی محال ہے۔

عجیب مشکل کا سامنا ہے کہ باوجود ان مشکلات کے پھر بھی دلمیں ایک اشتیاق کی آگ بھڑکتی ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ کچھ تو اصلیت کا پتہ لگے۔ اور مضطرب دل کی تسکین کا کوئی پہلو تو نکل آئے۔ اس بیماری کا کیا علاج ہو؟ اس کے علاج کے دو طریقے سمجھ میں آتے ہیں۔ ایک تو یہ طریقہ ہے۔ کہ جس شخص کی سیرت کے مصوّر ہم بننا چاہتے ہیں۔ ہماری اصلی حالت اور قلبی کیفیت بالکل اسی کے ہمرنگ ہو۔ تاکہ ہم اپنے احساس باطنی کی بنا پر اس راز کے

جس کیلئے ہم نے قلم اٹھایا ہے۔ مگر قطع نظر اس امر سے کہ یہ وحدت ہر شخص کیلئے ممکن ہے۔ یا ناممکن۔ ایک اور مشکل سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر بفرضِ محال ہمیں اس شخص سے جسکی سیرت لکھنے کا ارادہ کیا گیا ہے وحدت واقعی بھی حاصل ہو تو بھی اس کا اظہار لفظوں میں ناممکن ہے اس لئے کہ الفاظ کا جال کیفیات کا شکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً نمکین۔ شیریں تلخ مینحوش۔ یہ چند کیفیتیں ہیں جو قوّتِ ذائقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن ہم کبھی بذریعہ الفاظ ان کیفیات کو دوسرے کے ذہن نشین نہیں کر سکتے۔ جو ان ذائقوں سے پہلے ہی واقف ہے۔ وہ تو الفاظ سے جو فی الحقیقت اشارات ہیں متکلّم کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے۔ اور دوسرا شخص جو ناآشنائے محض ہے۔ کبھی مطلب تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ارباب حقائق کا قول ہے "مَن ذاقَ وجد"۔ جس نے چکّھا اس نے پایا۔

فساد و افساد کی ایک خفیہ تحریک

زمانے کیحالت پر تاسف کرنا پڑا۔ افسوس کہ موجودہ زمانے میں سیرت نویسی کا فن کسقدر اپنے مرکز سے دُور ہٹ گیا ہے۔ اور اہل قلم روز بروز کیسی پستی کیطرف جذب ہوتے چلے جارہے ہیں۔ فن سیرت اور فن تاریخ بالکل ایک ہی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ لوگ کہ جو فن سے ہی ناواقف ہیں۔ ان سے کچھ شکایت نہیں۔ اگر ہے تو صرف اتنی کہ با این ہمہ نادانی کیوں جرات سے کام لیا۔ لیکن وہ صاحبان جو واقف ہیں۔ یا جن پر واقفیت کا الزام لگایا جاتا ہے۔ وہ کیونکر بری الذّمہ قرار دیئے جائیں گے۔ ہم ارباب قلم کا رنگ یہ دیکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کی سیرت لکھنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ تو پہلے اسکی ذات کو اپنی ذات پر قیاس کر لیا جاتا ہے۔ یہ قیاس اور غلط قیاس قائم کرکے اس کے چند واقعات ظاہری جمع کئے جاتے ہیں۔ پھر ان واقعات پر جرح و تعدیل کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ جن واقعات کی نسبت انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ہم سے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ انہیں درج کتاب کر لیا جاتا ہے۔ اور جنکی نسبت ان کا خیال ہوتا ہے کہ یہ ہم سے یا ہمارے ہمجنسوں سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ انہیں یا تو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا اگر لکھا بھی جاتا ہے تو بطور مضحکات

میرے دوستو! اقتضائے فہم و دیانت یہ ہے کہ جب کسی شخص کی سیرت قلمبند کرنی چاہو۔ پہلے اس امر کی تشخیص کر لو۔ کہ اس شخص کا تعلق انسانوں کے کونسے طبقہ سے ہے۔ آیا یہ بالکل ہمیں جیسا انسان ہے یا اس کا درجہ کچھ ہم سے بلند ہے۔ جبتک اس امر کی تشخیص نہ کر لوگے کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس تشخیص کے بعد اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے نور عقل کی روشنی میں تمہیں اسی طبقے کے انسانوں سے توسل کرنا پڑیگا۔ اور اسی توسل کی بدولت اپنی مراد تک پہنچ سکو گے۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ طبری کے اقوال طبقات کے انطباقات ہر طبقہ کے انسانوں پر حاوی ہو سکتے ہیں۔ تو یہ تمہارا خیال تمہیں مبارک رہے لیکن عقل سلیم اور فہم مستقیم کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مانا کہ خوشنما الفاظ اور تسلسل عبارات میں تمہیں ملکہ حاصل ہے۔ اور بدقسمتی سے پبلک کا بھی مذاق یہی ہے۔ کسی کتاب کا حسن ثابت کرنے کے لئے یہ امر بہت کافی ہے کہ وہ برجستہ الفاظ اور آسانی سے سمجھ میں آجانیوالی عبارتوں کا مخزن ہو۔ لیکن جو لوگ کہ روح کے متلاشی ہوتے ہیں وہ کبھی ایسی چیزوں کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھیں گے۔ یہ سچ ہے کہ انکی ناپسندیدگی تمہارے لئے دنیا میں کوئی بدنما اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ تمہاری دوکانوں کی سجاوٹ میں اس سے کچھ فرق نہیں آسکتا۔ کیونکہ ان لوگونکی تعداد تھوڑی اور بہت تھوڑی ہے۔

تاریخ و سیر کی کتابیں جو تمام انسانوں کو ایک ہی طبقہ میں داخل کر رہی ہیں۔ فی الحقیقۃ یہ فساد و افساد کی ایک خفیہ تحریک ہے۔ مقصد اصلی اس کا دہریت اور الحاد ہے۔ اس جد و جہد کی غایت یہ ہے کہ عوام حالات انبیاء علیہم السلام سے مانوس نہ ہونے پائیں۔ اور ان بزرگوار ونکو رفتہ رفتہ اسی سطح پر لے آئیں جس پر عوام الناس قائم ہیں۔ یہ کوشش بڑی حد تک بار آور ہو چکی ہے۔ تحریک بہت کافی پھیل چکی اور پھیلائی جا چکی ہے۔ اسلام کے تمام فرقے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اور اب اس کا ازالہ نہایت ہی دشوار نظر آرہا ہے۔ سوائے اس کے کہ اب حقائق پسند انسان امر منتظر کے منتظر ہیں اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔

رجوع بہ مضمون اول

ابھی ابھی مینے بیان کیا ہے۔ کہ آتش اشتیاق قلبی کو فرد کرنے کا طریقہ ایک تو یہ ہے کہ جس شخص کی سیرت [illegible]

[illegible] ہو۔ اس کو حدِ حقیقت کی بنا پر وہ بہت اچھی طرح اس کے حالات
باطنی قلمبند کر سکتا ہے۔ اب یہ دوسرا امر ہے کہ ان اشارات کو عوام بھی سمجھ سکتے ہیں یا نہیں
ان اشارات کا نہ سمجھنا اپنی استعداد کا قصور ہوگا۔ نہ کہ سمجھانے والے کا۔ لیکن یہ امر ظاہر ہے
کہ ایسی حالت ہر شخص کو میسر نہیں۔ اس قسم کے امور وہبی ہوا کرتے ہیں۔ نہ کہ اکتسابی۔ پس ہمارے
لئے یہ طریقہ کارآمد نہیں ہو سکتا۔ جسکی مشکلات کیطرف پہلے اشارہ بھی کیا جا چکا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس شخص کے کوائف کی اطلاع ہمیں خود اسی سے ملے اور ہم اس
اطلاع کے تحمل کی طاقت بھی رکھتے ہوں۔ یا ایسی ذات سے حاصل ہو۔ جس کا نفس یا تو ہماری مراد
پر حاوی ہو یا اس سے انفصال واقعی رکھتا ہو۔ ایسی اطلاع یا تو بلا واسطہ ہمکو ملیگی۔ یعنی ہم خود
اسکی خدمت میں حضوری کا شرف رکھتے ہوں گے۔ یا یہ اطلاع ایک یا دو یا زیادہ شخصوں کی
وساطت سے ہمکو پہنچے گی۔ کوئی سی بھی صورت ہو۔ اصل اطلاع کا ایسے وجود کیطرف منتہی ہونا
ضرور ہے۔ جسے دیگر قرائن اور حالات قطعیہ کی بنا پر ہم لغزشوں سے منزہ سمجھ سکتے ہیں۔ پس
ہماری اطلاع کا سلسلہ جب وجودِ معصوم تک منتہی ہو جائیگا۔ تو اضطراب قلب کی تسکین کا بہترین
نسخہ ہمکو مل جائیگا۔ جسے استعمال کرنے سے ہمارے دلکی آنکھیں کھل سکتی ہیں۔ بغیر اس کے ہم
اندھیری رات میں اندھونکی طرح ٹٹولنے والے ہوں گے۔ ظن و تخمین ہمارے خون میں سرایت
کر جائیں گے۔ جوہر یقین کم ہوتے ہوتے بالکل زوال پذیر ہو جائیگا۔ اور اس طرح بصیرت کی روشنی
ہم سے بالکل سلب ہو جائیگی۔ من کان فی هذه اعمیٰ فهو فی الآخرة اعمیٰ۔

غرض سیرت نویسی کا کام تو بغیر اس کے چل نہیں سکتا۔ ہاں اس کے واقعات اور حالات ظاہری
جو تاریخی حیثیت سے ہم تک پہنچیں گے۔ اس بارے میں ضرور ممد و معاون ہونگے۔ لیکن ہم یہ کلیہ کسی
طرح قائم نہیں کر سکتے۔ کہ کسی شخص کا حسنِ افعالِ ظاہری اس حسنِ سیرت کا یقینی ذمہ دار ہے۔

سلسلہ روات پر ایک نظر جب سیرت نویسی کی بنیاد صرف حدیث پر رکھدی گئی۔ جو منتہی
الی المعصوم ہو۔ تو اب راویوں کے حالات کا تفحص کرنا ہوگا
اور اس تلاش میں بھی ہمیں انتہائی احتیاط سے کام لینا پڑیگا۔

اس تلاش اور جستجو میں بطور کلیہ ہمیں یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے۔ کہ معصومین کی شان

سید ان تم یں کلموا الناس علی قدر عقولھم ہوا کرتی ہے یعنی وہ ہر شخص سے اسکی عقل کے اندازے کے موافق کلام کیا کرتے ہیں۔ اور فی الحقیقۃ یہ صفت انہیں کے لئے مخصوص بھی ہے، جب یہ کلیہ قائم ہوگیا۔ تو اب یہ امر بدیہی ہے۔ کہ لوگونکی عقلیں مختلف درجے رکھتی ہیں۔ اسی اختلاف کالازمی نتیجہ یہ نکلیگا۔ کہ احادیث اسرار کے حاملین کی تعداد ہمیشہ قلیل ہوگی۔ پس ایسی احادیث کی نسبت اگر ہم یہ کہیں کہ سوائے فلاں و فلاں کے اور کسی نے اسکو روایت نہیں کیا۔ تو ایسا اعتراض ہماری قلتِ فہم کی دلیل ہوگا۔ ہاں یہ امر ضرور مدِ نظر رکھئے کہ کسی راوی کے ضعیف قرار پاجانے سے عقلاً اصل حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ جبتک کہ وہ صریحاً کسی اصول عقلی یا نص قطعی کے مخالف نہو۔ بلکہ مخالفتِ ظاہری کے باوجود بھی مسلکِ احتیاط تاویل ہوگا۔ اور جب کسی طرح تاویل کا امکان نہو۔ تو اسوقت شاید انکار لازم آئے تو آئے۔ والا فلا۔ بہر طور تسلیم فرض ایمان ہے۔ ع

ہر کجا نام اوست قربان ایم

وہ راوی جو معلوم الفسق ہوں۔ انکی نسبت حکم قرآنی موجود ہے۔ اذا جاءکم فاسقٌ بنبإٍ فتبیّنوہ۔ جب کوئی فاسق تم سے کوئی خبر بیان کرے۔ تو اسکی تحقیق کرلو۔ آیت انکار قطعی پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ تحقیق اور تلاش کی ہدایت کرتی ہے۔ اور یہی امر معقول بھی ہے اسلئے کہ معلوم الفسق کے قول میں بھی صدق کا امکان موجود ہے۔

میں جو یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ فی الحقیقۃ ان بزرگونکی سیرتوں کے متعلق لکھ رہا ہوں۔ جو انسانوں کے طبقۂ اعلےٰ یعنی انبیاء علیہم السلام میں داخل ہیں۔ یا ان سے انصال رکھتے ہیں باقی عوام سے مجھے بحث نہیں۔ انکی سیرتیں جسطرح تمہارا ایمان اجازت دے لکھو۔ مگر ہر وادی میں حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھنا تمہارا عقلی فرض ہے۔

یہ تو میں ابتداءً ہی لکھ آیا ہوں کہ کسی کی سیرت پر کماحقہ مطلع ہوجانا ایک امر محال ہے اور جب اطلاع ہی محال ہے۔ تو اس کا قلمبند کرنا کیسے ممکن ہوگا۔ اب سلامتی کی شکل یہی نکلیگی کہ ہم اقوال معصوم سے تمسک کرلیں۔ اور انکی وساطت سے جو کچھ ہمیں ملے۔ اسے قرینے کیساتھ کاغذ پر چن دیں۔ اسمیں ہمارے استبعادات عقلیہ کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ ہمارے لئے اس مقام پر

اِدر و کیف کی قطعاً مجال باقی نہیں۔ جو امور کہ ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ ان کے یہ معنی نہیں کہ فی الحقیقۃ بھی انکا وجود نہیں ہو سکتا۔ جو افعال کہ ہم سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ اس سے یہ مراد نہ ہوگی۔ کہ وہ کسی اور انسان سے بھی ظاہر نہیں ہونگے۔ جس مقام پر ہم عاجز ہیں یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد انسان اس مقام پر عاجز نظر آئے۔ کوئی شخص فطرت عالم پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ پس کسی امر کو خلافِ فطرت کہہ دینا اپنی کم ظرفی کی دلیل ہے۔ یہ امر ہرگز لازمی نہیں۔ کہ جو چیز برہان ظاہری سے سمجھ میں نہ آوے۔ اسکی غلطی کا حکم لگا دیا جائے۔ کیونکہ عالم میں بہت سی چیزیں ہیں کہ ہرگز کوئی دلیل ظاہری ان پر قائم نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس کے کہ وہ خود ہی اپنی دلیل ہیں۔ آگ کیوں جلاتی ہے؟ پانی کیوں سردی پہنچاتا ہے؟ یہ سوالات کبھی حکیم کے ذہن میں نہیں گزر سکتے۔ پس جس طرح خواص اشیا پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ اسی طرح خواص نفس پر بھی کوئی دلیل ظاہری قائم نہیں ہو سکتی۔

یا من دلّ علی ذاتہ بذاتہ۔ وہ خالق بزرگ و برتر جسکی شناخت کا ذریعہ خود اسی کی ذات ہے۔ یہ عالم کون و فساد بھی اہل ایمان کی نظر میں اسی کا مظہر ہے۔ پس اس عالم کے وہ افراد جنہیں نفوس کلیۃ الٰہیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کے افعال و خواص کیونکر دلیل خارجی اصطلاحی کے محتاج قرار پائیں گے۔ لا تدرکہ العیون بمشاھدۃ العیان ولاکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان جس طرح ذاتِ باری کو قلوب حقائق ایمانیہ کے ساتھ ادراک کرتے ہیں اسی طرح اس کے مظاہر خاتمیہ کی کیفیتیں بھی حقیقت ایمانیہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ یہاں رسمی منطق و فلسفہ سے کام نہیں چل سکتا۔ یہاں کی منطق معرفت ہے۔ یہاں کی منطق معرفت ہے۔ یہاں کا فلسفہ عرفان ہے۔ اور یہاں کی حکمت ایمان ہے ؎

دل منور کن بانوار جلی
چند باشی کاسہ لیس بوعلی

معقول پسند انسانوں کا قول ہے العجز عن درك الادراك ادراك کسی چیز کی کیفیت معلوم کرنے سے عاجز رہ جانا ہی اس کا ادراک ہے۔ حقیقۃً مقتضائے عقل سلیم یہی ہے۔

اتنی مجال ہے کہ ایک شمہ بھی اس سیدہ عالم کی سیرت کا لکھ سکوں۔ ہاں ہاں ان کے واقعات ظاہری بھی جو تاریخی حیثیت سے ظاہر ہوتے۔ قلمبند نہیں ہو سکے۔ پھر سیرت کی ذمہ داری تو کہاں پوری ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے حیات سیدہ کی سیرت اور تاریخ کے اکثر حصے کی بنیاد قولِ معصوم پر ہی رکھی ہے۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ کسی تالیف یا تصنیف کے لیے جسقدر سامان کی ضرورت ہے اسکا عشر عشیر بھی سامنے نہیں۔ تصنیف ایک آسان چیز ہے۔ انسان اپنے دماغی خیالات کو ظاہر کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن تالیف کہ جسکی بنا محض اقوال غیر پر ہی ہوتی ہے۔ اس کے لئے تو بہت بڑی تلاش اور جستجو کی ضرورت ہے۔ دفتر کے دفتر الٹ دینے پر تھوڑا بہت سامان میسر آتا ہے۔ جیسے کاغذ پر قرینے سے چُنا جا سکے۔ اور مختلف دریاؤں میں غوطہ لگانے سے ایک آدھ گوہر مقصود ملا کرتا ہے۔ جو لوگ اس کام کو کر رہے ہیں۔ وہ ضرور اسکی اہمیت سے واقف ہونگے۔

میرے سامنے اسوقت کسی قسم کا ذخیرہ نہیں۔ اور چند مصلحتیں ایسی ہیں کہ وہ اس کی اشاعت کو جلد سے جلد ملک میں لانا چاہتی ہیں۔ اس لئے عجلت میں جو کچھ بھی اِدھر اُدھر سے مل سکا۔ وہ ہدیۂ ناظرین کر دیا گیا۔ یہ نقش اول ہے۔ ممکن ہے نقش ثانی میں وہ خیالات پورے ہو سکیں۔ جو دماغ میں موجود ہیں۔ اور وہ آرزو پوری ہو سکے۔ جو دلکو مضطرب کر رہی ہے اب معذرت اور واقعی معذرت کے ساتھ یہ رسالہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

منازلِ نورانیہ

جس مخلوق نورانی اور شعاع نورِ احمدی کی سیرت لکھنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ضروری امر ہے کہ اسکی کیفیت اولیہ کی طرف اشارہ کیا جائے۔ یہ کیفیت اسکی سیرت کا جزو اعظم ہے۔ اور اس کا تصور ہمارے فہم و ادراک سے بہت بلند ہے۔ یہ پارۂ نورِ احمدی اس طبقۂ انسانیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا ایک رُخ ذاتِ واجب الوجود سے متصل ہے۔ اور دوسرا ممکنات سے۔ لفظ "اتصال" بحالتِ مجبوری زبانِ قلم پر آتا ہے۔ کیونکہ ادائے مفہوم کیلئے اور کوئی لفظ میسر نہیں آتا۔ اس اتصال سے اتصالِ حقیقی مراد نہیں۔ بلکہ اسکی تشریح کلام معصوم میں اس طرح فرمائی گئی ہے۔ کشعاع الشمس من الشمس جس طرح سورج سے سورج کی شعاع کا تعلق ہے اسی طرح انوارِ رسالت شمس وجود واجب سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس جبکہ ہماری عقلیں اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ تو لازم ہے کہ ان مقامات نورانیہ کے حالات مخبرِ صادق کی زبان سے سنیں اور وحی و الہام کی روشنی سے قلب کو منور کریں۔

واضح ہو کہ جن حدیثوں میں یہ کیفیتیں بیان کی گئی ہیں۔ انہیں احادیث انوار کے نام سے نامزد کیا گیا ہے۔ ایسی حدیثیں فریقین کی کتابوں میں بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ جن کا ایک جگہ جمع کرنا بہت دشوار ہے۔ اس کے ساتھ ان احادیث میں اختلاف ظاہری بھی موجود ہے جس ... بطور اجمال اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ہر حدیث

کسی خاص منزلت نورانی کیطرف اشارہ کرنیوالی ہے۔ لیکن اس منزلت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو عالم الحقائق اور صاحب علم لدنی کے سوا دوسرا انہیں جان سکتا۔ یہاں صرف ایک حدیث اہل ایمان کی روشنی قلب کے لئے نقل کیجاتی ہے۔ جس سے اس مخدومۂ عالم کے منازل نورانیہ پر روشنی پڑیگی۔ اور جس سے معلوم ہوگا۔ کہ روحانیوں کی صف میں اس معصومہؑ کی کیا شان ہے۔

ملا محمد ہاشم بحرانی کی کتاب غایۃ المرام میں اور کتاب معالم الزلفی صفحہ (۲۴۹) میں مصباح الانوار شیخ طوسی علیہ الرحمہ سے بروایت انس ابن مالک حضرت خاتم الانبیا سے منقول ہے کہ حضرت نے اپنے چچا عباس سے فرمایا یا عم قد خلقنی اللہ وخلق علیاً وفاطمۃؑ والحسنؑ والحسینؑ قبل ان یخلق آدم بالفی عام حین لا سماءٌ مبنیۃٌ ولا ارضٌ مدحیۃٌ ولا جبالٌ مرسیۃٌ ولا بحارٌ مجریۃٌ ولا ریاحٌ مسویۃٌ ولا شمسٌ مضیۃٌ ولا قمرٌ منورٌ ولا نورٌ ولا جنۃٌ ولا نارٌ۔

(ترجمہ) اے عم بزرگوار خداوند عالم نے مجھے اور علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ (صلوات اللہ علیہم) کو خلقت آدم سے دو ہزار سال پیشتر خلق فرمایا۔ جس وقت کہ نہ آسمان کی بنا ہوئی تھی نہ زمین بچھائی گئی تھی۔ نہ سربفلک پہاڑ تھے نہ متلاطم سمندر نہ ہواؤں کے جھونکے تھے۔ نہ چمکدار سورج نہ قمر کی نورانیت تھی نہ نور کی روشنی نہ جنت کا وجود تھا۔ نہ آتش کا۔

ان فقرات مقدسہ سے ظاہر ہے کہ ان ذوات عالیہ کے سوا ماسوی اللہ میں کوئی شے موجود نہ تھی۔ یہی بزرگوار جملہ عالم کے لئے علت غائی وبمنزلہ اسباب تھے۔ اور انکا وجود مسببات سے پہلے ہونا لازمی تھا۔ لطیفہ اس مقام پر یہ ہے۔ کہ اسوقت نور کا بھی وجود نہ تھا اور نور بھی انہیں کے اشراقات کا پرتو ہے۔ گویا یہ بزرگوار حقیقۃً نور اور نور الانوار تھے اور یہ مخلوق روحانیت کے انتہائی تجرد میں رہ کر مشغول حمد وتسبیح تھی۔

واضح ہو کہ حدیث کے فقرات آیندہ میں ان بزرگواروں کو نور کہا گیا ہے۔ اور ان فقروں سے نور کی خلقت۔ ان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ اس کا مطلب عند التحقیق یہی نکل سکیگا۔ کہ ان بزرگواروں کو جہاں نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے حقیقۃً نورانیہ مراد ہے نہ کہ نور محسوس اور اس حقیقت کا علم سوائے خالق حقیقت کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا

مزید توضیح یہ ہے کہ جس طرح کلامِ خدا میں ذاتِ باری کو نور السمٰوات والارض کہا گیا ہے
یعنی تمام حقائقِ عوالم اسی کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اسی کے وجود سے ماسوی اللہ روشن ہے
اسی طرح ان بزرگواروں کو بھی نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فافہم وتحمل۔

فقال له العباس كيف بدء خلقكم يا رسول الله قال يا عم لما اراد ان يخلقنا
تكلم كلمة خلق منها نوراً ثم تكلم اخرى فخلق منها روحاً ثم مزج النور بالروح
فخلقني ثم خلق علياً وخلق فاطمةؑ والحسنؑ والحسينؑ وكنا نسبحه حين لا يسبح و
نقدسه حين لا يقدس

(ترجمہ) عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکی خلقت کی ابتدائی کیفیت کیا ہے
فرمایا اے چچا جب خداوند عالم نے ہماری خلقت کا ارادہ کیا تو ایک کلمہ بولا جس سے نور کو خلق کیا
پھر دوسرا کلمہ بولا جس سے روح کو خلق کیا پھر اس نور کو روح سے ملا دیا۔ پس مجھے خلق کیا۔ پھر
علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو خلق فرمایا۔ ہم اسکی تسبیح کرتے تھے۔ جبکہ کوئی اسکی تسبیح کرنیوالا نہ تھا اور
ہم اسکی تقدیس کرتے تھے۔ جبکہ کوئی اسکی تقدیس کرنے والا نہ تھا۔

یہ فقرات جو مجمع اسرار ہیں۔ کیفیت خلق و تخلیق پر کافی روشنی ڈال رہے ہیں۔ نیز کلامِ خدا
پر بھی۔ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا نے ایک کلمہ کے ساتھ تکلم کیا۔ اور اس سے نور کو خلق
فرمایا۔ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہی کلمہ جس کے ساتھ تکلم کیا۔ نور بن گیا۔ ان دونوں
کا مقصد فی الحقیقۃ ایک ہی ہے۔ اسمیں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اگر ہے تو ہماری عقلوں کا
ہاں نگاہِ غور اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کریگی۔ کہ ارادہ تکوینیہ الٰہی کو تکلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا یہ
"کن فیکون" کی تفسیر ہے جسطرح لفظ "کن" افہام و تفہیم کے لئے وارد ہوا ہے۔ اسی طرح "تکلم بکلمۃ"
بھی جس طرح "کلام خدا" کی تشریح فرماتے ہوئے امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے لا بنداء یسمع ولا
بصداء یقرع بل کلامہ سبحانہ ایجادہ۔ یہ کلام کوئی ندا نہیں ہے جو سنائی دے۔ یا کوئی
صدا نہیں ہے جو دھماکہ پیدا کرے۔ بلکہ ایجادِ الٰہی کا نام کلامِ الٰہی ہے۔ پس اسی ارشاد کو اگر اس
مقام پر بھی مدنظر رکھا جائے تو غالباً توضیح مطلب میں آسانی ہو جائیگی۔

احادیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ آئمہ علیہم السلام کلمۃ اللہ ہیں۔ حضرت امیر الموحدین ایک کلام

طویل میں ارشاد فرماتے ہیں "نحن کلمۃ اللہ" حدیث زیر نظر سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ فی الحقیقۃ خدا کے کلماتِ اولیہ یہی ہیں۔ اور ابتدائے ایجاد انہیں سے ہوئی ہے۔ یہ ایک توجیہ ہے "کلمۃ اللہ" کی۔ اس کے علاوہ اور بھی توجیہات ہیں۔

حدیث زیر غور سے بآسانی یہ مطلب بھی واضح ہو سکتا ہے۔ کہ یہ بزرگوار سب کے سب حقیقت واحدہ رکھتے ہیں۔ اور اس عالم شہود میں آکر حالات مختلفہ کے اعتبار سے ہم کو ان میں اختلاف نظر آتا ہے۔ انہیں اعتبارات کی بنا پر کسی کو منجانب اللہ رسول کہا گیا ہے۔ کسی کو امام۔ ورنہ حقیقت میں سب محمدؐ ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ اولنا محمد و آخرنا محمد و اوسطنا محمد و کلنا محمد۔ ہمارا اول بھی محمدؐ ہے اور آخر بھی محمدؐ اور اوسط بھی محمدؐ اور ہم سب کے سب محمدؐ ہیں۔ اسی توحدِ حقیقت کا لازمی نتیجہ تساوی کمالاتِ باطنی ہے۔ اسی لئے منزل کمالاتِ الٰہی نے وقت پیدائش قرآن کی تلاوت فرمائی۔ جبکہ ظاہر میں کہیں قرآن کا وجود نہ تھا

اسی ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ بزرگوار سب سے پہلے تسبیح کرنیوالے اور سب سے پہلے تقدیس کرنیوالے ہیں۔ اور انہیں سے باقی تمام روحانیوں نے تسبیح و تقدیس حاصل کی ہے۔ پس یہی معلم اول ہیں۔ اور یہی مقتدائے عالم و امام الکل فی الکل۔

فلما اراد اللہ ان یُنشی الصنعۃ فتق نوری فخلق منہ العرش فالعرش من نوری و نوری من نور اللہ و نوری افضلُ من العرش۔

پس خدا نے جب ارادہ کیا کہ صنعت کو نشو و نما کا لباس پہنائے۔ تو میرے نور کو شگافتہ فرمایا۔ اور اس سے عرش کو خلق فرمایا۔ پس عرش میرے نور سے ہے۔ اور میرا نور نورِ خدا سے اور میرا نور عرش سے افضل ہے۔

نشو و خلق

یہ فقرہ حدیث میں لفظ "نشاء" یا "انشا" سے شروع ہوا ہے۔ لفظ "نشو" اور "خلق" بظاہر مرادف ہیں۔ لیکن ان دونوں لفظوں میں ایک لطیف فرق بھی ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص اپنی جگہ سے اٹھے۔ تو کہا جائیگا "نشاء من مکانہ" یہاں بجائے "نشا" "خلق" نہیں کہہ سکتے

سورۂ مزمل میں ارشاد ہوا ہے "ان ناشئة اللیل الخ" جس کی تفسیر حدیث صادق علیہ السلام میں یہ فرمائی گئی ہے: "قیام الرجل عن فراشہ" انسان کا اپنے بستر سے اٹھنا یہاں بھی لفظ خلق نہیں آسکتا۔ غرض لفظ "خلق" ایک مفہوم خاص رکھتا ہے۔ یعنی معدوم کو موجود کردینا۔ اور لفظ "نشو" علاوہ اس کے ایک مفہوم جدید "ارتقا" کو بھی شامل ہے "ثم انشاناہ خلقاً آخر" پھر ہمنے ایک دوسری مخلوق کو نشو و نما بخشی۔ آیت قرآن مجید کا یہ ٹکڑا اس فرق کو بہت واضح کردیتا ہے۔ اس فرق کو مدنظر نہ رکھکر متبعین فلاسفہ جدید اپنے ایک دعویٰ خاص کی دلیل قرآن سے پیدا کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اکثر مقامات پہ مخلوق کے لئے لفظ "نشو" استعمال ہوا ہے اور یہ لوگ جنہیں "نشوییین" کہا جاتا ہے۔ خیال کرتے ہیں کہ قرآن سے بھی اشیا کی پیدائش بطریق نشو ثابت ہوتی ہے نہ کہ بطریق خلق۔ یعنی موجودہ اشیا جن میں انسان بھی داخل ہے مادّے کی ارتقائی صورتیں ہیں۔ نیستی محض سے "ہست" نہیں ہوئیں۔

عجب نہیں کہ حدیث مقدس میں اسی خیال کی تردید کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہو۔ توضیح اسکی یہ ہے کہ حسب ارشادات معصومینؑ ایجاد عالم کی ابتدا "نور محمدی" سے ہوئی۔ اور وہی اوّل مخلوق ہے۔ اور وہی حقیقت جامعہ ہے کل عالم کی۔ باقی جسقدر مخلوق ہے وہ سب اسی کی فرع ہے۔ اور یہ اشیا اسی نور اوّل کی شعاعیں ہیں۔ انکی حقیقت اسی حقیقت اولیہ میں مرکوز تھی۔ گویا حقیقت اولیہ تمام حقائق کو لئے ہوئے مخلوق ہوئی۔ اب اس "خلقت" کے بعد نشو و نما کا دور ہوا۔ اور اشیاء عالم پر بعد "خلق" "نشو و نما" کا سایہ پڑا۔ اور انکا ظہور تدریجاً عمل میں آیا پس اس ترقی تدریجی کی بنا پر ان اشیا کیلئے لفظ "نشو" استعمال ہوا۔ اور باعتبار اصل حقیقت لفظ "خلق" چنانچہ یہ دونوں لفظ مخلوق کے لئے قرآن میں موجود ہیں۔ یا ایها الانسان ما غرك بربك الکریم الذی خلقك الخ۔ "اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے اس پروردگار کریم کے مقابل میں مغرور بنا دیا ہے۔ جس نے تجھے خلق کیا"۔ ءانتم انشاتم شجرتها ام نحن المنشؤن کیا شجر آتشین کو تم نے نشو و نما دیا ہے۔ یا ہم اس کے نشو و نما دینے والے ہیں۔ پس جب یہ دونوں لفظ "خلق و نشو" مخلوق کے لئے باعتبار حیثیات وارد ہوئے ہیں۔ تو صرف لفظ نشو کو اپنے لئے

مخصوص کر لینا اس بے معنی ہے۔

"فلما اراد اللہ ان ینشئ الصنعۃ" یہ فقرہ حدیث دلالت کرتا ہے کہ بعد خلق حقیقت جامعہ کلیہ دیگر اشیاء بحیثیت "نشو" ظاہر ہوئیں۔ اور یہی لفظ اس مقام پر موزون تھا۔ اسلئے کہ حقیقت جامعہ تو موجود تھی۔ اب ظہور اشیا شان "ارتقا" لئے ہوئے تھا۔ "ینشئ" سے ہست نہیں ہوا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔ "فخلق منہ العرش" یہاں لفظ "خلق" بحیثیت حقیقت اصلی استعمال ہوا ہے۔ پس بعد خلقت اولین اشیاء عالم "خلق و نشو" دونوں کے ماتحت ہیں۔ باعتبار ظہور تدریجی ماتحت "نشو" ہیں۔ اور بلحاظ حقیقت اصلی ماتحت خلق۔ میرے خیال میں حدیث میں ان الفاظ کا اس طرح سے استعمال ہونا علم رسالت پر ایمان لانے کیلئے بہت کافی ہے۔

ارباب بصیرت کے لئے یہ امر بھی قابل غور ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ نے اس حدیث میں اپنی ذات کو عرش سے افضل قرار دیا ہے۔ اور اہمیں کسی مومن کو شک و شبہہ عارض نہیں ہو سکتا۔ یہ فضیلت محض برائے گفتن نہیں۔ بلکہ واجب ہے کہ اس پر یقین رکھا جائے۔ ہمارے قیاسات واہیہ اس مقام پر کار آمد نہیں ہو سکتے۔

ثم فتق نور اخی علیؑ ابن ابی طالبؑ فخلق منہ الملائکۃ والملائکۃ من نور علیٍ و نور علیٍ من نور اللہ و علیٌ ابن ابیطالبؑ افضلُ من الملائکۃ۔

پھر خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے ملائکہ کو خلق کیا۔ اور ملائکہ علیؑ کے نور سے ہیں۔ اور علیؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے۔ اور علیؑ ابن ابیطالبؑ ملائکہ سے افضل ہیں۔

اس فقرہ سے واضح ہے کہ ملائکہ نور علوی ہے۔ نور علیؑ اصل ہے اور ملائکہ اسکی فرع۔ اور اصل کو جو فضیلت فرع پر ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ ملائکہ کا ذکر فرماتے ہوئے رسول اللہ نے کسی ملک کو مستثنےٰ نہیں فرمایا۔ نہ جبرئیل کو نہ میکائیل کو۔ یہ باتیں اہل ایمان کے لئے مد نظر رکھنے کے قابل ہیں۔

ثم فتق نور ابنتی فاطمۃؑ فخلق منہ السمٰوات والارض فالسمٰواتُ والارض من نور ابنتی فاطمۃ و نور ابنتی فاطمۃ من نور اللہ و ابنتی فاطمۃؑ افضلُ من السمٰوات

والارض۔

پھر خداوند عالم نے میری بیٹی فاطمہؑ کے نور کو شگافتہ کیا۔ اور اس سے زمین و آسمان خلق فرمائے پس زمین و آسمان میری بیٹی فاطمہؑ کے نور سے ہیں۔ اور میری بیٹی فاطمہؑ کا نور خدا کے نور سے ہے اور میری بیٹی فاطمہؑ زمین و آسمان سے افضل ہے۔

حدیث کے اس فقرہ میں اس مخدومۂ عالم کی شان رسول اللہؐ نے بیان فرمائی ہے۔ جس کی سیرت ان اوراق میں ضبط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ اللہ! جسکی سیرت کا بیان مخبر صادق نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہو۔ جو زمین و آسمان کے لئے اصل قرار پائے۔ اسکی شان کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

اس حدیث میں یہ امر خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بزرگواروں کے نور کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا۔ بلکہ سب کیلئے "من نور اللہ" ارشاد ہوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان بزرگواروں کے انوار مقدسہ میں کسی قسم کی تفریق نہیں۔ یہ سب بلحاظِ حقیقت ایک ہیں۔ اور سب کا تعلق ذاتِ باری سے یکساں ہے۔ اور ان سب میں حقیقت محمدیہ جلوہ گر ہے۔

لثم فتق نور ولدی الحسنؑ فخلق منہ الشمس والقمر فالشمس والقمر من نور الحسنؑ ونور ولدی الحسنؑ من نور اللہ والحسنؑ افضل من الشمس والقمر

پھر خداوندِ عالم نے میرے بیٹے حسنؑ کے نور کو شگافتہ کیا۔ اور اس سے شمس و قمر کو خلق فرمایا۔ پس شمس و قمر نورِ حسنؑ سے ہیں۔ اور حسنؑ کا نور۔ نور خدا سے۔ اور حسنؑ شمس و قمر سے افضل ہے

واضح ہو کہ بعض احادیث میں انتساب اشیاء عالم ان انوار مقدسہ سے موجودہ ترتیب حدیث کے خلاف ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ خدا نے میرے نور کو شگافتہ کر کے اس سے زمین و آسمان پیدا کئے۔ اور میں زمین و آسمان سے اجل و اعظم ہوں اور نور علیؑ کو شگافتہ کر کے اس سے عرش و کرسی کو خلق فرمایا۔ اور علیؑ عرش و کرسی سے افضل ہے۔ اور حسنؑ کے نور کو شگافتہ کر کے اس سے لوح و قلم کو خلق فرمایا۔ اور حسنؑ لوح و قلم سے افضل ہے"۔ لیکن جب ہم حقیقت پر غور کرتے ہیں۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس اختلاف ترتیب سے

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ توحید حقیقت کیطرف اشارہ فرماتے ہیں۔یعنی ترتیب سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو چیز مثلاً نور پیغمبرؐ سے خلق ہوئی اس کا نورِ علیؑ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔یا جو شے نور فاطمہؑ سے خلق ہوئی وہ نور پیغمبرؐ سے متعلق نہ رہی۔موجودہ اختلاف سے یہ شبہہ بآسانی رفع ہو سکتا ہے۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ خلقت زمین وآسمان کو اپنے نور سے متعلق فرماتے ہیں۔اور کہیں فاطمہؑ کے نور سے اس کے یہی معنی ذہن میں آتے ہیں کہ لوگ ان کے مراتب باطنیہ سے واقف ہوکر وحدت نورانیہ پر ایمان لائیں۔اور اپنی عقول ناقصہ پر بھروسہ کر کے ہر شے کو "مجازی" نہ سمجھ لیں۔کیونکہ ارشاد پیغمبرؐ یا امامؑ کے مقابلہ میں ہمارے اوہام کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔اسمیں شک نہیں کہ علم تفصیلی ان مقامات کا ہماری عقل سے باہر ہے لیکن علم اجمالی تو یقیناً حدیث پیغمبرؐ سے حاصل ہوتا ہے اور اس پر ایمان رکھنا ضروریات سے ہے الرّادُ علینا الرّادُ علی اللہِ۔ان کے قول کا رد کرنیوالا خدا کے قول کا رد کرنیوالا ہے

پس یہ اختلاف اس شبہہ کا رد کرنیوالا ہے جسکی طرف اشارہ کیا گیا۔باوجود اس اختلاف کے پھر بھی یہ انتساب حقیقت سے خالی نہیں اور جو چیز جس نور سے منسوب ہوئی ہے اگرچہ اس کا تعلق تمام انوار سے یکساں ہے لیکن پھر بھی اس نور سے ایک خاص نسبت رکھتی ہے جیسا کہ فقرہ آیندہ سے معلوم ہوگا۔

ثمّ فتق نور ولدی الحسین فخلق منہ الجنّۃ والنار والحور العین والولدان فالجنّۃُ والنار والحور العین والولدانُ من نور ولدی الحسین فنور ولدی الحسین من نور اللہ وولدی الحسینُ افضلُ من الجنۃ وما فیہا وافضلُ من النار وما فیہا۔

پھر خداوند عالم نے میرے بیٹے حسینؑ کے نور کو شگافتہ فرمایا۔اور اس سے جنتؐ دوزخ اور حور و غلمان خلق فرمائے۔پس جنت و دوزخ اور حور و غلمان میرے بیٹے حسینؑ کے نور سے ہیں اور میرے بیٹے حسینؑ کا نور نورِ خدا ہے۔اور میرا بیٹا حسینؑ جنت و ما فیہا اور جہنم و ما فیہا سے افضل ہے۔

جنت و نار کی پیدائش کا تعلق اکثر احادیث میں اسی فاطمہ زہراؑ کے جگر بند سے منسوب ہے

ہونے سے یہ چیزیں دوسرے بزرگوں سے الگ نہیں ہوسکتیں" القیا فی جہنم کل کفار عنید" تم دونوں جہنم میں ہر کافر وعنید کو گرا دو۔ تفاسیر اہلبیتؑ سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خطاب محمد مصطفےٰ اور علی مرتضیٰ سے ہے۔ جس سے ان بزرگواروں کے تصرف کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان اشیا کی نسبت حسینؑ سے باقی ہے۔ اور اس نسبت کا اثر صادق آلِ محمدؑ کی زبانی ہمیں یہ نظر آتا ہے۔ من بکا علی الحسینؑ او ابکی او تباکی وجبت لہ الجنۃ۔ جو شخص حسینؑ پر روئے یا رُلائے یا رونے والے کی شکل بنائے۔ اس پر بہشت واجب ہے۔ اسی ارشاد کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہوگا۔ کہ جو شخص حسینؑ پر رونے رُلانے کو بنگاہِ عداوت وتمسخر دیکھے وہ قابلِ دوزخ ہے یہ جنت ودوزخ فے الحقیقۃ پرتو ہیں۔ رؤفیت وقہریت حسینیہؑ کے۔

ثم امر اللہ الظلمات ان تمر بسحائب الظلم فاظلمت السمٰوات علی الملائکۃ فضجت الملائکۃ بالتسبیح والتقدیس وقالت الٰہنا وربنا منذ خلقتنا وعرفتنا ھذہ الاشباح لم نر بؤسا فبحق ھذہ الاشباح الا ما کشفت عنا ھذہ الظلمۃ فاخرج اللہ تعالیٰ من نور ابنتی قنادیل فعلقھا فی بطنان العرش فازھرت السمٰوات والارض ثم اشرقت بنورھا فلاجل ذلک سُمیت الزھراء فقالت الملائکۃ الٰھنا وسیدنا لمن ھذا النور الذی اشرقت بہ السمٰوات والارض فاوحی اللہ تعالیٰ الی الملائکۃ ھذا نور اخترعتہ من نور جلالی وجمالی لامتی فاطمۃ بنت حبیبی محمدؐ وزوجۃ ولیی واخی نبیی والی حججی علی عبادی علی ابن ابیطالبؑ اشھدکم یا ملائکتی انی قد جعلت ثواب تسبیحکم وتقدیسکم لھذہ المرءۃ وشیعتھا الی یوم القیامۃ فقالوا شہدنا بذلک یا ربِّ (الحدیث)

پھر خداوندِ عالم نے ظلمات کو حکم دیا۔ کہ وہ تاریکی کے بادلوں کے ساتھ چلے۔ پس ملائکہ پر فضائے آسمان تاریک ہوگئی۔ اور ملائکہ نے تسبیح وتقدیس کرتے ہوئے فریاد بلند کی اور عرض کیا اے ہمارے الٰہ۔ اے ہمارے پروردگار۔ اے ہمارے خالق۔ جب سے تونے ہمیں خلق فرمایا اور ان اشباح (نورانیہ) کی معرفت ہمیں بخشی۔ ہم نے کبھی خوف اور سختی کی شکل نہ دیکھی تھی۔ پس انہیں

(نورانی) تصویروں کا واسطہ اس تاریکی کو ہم سے دور فرما۔ پس خداوند عالم نے میری بیٹی کے نور سے قندیلیں ایجاد فرمائیں۔ اور انہیں وسطِ عرش میں آویزاں فرمایا۔ پس زمین و آسمان روشن ہو گئے۔ اور شیدۂ عالم کے نور سے جگمگا اٹھے۔ اسی لئے اس کا نام زہراؑ رکھا گیا۔ پھر ملائکہ نے عرض کی اے ہمارے الٰہ! ہمارے آقا! یہ کس کا نور ہے جس سے تمام زمین و آسمان چمک اٹھے۔ پس خداوند تعالےٰ نے ملائکہ پر وحی فرمائی۔ یہ وہ نور ہے جسے میں نے اپنے نور جلال وجمال سے اپنی کنیزِ خاص فاطمہؑ کے لئے اختراع کیا ہے۔ جو میرے حبیب محمد مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ و آلہ) کی بیٹی ہے اور میرے ولی میرے نبی کے بھائی۔ میری حجتہائے علی العباد کے پدر بزرگوار علیؑ ابن ابی طالبؑ کی زوجہ۔ اے میرے ملائکہ! میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمہاری تسبیح و تقدیس تا روز قیامت کا ثواب اس کیلئے یعنی اس کے شیعوں کے واسطے مقرر کیا۔ ملائکہ نے عرض کیا خداوندا ہم اس پر گواہ ہیں۔"

ان فقرات متبرکہ کی توضیح سمجھنے کے لئے آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا تمام اشیا اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ عالم اشباح میں جسوقت کہ تمام عالم نورانی ہو رہا تھا ملائکہ کو ہرگز اس کا علم نہ تھا۔ کہ یہ نورانیت کیسی ہے۔ کہاں سے ہے؟ اور اس کا منبع کونسا ہے۔ اشباح ملائکہ کے سامنے موجود تھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا۔ کہ یہ نورانیت انہیں نورانی تصویروں کا پرتو ہے۔

مثال اسکی یوں سمجھنی چاہئے کہ یہ آفتاب جو کرۂ زمین کو نورانی کر رہا ہے اگر حکمتِ الٰہی اس پر افول کی نقاب نہ ڈالتی تو ہرگز ہم تمیز نہ کر سکتے۔ کہ یہ نورانیت جرم شمس ہی کا طفیل ہے یہی رنگ ملائکہ کا تھا۔ پس مشیتِ الٰہی کا مقتضا ہوا کہ اسکی روحانی مخلوق ان بزرگواروں کے مراتب کو پہچانے جو مبدء الارواح ہیں۔ اسی لئے ظلمات کو حکم دیا۔ کہ تاریکی کے بادل فضائے عالم میں پھیلا دے۔ اس تاریکی کے پھیلتے ہی ملائکہ نے فریاد شروع کی۔ اور خداوند عالم نے اپنی قدرت ایجاد سے شعاعہائے نور فاطمیہؑ کو قندیلوں کی شکل میں تشکل فرما کر وسطِ عرش میں آویزاں کر دیا۔ جس سے پھر زمین و آسمان چمک اٹھے۔ اب ملائکہ کو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت پہلے جو نورانیت تھی اس کا مبدء و منبع انہیں اشباح نورانیہ کا نور تھا۔ یہ ایک معرفت کا سبق تھا۔ جو

... کر دیا گیا۔ ان فرشتوں نے بطور رفع تاریکی کے دعا کی وہ بھی انہیں کے توسط سے

کی جس سے معلوم ہوا کہ مخلوق روحانی کی فطرت میں یہ امر داخل ہے کہ جب دعا کرے تو کسی کے واسطے سے کرے۔ اور ان بزرگواروں سے بڑھکر کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ یہی حکم محکم قرآن کا ہے۔ وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ صراطِ الٰہی پر چلنے کیلئے وسیلے کی تلاش کرو اور بہترین وسیلہ یہی بزرگوار ہیں۔

اِس حدیث مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس تا روز قیامت کا ثواب جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا کے شیعوں کے لئے قرار دیا گیا۔

یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ فرشتے خداوند عالم کی ایسی مخلوق ہیں جن میں مادۂ عصیان کو قطعاً دخل نہیں "عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون"۔ گو از روئے حقیقت مرجع اس آیت شریفہ کا آئمہ علیہم السلام ہیں۔ لیکن بنظرِ ظاہر ملائکہ کی بھی شان یہی ہے انکی فطرت میں عناصرِ متضادہ شامل نہیں ہیں۔ گویا انکی حالت طبعی کا اقتضا یہی ہے کہ وہ تسبیح و تقدیس کیا کریں۔ ملائکہ مقربین کی تو قطعاً یہی حالت ہے۔ (اگرچہ بعض افراد میں جوان کے علاوہ ہیں۔ دوسری حالت بھی معلوم ہوتی ہے) جب یہ حالت ہے تو گویا انکی عبادت اختیاری نہیں ہے۔ اور قاعدہ عقل یہ ہے۔ کہ ثواب کا مستحق وہی قرار پائیگا۔ جو کوئی فعل اپنے اختیار سے بجا لائے۔ افعالِ غیر اختیاری پر کوئی شخص عقلاً مستحقِ عطا و انعام نہیں ہو سکتا۔

یا یُوں سمجھو کہ آگ کی طبیعت ہے جلانا۔ پانی کی طبیعت ہے سردی پہنچانا۔ اِنسان کی طبعی حالت ہے زمین پر چلنا۔ بسنا۔ ان امور پر نہ آگ کو انعام دیا جائیگا۔ نہ پانی کو نہ انسان کو۔ اور یہ بھی عجیب راز ہے کہ ان امور طبعیہ پر کسی شخص کو انعام کی خواہش بھی نہیں ہوتی۔ پس ملائکہ کو نہ خواہش ثواب ہو سکتی ہے اور نہ وہ عقلاً اس کے مستحق۔

یہ سب سہی! لیکن باوجود اس کے بھی "ثواب" کا وجود ضرور ہے۔ کیونکہ ثواب کسی انعام جدید یا عطائے جدید کا نام نہیں۔ بلکہ وہ ایک اثر ہے اعمال حسنہ کا۔ جو اپنی مناسبت کے لحاظ سے شکلیں پیدا کرتا ہے۔ پس تسبیح و تقدیس جو افضل اعمال ہیں۔ ان کے اثرات بھی افضل و اعلیٰ ہوں گے۔

اب یہ اثرات پہنچیں تو کہاں پہنچیں۔ اور دیئے جائیں تو کہاں دیئے جائیں۔ فرشتوں میں نہ اسکی خواہش۔ اور نہ وہ از روئے قانونِ عقل اس کے مستحق۔ لہٰذا اب وہ قانون جاری ہوگا جس کے الفاظ یہ ہیں۔ کل شیئٍ یرجع الیٰ اصلہٖ۔ ہر چیز اپنی اصل کیطرف پلٹ جاتی ہے۔ اس قانون کی بنا پر یہ اثرات تسبیح و تقدیس ملائکہ علی مرتضیٰ صلوات اللہ علیہ کیطرف رجوع کر جائینگے اس لیئے کہ اسی حدیث مقدس سے ظاہر ہوچکا ہے کہ اصلِ ملائکہ علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جب وہاں تک یہ اثرات پہنچ گئے تو اب یا بقانون توارث یا بقانون مہر انکا رجوع حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کیطرف ہوگا۔ اور ثواب تسبیح و تقدیس ملائکہ حصۂ فاطمہؑ قرار پائیگا۔

جب یہ بات معلوم ہوچکی تو اب اہل ایمان کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ بزرگوار مظہر ہیں اس ذات کے جس کا نام "غنی" بھی ہے۔ لہٰذا شان "غنا" انمیں ضرور پائی جائیگی۔ یعنی از طرفِ مخلوق یہ بالکل غنی ہیں۔ انہیں کسی مخلوق کی احتیاج نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی فیاضی بھی انکی صفاتِ خاصہ میں سے ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں جمع ہوگئیں۔ یعنی عدم احتیاج اور فیاضی۔ تو لامحالہ جناب سیّدہ اس ثواب کو اسی طرف لوٹائینگی۔ جہاں انکی احتیاج بھی ہو نیز قابلیت بھی۔ اور یہ قابلیت شیعیانِ فاطمہؑ سے بہتر کہاں ملسکتی ہے۔ اور احتیاج بھی یہاں ثابت ہے۔ پس ثوابِ تسبیح و تقدیس ملائکہ کے وارث حسب قانونِ عدل شیعیان فاطمہؑ قرار پائیں گے۔ اور یہی قضائے محکم خداوندی ہے جس پر ملائکہ کی شہادتیں ثبت ہیں۔ اسی قانون کو مدنظر رکھکر ترجمہ حدیث میں "ولشیعتہا" کے "واو" کا ترجمہ "یعنی" کیا گیا ہے۔

شیعیانِ فاطمہؑ و شیعیانِ علیؑ

یوں تو بنظرِ ظاہر شیعیانِ علیؑ و شیعیانِ فاطمہؑ ایک ہی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھو گے تو شیعیانِ فاطمہؑ کے مدارج بہت بلند نظر آئیں گے۔

سنو! اور ایمان کے کانوں سے سنو! جناب علی مرتضیٰ عہدۂ امامت پر فائز ہوکر اہل دنیا کے سامنے آئے۔ ہر مقام پر ان کے کمالات کا نقش قدم موجود ہے۔ ان کے ارشادات ان کے افعال اس کثرت سے سُنے اور دیکھے گئے۔ جسکی بنا پر ہر شخص کو ایمان اور کامل ایمان حاصل

کرنے کا بہترین موقعہ ملا۔ اس کے برخلاف جناب سیدہ کی حالت دوسری ہے۔ وہ عہدہ امامت پر جلوہ گر نہیں ہوئیں۔ اس لئے کہ حجاب مانع فرائض امامت ہے۔ ان کے پدر بزرگوار کی لائی ہوئی شریعت کا حکم ہے "لا یتبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ" زمانۂ جاہلیت کی طرح کھلے بندوں نہ پھرو۔ اس کے علاوہ شرم وحیائے ذاتی بھی ایک چیز ہے۔ جسے بحالت اضطرار ہی نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ پس یہ قیود تھیں۔ جنکی بنا پر جناب سیدہ کے کمالاتِ ذاتیہ کو اظہار کا موقعہ نہیں ملا۔ بیت النبوۃ کا گوشۂ نورانی ہی ان کا مسکن رہا۔ اتنے حجابات میں جن لوگوں نے جناب سیدہؑ کے کمالات اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھے۔ ان کے مدارجِ ایمانیہ کی ترقی میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ یہ ایک خصوصیت ہے۔ جو شیعیانِ فاطمہؑ میں ہمکو نظر آتی ہے

باقی حقائق کا عالم خدا ہے۔ اور مظہرِ خدا۔"

اس حدیث مقدس سے اربابِ بصیرت جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی حالتِ باطنی یا سیرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جس مخدومہ کونین کے نور سے ملائکہ کی آنکھوں نے نورانیت حاصل کی ہو۔ اللہ اکبر اسکی تنویر اور لمعانیت کے اظہار کے لئے الفاظ کہاں سے میسر آسکتے ہیں۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ جس طرح اس کے اشراقات سے زمین و آسمان جگمگا اٹھے۔ ظلمتیں کافور ہو گئیں اسی طرح آج بھی اس کے نور سے ظلمتِ جہل ونفاق دور ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم اس ظلمت کو سمجھ لیں اور پھر اس کے دور ہونے کی خواہش کریں۔

ہر چہ ہست از قامتِ ناسازئی اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

افسوس انسان نے ظلمت کو نور اور جہل کو علم سمجھ رکھا ہے۔ جبتک ان حقائق نورانیہ سے توسل نہ کریگا۔ کبھی فائز المرام نہیں ہو سکتا۔ جبتک نشۂ مادیات میں مخمور ہے۔ کبھی نسیم قدس اسے معطر نہ کریگی۔ جبتک اپنے علم پر (جو اوہام وخیالات کا ذخیرہ ہے) مغرور رہیگا۔ کبھی حقیقت علم سے آشنا نہ ہوگا۔ ربّ زدنی علماً والحقنی بالصّالحین الذین یرون بعین البصیرۃ حقائق الاشیاء کما ھی۔

اس حدیث سے آپکو معلوم ہوا کہ ان حقائق نورانیہ کا نور سب سے مقدم تھا اور آسمان

ایجاد انہیں کے انوارِ مقدسہ کی روشنی نے منور کیا تھا۔ اب ایک اور حدیث درج کیجاتی ہے جس سے معلوم ہوگا۔ کہ عالمِ اشباح میں تصویرِ نورانی فاطمۃ زہرا کسطرح جلوہ گر تھی۔

بحار الانوار جلد عاشر و جلد سابع (۲۴۹) عن ابی محمد العسکری عن آبائہ علیہم السلام قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لما خلق اللہ آدم وحوا تبختر ا فی الجنۃ فقال آدم لحوا ما خلق اللہ خلقا ھو احسن منا فاوحی اللہ عزّ وجلّ الی جبرئیل ان ائت لعبدی فی الجنۃ الفردوس الاعلیٰ فلما دخلا الفردوس نظرا الی جاریۃٍ علیٰ درنوکٍ من درانیک الجنۃ علیٰ راسہا تاجٌ من نورٍ وفی اُذنیہا قرطان من نورٍ قد اشرقت الجنان من حُسنِ وجہہا قال آدم حبیبی جبرئیل من ھذہ الجاریۃ التی قد اشرقت الجنان من حُسنِ وجہہا فقال ھذہ فاطمۃُ بنت محمدٍ نبیٍ من ولدک یکون فی آخر الزمان قال فما ھذا التاج الذی علیٰ راسہا قال بعلہا علی ابن ابیطالب قال فما القرطان اللذانِ فی اُذنیہا قال ولداھا الحسن والحسین قال حبیبی جبرئیل اُخلقوا قبلی قال ھم موجودون فی غامض علم اللہ عزّ وجل قبل ان تخلق باربعۃ آلاف سنۃ۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے آبائے کرام سے روایت فرمائی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد کیا۔ کہ جب خدا نے آدم و حوا علیہما السلام کو خلق فرمایا۔ تو انہوں نے جنت میں افتخار کیا۔ اور آدم نے حوا سے کہا کہ خداوند عالم نے کوئی مخلوق ہم سے بہتر خلق نہیں کی۔ پس خدائے جل وعلا نے حضرت جبرئیل کو وحی کی کہ میرے ان دونوں بندوں کو جنۃ الفردوس اعلےٰ میں لے آؤ۔ جب یہ دونوں فردوس میں داخل ہوئے۔ تو ایک شہزادی کو دیکھا۔ جو فرشِ جنت پر جلوہ افروز تھی۔ اس کے سر پر تاجِ نورانی تھا اور اس کے کانوں میں نور کے آویزے تھے۔ اور اس کے چہرے کی ضیاءِ حسن سے تمام جنت روشن ہو رہی تھی۔ پس حضرت آدم نے جبرئیل سے پوچھا یہ شہزادی کون ہے۔ جس کے چہرے کے حسن سے تمام جنت روشن ہے۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ فاطمہ بنت محمد ہے جو آخری زمانہ میں

تیری اولاد سے نبی ہوگا۔ حضرت آدمؑ نے پوچھا یہ تاج کیسا ہے۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ اس کا شوہر علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔ پھر پوچھا کہ اس کے کانوں میں گوشوارے کیسے ہیں۔ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ اس کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ حضرت آدمؑ نے سوال کیا کہ کیا یہ مجھ سے پہلے خلق ہوئے ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ تمہاری خلقت سے چار ہزار برس پہلے غامضِ علمِ خدا میں موجود تھے۔

اِس حدیث سے اہلِ ایمان پر روشن ہو جاتا ہے کہ حقیقتِ فاطمیہ کس صورت میں جلوہ افروز تھی۔ نیز حضرت جبرئیلؑ نے جو مدت ان بزرگواروں کے لئے مقرر کی ہے۔ اس کا ہمارے سنین متداولہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ان کا تعلق ہے غامضِ علمِ الٰہی سے۔ کیونکہ یہ بزرگوار اس وقت موجود تھے جب زمانہ کا وجود نہ تھا۔ بلکہ خود خلقت جبرئیلیہ ان کے بہت بعد ہے۔ بلکہ جبرئیل ایک شعاع ہے آفتابِ علویہ کی۔

اربابِ بصائر ہیں سے جناب فاطمہؑ کی سیرت کا اندازہ فرمائیں۔ دوسری مخلوق خواہ وہ انبیاء ہوں یا ملائکہ۔ نہ کوئی ان کے کوائفِ باطنی کو احاطہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی انکی حقیقت کو جان سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بزرگوار تمام عوالم پر محیط ہیں۔ باقی تمام مخلوق ان کے ماتحت ہے۔ اسی بارگاہ سے تقرب کی بدولت جبرئیل کو تاجِ تقرب عطا ہوا۔ اور اسی درگاہ کی بدولت کل مخلوق کو ایمان کی دولت دستیاب ہوئی۔ جب یہ ظاہر نہ تھے۔ تو کچھ بھی ظاہر نہ تھا۔ اور جب یہ ظاہر ہوئے تو سب کچھ ان کے طفیل میں ظاہر ہو گیا۔

انہیں حدیثوں سے وجہ تسمیۂ "زہرا" بھی معلوم ہو گئی۔ یہ نام یونہی نہیں رکھا گیا۔ بلکہ یہ نام حضرت کی صفاتِ باطنیہ کے لحاظ سے رکھا گیا ہے۔

واضح ہو کہ آئمہ علیہم السلام کے اسماء متبرکہ اسمائے خدا سے مشتق ہیں بلکہ نظرِ حقیقت بین میں خود یہ بزرگوار اسماء اللہ ہیں۔ ان کے اسماء گرامی کو عوام پر قیاس نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ ان میں سے ہر نام انکی سیرت کا ظاہر کرنیوالا ہے۔ اگر اسم سے مسمّٰی کی شان کا پتہ چلیگا۔ تو مخلوقاتِ الٰہی میں یہی بزرگوار اس صفتِ خاص میں امتیازِ خاص رکھتے ہوئے نظر آئیں گے۔

نہایت بابرکت ہیں وہ نفوس جنکی زندگیاں ان کے فضائل و مناقب پر غور کرنے میں

گذر گئیں۔ اور کسقدر مبع خیر تھے وہ بزرگوار جنکی جانکاہ محنتوں کی بدولت یہ حدیثیں ہم تک پہنچ گئیں۔ جن کا ایک ایک لفظ سرمۂ چشم بصیرت ہے۔ اسی کے ساتھ حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر بھی جو ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ اب یہ چیزیں ان کے لئے قصہ کہانیوں سے بھی کم وقعت رکھتی ہیں۔ اہلِ نظر کی یہ سرد مہری یقیناً افسوس کے قابل ہے۔ افسوس کہ احادیث معصومین سے محبت روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ نہیں معلوم اس کا انجام کیا ہوگا۔ دامِ اوہام میں ہم کبتک اُلجھے چلے جائیں گے۔

اہلِ زمانہ پکار رہے ہیں۔ اور تحریراً و تقریراً اس خواہش کا اظہار ہو رہا ہے کہ ہمیں تاریخ وسیر آئمہ کی ضرورت ہے۔ میرے دوستو! اگر تم محض تاریخ پر اکتفا کرنا چاہتے ہو۔ تو ان واقعات مشہورہ سے جو انکو پیش آئے (سوائے ایک واقعہ کے) تم اپنے ایمان میں کوئی خاص اضافہ نہیں کرسکتے۔ وہ چیز کہ جس سے روحِ ایمان کو جلا ہوتی ہے۔ وہ انکی سیرت ہے۔ اور یہ سیرت سوائے احادیث کے اور کہیں تم کو دستیاب نہیں ہوسکتی۔

سنو! میری ایک بات سنو! امیرِ شام پر علیؑ مرتضیٰ کی فوجکشی سے کوئی علیؑ کی شان معلوم نہیں ہوسکتی۔ یا فتح خیبر کی بنا پر علیؑ مرتضیٰ کی قوتوں کا کوئی خاص اندازہ نہ ہوگا۔ یہ چیزیں تو اگر غور کروگے۔ تو ان کے غلاموں کے ہاتھ پر جاری ہوسکتی ہیں۔ ہاں جب تم غور کروگے "کل شیٔ احصیناہ فی امام مبین" پر اسوقت آفتاب کمالاتِ علویہ کی شعاع تم تک پہنچ سکتی ہے۔ مگر اس مقام پر جب آنا تو ظرف لیکر اور قلبِ سلیم لیکر آنا۔ ورنہ بغیر اسکے مصیبت ہی مصیبت کا سامنا ہے۔ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔

میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعات تاریخی بیکار چیز ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ضروری اور بہت ضروری ہیں۔ بحث سیرت کی ہے۔ کہ وہ صرف احادیث سے معلوم ہوگی۔ اور ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے موافق اسمیں سے حصہ لے سکتا ہے۔

باب دوم

انعقادِ حمل وکیفیات حمل وولادت

اہل ایمان پر روشن ہے کہ اس نورانی مخلوق کے حالات عام انسانی حالات سے بالکل مغائر ہیں۔ انکی طینت اور ہے۔ ہماری طینت اور۔ یہ بزرگوار جو لباسِ انسانی میں جلوہ گر ہوئے اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ انکی پیدائش میں بھی اسی مادّے کو دخل ہو۔ جس سے کہ عام انسانوں کی خلقت ہوا کرتی ہے۔ یہ مادہ جو حقیقتِ نجاست ہے۔ ان بزرگوارونکو مَس نہیں کرسکتا۔ جو شخص ایسا خیال کرے۔ وہ تطہیر کلّی کے معنی سے بیخبر ہے۔ یہ مخلوق عالمِ امر کی مخلوق ہے۔ اس مخلوق کیلئے ان اسباب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ جو عام انسانی تولید میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں افرادِ طبقۂ انبیاء کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے اہلِ بصیرت یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ جو اوپر بیان کیا گیا۔

قرآن میں قصّہ حضرت عیسٰیؑ وحضرت یحیٰیؑ وحضرت اسحٰقؑ وغیرہم بہت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ جو لوگ ان قصّوں کی تاویل کے درپے ہوتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ان قصّوں کی عبارتوں کو درہم وبرہم کرکے ان بزرگواروں کو اپنی ہی صف میں لے آئیں۔ فی الحقیقۃ انہیں نورِ بصیرت سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ یا یہ کہ مدعیانِ فلسفہ کے ہولناک ناموں سے انکی روح لرزتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن کا مطلب اس طرح بیان کریں۔ کہ فلسفہ ظاہری کے معیار پر یہ مطلب پورا اتر جائے۔ حالانکہ یہ فلسفہ خود اوہام انسانی کا مجموعہ ہے۔ ہمیشہ اس کے قیاسات واصول بدلتے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ بدلتے جائیں گے۔ یہ اوہام وخیالات اہلِ بصیرت کے نزدیک نہ کبھی حجت ہوئے ہیں۔ اور نہ حجت ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کی حقیقت نورانیہ کے متعلق جو حدیث درج کی گئی ہے

اس سے اہلِ ایمان قطعی اس نتیجہ پر پہنچیں گے۔ کہ جس ذات کی عالمِ قدس میں یہ حالت ہو وہ اس
دنیا میں آنے کیلئے ہمارے ہی اسباب کی ماتحت نہیں ہو سکتی جس طرح اسکی حقیقت ہم سے
بالکل الگ ہے۔ اسی طرح اس کے دنیا میں آنے کے اسباب بھی قطعاً ہم سے مختلف ہوں گے۔ ہمارے
اوجِ تقدس کیوں نشیبِ نجاست کیطرف پرواز کرے۔ اسکی پرواز ہمیشہ ساحتِ تطہیر میں رہیگی۔
”لم تنجسکم الجاهلیة بانجاسها ولم تلبسکم مدلهمات ثیابها۔“ اے اہلبیتِ نبوت
تمہیں ہرگز نجاساتِ جاہلیت نے نجس نہیں کیا! اور تمہیں اپنی تاریک چادریں نہیں اڑھائیں۔
تمہاری روشنی تاریکیوں سے بدل نہیں سکتی۔ اور تمہاری قبائے تطہیر کو کسی قسم کی نجاست مس نہیں
کرسکتی۔ تم ہمیشہ سے نور تھے اور ہمیشہ نور ہی رہو گے۔ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونا
درآنحالیکہ ہر عالم میں تمہارے حقائق موجود ہیں۔ تمہاری شان میں کوئی فرق پیدا نہیں کرسکتا اول
کو آخر سے نسبت ہے! اور آخر کو اول سے۔ پس یہ موادِ عنصری جیسے شر اور جہالتیں عارض ہو سکتی ہیں
تم میں کہاں۔ تمہاری شان اس سے بہت بلند ہے۔ اور تمہاری حقیقت اس سے بہت دور ہے

وہ شے جسے نطفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو کہ فی الحقیقۃ ظرف ہوتا ہے حقیقتِ انسانیہ کا۔ عام
انسانوں میں یہ شے خلاصہ ہوتی ہے ماکول و مشروب ارضی کا۔ لیکن جو بزرگوار کہ حقیقتِ نورانیہ
رکھتے ہیں۔ ان کیلئے مصالحِ مختلفہ کی بنا پر یہ ظرف اگر تیار ہوتا ہے۔ تو مادی غذاؤں سے نہیں ہوتا
بلکہ وہ غذائیں ہماری غذاؤں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ اگرچہ صورت میں مشابہت رکھتی ہوں
لیکن انکی سیرت بالکل ان سے مختلف ہوتی ہے۔ بلکہ انکی ایک صورت سیرہائے مختلفہ کی حامل ہوتی
ہے یعنی اگر مثلاً رطب ہے۔ تو صرف رطب ہی نہیں بلکہ اسمیں سیب کی لذت بھی ہے انگور کی بھی
بلکہ کل فواکہات کی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جبکہ اس عالمِ مادی میں ہم ایسے میوہ جات
دیکھتے ہیں جنکی خوشبو کسی اور میوے کی ہے۔ اور لذت میں مختلف میووں کی لذتیں ملی ہوئی ہیں اور
باوجود اس کے وہ ایک صنفِ علیحدہ بھی ہیں۔ جب اس عالمِ ناقص میں یہ چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں تو
وہ عالم جو کمالِ محض ہے اور جہاں کی ہر چیز کامل ہے۔ وہاں تو یہ حقائق بدرجہ اولےٰ پائے جائیں
گے۔ غالباً یہی وجہ ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ نے اس ظرف کا قوام جو حاملِ حقیقت

نہیں ہے۔ صرف اپنی سمجھ کا اختلاف ہے۔

سخن ہا بسکہ وفقِ منزل افتاد

زر افہام خلائق مشکل افتاد

ان احادیث میں سے ایک حدیث جسے صاحب علل الشرائع نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایکمرتبہ جناب عائشہ رسول اللہ کیخدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ اپنی لختِ جگر کو بوسے دے رہے تھے۔ جناب عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ انہیں (بہت) دوست رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر تم اس کے ساتھ میری محبت کا اندازہ کر سکو تو ضرور ان سے محبت بڑھاؤگی۔ یہ ارشاد فرماکر رسول اللہ نے کیفیت معراج بیان فرمائی۔ اور آسمانوں کی کیفیتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد کیا۔ کہ جب میں حجاب کے پاس پہنچا تو جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے داخلِ جنت کیا۔ مینے دیکھا کہ ایک شجر نورانی ہے۔ جس کے سائے میں دو فرشتے بیٹھے ہوئے حلّے اور زیورات چُن رہے ہیں۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ درخت کس کیلئے ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کے بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کی ملک ہے۔ اور یہ فرشتے قیامت تک اس کے لئے حلّے اور زیورات چُنتے رہیں گے۔ پھر میں آگے بڑھا۔ میں نے ایک رطب دیکھا جو مسکہ سے زیادہ نرم۔ مشک سے زیادہ خوشبودار اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے یہ رطب لیکر نوش کیا۔ پس یہ رطب نطفہ بن گیا۔ جب میں واپس آیا۔ تو اس نطفہ نے رحم مطہر خدیجہ میں قرار پکڑا۔ پس فاطمہؑ انسانوں میں حور ہے۔ جب میں جنت کا مشتاق ہوتا ہوں۔ تو فاطمہ (صلوات اللہ علیہا) کی بو سونگھ لیتا ہوں۔

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ظرف جو حقیقت فاطمیہؑ کا حامل ہے۔ اسکی اصل اس جنّت سے ہے۔ جو ورائے حجاب اور فوق حجاب ہے۔ جو دوسری جنتوں سے بہت رفیع ہے گویا وہ روح جنّات ہے۔ جسکی لذّتوں کو دوسری جنتوں کی لذتیں نہیں پہنچ سکتیں۔ اسی حدیث سے جناب خدیجہ کی سیرت پر بھی روشنی پڑجاتی ہے۔ کیونکہ اس طاہر و مطہر حقیقت کی حامل وہی ذات ہو سکتی ہے۔ جسمیں اسکی اہلیت ہو۔ اور جو اس سے مناسبت رکھتی ہو۔ گو ہم اس خاتونِ معظم کو منصوص طور پر معصومہ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن دائرہ عصمت سے ان کا اتصال قطعی ہے۔

ارباب نظر جانتے ہیں۔ کہ روح اپنے مقام پر تصرفات عجیب و غریب کی حامل ہے۔ ان

تصرفات میں کمی اسوقت ہوتی ہے۔جبکہ مادیات کے تاریک پردے اس کے سامنے آجاتے ہیں لیکن جو روح کہ حقیقۃ الارواح ہو۔اول تو اسکو کوئی حجاب اپنے تصرفات سے روک نہیں سکتا۔اور جبکہ پردہ بھی نہو۔یا اگر ہو تو وہ بھی نورانی ہو۔اور اسکی طینت جنت اعلیٰ سے ہو۔تو اس کے تصرفات کے لیے کوئی شے حائل نہیں ہوسکتی۔نہ انتقال مکانی سے اسکی حیثیت میں فرق آتا ہے۔نہ تحویل و تحول اس کے کمالات کو چھپا سکتے ہیں۔وہ ہر وقت جب چاہے اپنے تصرفات ظاہر کرسکتی ہے۔

چنانچہ سیدۂ عالم وعالمیان نے جب حسب مشیتِ ایزدی رحم جناب خدیجہؑ میں قیام فرمایا تو اسوقت جناب خدیجہؓ اپنی تنہائی سے بہت پریشان رہتی تھیں۔مکہ کی عورتوں نے آپ سے میل جول ترک کردیا تھا۔جرم یہی تھا کہ آپ اس صادق امین کی زوجیت کے شرف سے مشرف تھیں۔جو دنیا سے ظلمتِ جہالت و کفر دور کرنے کیلئے مبعوث ہوا تھا۔آپ انکی تصدیق کرنیوالی تھیں۔اور آپ نے اپنا مال و متاع اشاعتِ اسلام کے لئے وقف کردیا تھا۔اس حالت میں ایک تو تنہائی کا صدمہ حضرت خدیجہؓ کو ستاتا تھا۔دوسرے جناب رسول اللہ کیطرف سے بھی ملول رہا کرتی تھیں۔اس لئے کہ کفار ہر وقت آپکی اذیت کے درپے رہتے تھے۔پس خداوندِ عالم نے جناب خدیجہ کی تسکین کا سامان کیا۔یعنی جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا آپکی تسلی کا ذریعہ قرار پائیں چنانچہ ایک حدیث کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔جس سے کیفیت حمل کیطرف بھی اشارہ ہوگا۔اور حالات ولادت کی طرف بھی۔

بحار الانوار جلد عاشر میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ مصباح الانوار سے اور امالی شیخ صدوق سے روایت کرتے ہیں۔جس کے ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

مفضل ابن عمر بیان کرتے ہیں۔کہ میں نے حضرت صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کیخدمت میں عرض کیا کہ جناب سیدہؑ کی ولادت کسطرح ہوئی آپ نے فرمایا کہ جب خدیجہؓ سے جناب رسول اللہ نے شادی کی تو مکہ کی عورتوں نے انہیں چھوڑ دیا۔نہ وہ ان کے پاس آتی تھیں۔نہ ان کو سلام کرتی تھیں۔اور نہ کسی اور عورت کو ان کے پاس آنے دیتی تھیں۔اس بات سے جناب خدیجہ کو بہت وحشت ہوئی۔اور ادھر جناب رسول اللہ کی طرف سے بھی خوف دامنگیر تھا۔اسی حالت میں جناب سیدہ کا حمل قرار پایا۔جناب سیدہؑ وضع حمل سے باتیں کیا کرتی تھیں اور انہیں تسلی دیا کرتی

دیتی رہتی تھیں۔ اور صبر کی تلقین فرماتی تھیں۔ خدیجہ نے رسول اللہ سے یہ بات چھپا رکھی تھی۔ ایک روز رسول اللہ تشریف لائے۔ تو آپ نے سُنا کہ خدیجہؓ جناب فاطمہؑ سے باتیں کر رہی ہیں۔ پوچھا یہ کس سے باتیں کرتی ہو۔ خدیجہؓ نے عرض کی کہ یہ بچّہ جو میرے شکم میں ہے۔ مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ اور میری وحشت کو دور کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے خدیجہؓ جبرئیل نے مجھے بشارت دی ہے کہ یہ بچّہ "لڑکی" ہے یہ نسل طاہرہ و میمونہ ہے۔ خداوند عالم میری نسل اسی سے قرار دیگا۔ اسی کی نسل سے امام پیدا ہوں گے۔ جو انقضائے وحی (قرآنی) کے بعد زمین پر خدا کے خلیفہ مقرر کئے جائیں گے۔ پس جناب خدیجہ کی یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ آپکی ولادت کا وقت آیا۔ اسوقت خدیجہؓ نے قریش کی عورتوں کے پاس کہلا بھیجا۔ کہ آؤ اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ جب عورتیں ہی عورتوں کے کام آسکتی ہیں۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ تم نے ہمارا کہنا نہ مانا۔ یتیم ابو طالبؑ سے شادی کر لی۔ جو فقیر ہے۔ جس کے پاس کچھ بھی مال نہیں۔ اب ہم نہیں آتے۔ اس جواب سے خدیجہؓ مغموم ہوئیں۔ اسی اثنا میں خدیجہ نے دیکھا کہ چار گندم گون اور سرو قامت عورتیں داخل ہوئیں جو بظاہر بنی ہاشم کی عورتوں میں سے معلوم ہوتی تھیں۔ خدیجہؓ کو ان کے اچانک آجانے سے ایک قسم کی دہشت ہوئی۔ ان عورتوں میں سے ایک نے بڑھکر کہا۔ کہ تم ملول نہ ہو۔ ہمیں خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ہم تمہاری بہنیں ہیں۔ میں سارہ ہوں یہ آسیہ بنت مزاحم ہے۔ جو جنت میں تمہاری مصاحب ہے۔ یہ مریم بنت عمران ہے اور یہ کلثوم خواہر موسیٰؑ۔ ہمیں خدا نے تمہاری خدمت کیلئے بھیجا ہے۔ ان میں سے ایک تو خدیجہؓ کے دائیں طرف بیٹھ گئی۔ دوسری بائیں طرف۔ ایک پس پُشت اور ایک سامنے۔ پس جناب فاطمہؑ طاہرہ مطہرہ پیدا ہوئیں۔ اور جب زمین پر تشریف لائیں۔ تو چہرۂ اقدس سے ایک نور چمکا۔ جسکی چمک مکہ کے تمام گھروں میں پہنچی اور مشرق و مغرب میں کوئی مقام ایسا نہیں تھا۔ جہاں اس نور کا پرتو نہ پڑا ہو۔ پھر دس حوران جنت حاضر ہوئیں۔ اور ہر حور کے ہاتھ میں طشت و آفتابہ جنت تھا۔ اور آفتابہ آب کوثر سے لبریز تھا۔ وہ عورت جو جناب خدیجہ کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے آب کوثر سے سیّدۂ عالم کو غسل دیا۔ پھر دو سفید براق خوشبو میں بسے ہوئے پارچے نکالے۔ ایک پارچہ میں حضرت کو لپیٹا اور دوسرا آپ پر اڑھا دیا۔ پھر فاطمہؑ سے کلام کرنا چاہا۔ جناب فاطمہؑ نے اولاً فرمایا۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و ان ابی

میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے ذات وحدہٗ لاشریک کے کوئی خدا نہیں اور میرے پدر بزرگوار خدا کے رسولؐ اور سردار انبیا ہیں۔ میرا شوہر سردار اوصیاء۔ اور میری اولاد بہتر از انبیائے بنی اسرائیل پھر آپ نے ان بی بیوں کو سلام کیا۔ اور ایک ایک کا نام لیکر سلام کیا۔ وہ ہنستی ہوئی آپکی طرف بڑھیں حوروں نے آپسمیں مبارکباد دی۔ اہل آسمان نے ایکدوسرے کو ولادتِ فاطمہؑ کا مژدہ سنایا اور آسمان میں ایک ایسا نور ظاہر ہوا۔ جو اس سے قبل ملائکہ نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اب ان عورتوں نے کہا اے خدیجہؓ اس طاہرہ مطہرہ۔ زکیہ۔ میمونہ کو لو۔ یہ مبارک ہے اور اسکی نسل بھی مبارک۔ خدیجہ نے ہنسی خوشی اس نورانی مولود کو لیکر سینہ سے لگالیا۔ اور دودھ پلانے لگیں۔ جناب فاطمہؑ ایکدن میں اتنا بڑھتی تھیں جتنے دوسرے بچے ایک مہینے میں۔ اور ایک مہینے میں اتنی نشوونما ہوتی تھی جتنی کہ دوسرے بچوں کے لئے ایک سال میں۔

اس حدیث مقدس سے معلوم ہوگیا کہ زمانہ حمل میں اس شعاع روح اعظم کے تصرفات کیسے تھے تلقین صبر اس مخدومہ کے کمالات پر دال تھا۔ اس عالم میں جو صبر کی تلقین کرے۔ ضرور ہے کہ حقیقت اس کے دامن سے وابستہ ہو۔ ہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باتیں جو ہوتی تھیں وہ کوئی قصے کہانیاں نہ تھیں۔ بلکہ حقائق ایمانیہ سے لبریز ارشادات تھے۔ جسکی تفسیر معصومؑ نے لفظ "تصبرھا" سے فرمائی ہے۔

یہ مقام بھی جناب فاطمہؑ کی سیرت کا ایک بلند مقام ہے۔ اور یہی سیرت آپکو آئمہ معصومین علیہم السلام کی نظر آئیگی۔ بلکہ انکی خصوصیات خاصہ یہی ہوتی ہے۔ انکی حالتیں عام انسانی حالتوں سے بالکل جداگانہ ہیں۔ انکی تسبیح و تہلیل کی صدائیں ہر حجاب سے بلند ہوتی ہوئی سنائی دینگی۔ حجاب رحم سے ان کے کمالات اسی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ آفتاب کی شعاعیں ابر سے۔ ہاں حجاب رحم میں انکی غذا وہ نہیں ہوتی جو عام بچوں کی ہوتی ہے۔ بلکہ انکی غذا وہی ہے جو روح کی اصلی غذا ہے اور جسے اہل بصیرت نے "علوم و معارف" کے نام سے نامزد کیا ہے۔ اور اسی کو روحانی غذا کہتے ہیں۔

یہی عالم انکی ولادت کا ہے۔ انکی ولادت میں وہ وہ آثار غریبہ ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کے سماعت کی برداشت وہی کرسکتا ہے۔ جس کے قلب کا خدا نے ایمان کے ساتھ امتحان کر لیا ہو۔ انکی ولادت کے وقت کسی قسم کی نجاست کا ظہور نہیں ہوتا۔ یہ سب کے سب طاہر و مطہر پیدا ہوتے ہیں۔ زمین پر آتے

... ہیں ... کا کلام جو وہ ہے کہ اعلانِ توحید ہوا کرتا ہے۔ جس سے اہلِ نظر معلوم کر سکتے ہیں
کہ دنیا میں توحید انہیں کے دم سے پھیلی۔ اور یہی وہ بزرگوار ہیں۔ جنہیں ہیاکلِ توحید کہا گیا ہے۔

ولادتِ معصومہ کے یہ حالات جو اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ تمام آئمہؑ کے متعلق اسی قسم کے امور آپکو نظر آئیں گے۔ اور یہ امر احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ جو سب کی سب معصومینؑ سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوسرے فرقے کی کتابوں میں بھی ایسی چیزیں تلاش سے دستیاب ہو سکتی ہیں لیکن ہمارے لئے یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ کہ ہر چیز کی سند وہیں سے تلاش کرنے نکلیں۔

نشو و نما کی بابت جو اس حدیث میں ذکر ہوا ہے۔ اسکی بنا بھی تصرفِ روحانی پر ہے اور ذرا بھی تعجب انگیز نہیں۔ بلکہ انکی حالتوں میں جو ہمکو تدریج نظر آتی ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ انسانی عقلیں اس سے زیادہ کی متحمل نہیں ہو سکتیں

نشو و نما اور بالیدگی کا انحصار قوتِ باطنی پر ہے یہ قوت جسقدر زیادہ ہوگی۔ اسی قدر نشو و نما حیرت انگیز ہوگا۔ اسکی مثالیں دنیا میں بھی مل سکتی ہیں۔ مگر ہمارے سامنے تو ذکر درپیش ہے اُن بزرگواروں کا جو اصلِ قوی ہیں۔ انکی بالیدگی کا اندازہ تو ہماری عقلیں کر ہی نہیں سکتیں۔ اظہارِ کمالات کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ اس کا دیکھنے والا قابلیت اور اہلیت رکھتا ہو۔ اگر نااہل کے سامنے کوئی ایسی بات ظاہر کیجائے۔ تو یا تو وہ سحر وغیرہ کی آڑ لیکر انکار کریگا۔ یا حیران ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ جائیگا۔ لہٰذا عام عقول کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہے۔ اور کمالات کا کچھ نہ کچھ اظہار کر کے خدا کی حجتیں بھی قائم کیجاتی ہیں۔ جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ موقعہ و مصلحت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نورِ جنابِ سیدہ کا اشراق عالمِ روحانی تک ہی محدود نہ تھا۔ اور اس عالم میں آنے سے انکی نورانیت پر حجاب نہیں پڑے تھے۔ بلکہ جب یہاں تشریف لائیں تو نورٌ علیٰ نور ہو کر تشریف لائیں۔ اسی لئے وقتِ ولادت آسمانوں پر وہ نور چمکا۔ جو اس سے قبل فرشتوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ عالمِ شہود میں آنے سے انکی ضیا دہ چند ہو کر نور افگن ہوئی۔ جس نے اہلِ ایمان کے لئے نورانیت کا ایک اور باب کھولدیا۔

وجہ تسمیہ فاطمہؑ و فہرست اسماء و القاب

سطور سابقہ میں آپکو معلوم ہو چکا ہے کہ وجہ تسمیہ "زہرا" یہ ہے کہ آپکے نور سے

کون ومکان روشن ہے۔ اسی لئے آپکا اسمِ گرامی "فاطمہ" بھی ایک خاص صفت کیطرف اشارہ کرتا ہے۔

وجہ اوّل۔ صاحب بحار جلد سابع میں معانی الاخبار و علل الشرائع سے نقل فرماتے ہیں عن ابن عباس رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ لعلی ابن ابیطالبؑ لما خلق اللہ عزّ ذکرہٗ آدم و نفخ فیہ من روحہ و اسجد لہ ملائکتہٗ و اسکنہٗ جنّتہٗ و زوّجہٗ حوّا امتہٗ فرفع طرفہٗ نحو العرش فاذا بخمس سطورٍ مکتوباتٍ قال آدم یا ربّ ما ھؤلاء قال اللہ عزّ وجلّ ھؤلاء الذین اذا تشفعوا بہم الیٰ خلقی شفعتہم فقال آدم یا ربِّ بقدرھم عندک ما اسمہم فقال اما الاول فانا المحمود وھو محمّد والثانی فانا العالی وھذا علیؑ والثالث فانا الفاطر وھذہ فاطمۃُ والرابع فانا المحسن وھذا الحسنؑ والخامس فانا ذوا لاحسان وھذا حسینؑ کل یحمد اللہ عزّ وجل۔ ابن عباس سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اقدس نے جناب علی مرتضیٰؑ سے فرمایا۔ کہ جب خداوند عالم نے آدم کو خلق کیا ان میں اپنی روح پھونکی۔ ملائکہ کو ان کے لئے سجدے کا حکم دیا۔ اپنی جنت میں انھیں ٹھیرایا اور اپنی کنیز حوا سے انکی تزویج فرمائی۔ اسوقت آدمؑ نے اپنی نگاہ عرش کیجانب بلند کی تو عرش پر پانچ سطریں نورانی لکھی ہوئی دیکھیں۔ عرض کیا خداوندا یہ کیسی تحریر ہے۔ ارشاد باری ہوا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے وسیلے سے اگر میری مخلوق مجھ سے شفاعت کی خواہش کرے۔ تو میں قبول کرونگا۔ آدمؑ نے عرض کیا خداوندا ان کے مراتب عالیہ کا صدقہ ان کے نام سے آگاہ فرما۔ ارشاد ہوا کہ میں محمود ہوں۔ اور یہ پہلا محمد ہے۔ میں عالی ہوں اور دوسرا علیؑ ہے۔ میں فاطر ہوں۔ اور یہ تیسری فاطمہؑ ہے۔ میں محسن ہوں اور یہ چوتھا حسنؑ ہے۔ میں صاحب احسان ہوں اور یہ پانچواں حسینؑ ہے۔ یہ سب خداوند عزّوجل کی حمد کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کا نام "فاطمہ" "فاطر السموات" سے مشتق ہے۔ خوش مذاق احباب اسے اشتقاق صرفی نہ سمجھیں۔ یہ مناسبات معنوی ہیں جن میں صرف کا تصرف نہیں ہے۔ اس اشتقاق معنوی سے اہل مذاق جناب فاطمہؑ کے درجات

وجہ دوئم۔ فی مجمع البیان۔ روی انہا سمّیت فاطمۃ لانّہا فطمت شیعتہا من النّار و فطم اعدائہا عن حُبّہا۔

صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں۔ "روایت کیگئی ہے کہ آپکا اسم گرامی فاطمہؑ اس لئے قرار پایا کہ آپ نے اپنے شیعوں کو دوزخ سے۔ اور اپنے دشمنوں کو اپنی محبت سے (جو جنّت حقیقی ہے) دور کر دیا۔ یہ توجیہ لغت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ لغت میں فطم کے معنی دودھ چھڑانے کے ہیں۔ یہ توجیہ احادیث میں بکثرت مذکور ہوئی ہے۔

اسی توجیہ کو صاحب مدارج النبوت نے حافظ دمشقی سے نقل کیا ہے قال رسول اللہ یا فاطمہ اتدرین لِمَ سمّیتک قلتُ یا رسُول اللّٰہ لِمَ سمّیت فاطمہ قال ان اللّٰہ تعالیٰ قد فطمہا و ذرّیتہا عن النّار۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا اے نورِ نظر تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا نام فاطمہؑ کیوں رکھا۔ میں نے کہا آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ فرمایا اس لئے کہ خدا نے اسکو (تمکو) اور اسکی (تمہاری) ذریت کو آتش دوزخ سے آزاد کر دیا۔

وجہ سوئم۔ فی مجمع البیان۔ قیل فطمہا بالعلم و من الطمث یہ بھی ایک قول ہے کہ آپکا نام فاطمہؑ اس لئے رکھا گیا۔ کہ آپ نے شیرِ علم نوش کیا ہے۔ اور آپ نجاسات نسوانیہ سے پاک و پاکیزہ ہیں۔ یہ توجیہ بھی لغت اور خصائص باطنیہ کے لحاظ سے ہے۔ احادیث اس کے متعلق بھی موجود ہیں۔

یہ ہرسہ توجیہات اپنے اپنے مقام پر سب صحیح ہیں۔ مگر توجیہ اوّل جو نقل ہوئی ہے وہ بہت بلند اور رفیع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ صلوات اللہ علیہا اپنے مبدء سے اتنا قرب رکھتی ہیں کہ کسی ملک مقرب کا خیال بھی درمیان میں حائل نہیں ہو سکتا۔

وہ حدیث جس سے توجیہ اول نقل کیگئی ہے۔ اسمیں بیشمار اسرار ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ اس عالم میں اشباحِ نورانیہ خمسۂ نجبا بصورت سطور مکتوبی بھی جناب آدمؑ نے ملاحظہ کیں۔

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس عالم میں ان بزرگواروں کے انوار کہیں بشکل نجم نظر آئے کبھی بصورت انسانیہ۔ کہیں بہیئت تاج۔ کبھی بصورت ... کبھی

بصورتِ قنادیل کبھی بصورتِ سطورِ مکتوب! اس اختلافاتِ حالات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ حقائقِ مختلفہ کی حامل ہے۔ بلکہ حقائق عالم سب کے سب اسمیں موجود ہیں۔ اسی لئے قرآن میں اسمارِ مختلفہ سے اسے یاد کیا گیا ہے۔ خصوصاً حدیث مذکورۃ الصدر سے "والطور، و کتاب مسطور" کی تفسیر پر بھی اربابِ بصیرت مطلع ہو سکتے ہیں۔

ان توجیہات کے بعد اب مومنین کی ازدیادِ بصیرت کیلئے حضرت کی کنیتیں اور القاب اختصار کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) اُمّ الحسن (۲) اُمّ الحسین (۳) اُمّ المحسن۔ (۴) اُمّ الائمۃ (۵) اُمّ ابیہا (۶) اُمّ السبطین۔ یہ حضرت کی مشہور کنیتیں ہیں۔ ان میں سے کنیت ۵ قابل غور ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی ظاہری اس مقام پر نہیں لئے جا سکتے۔ ہاں معنیٔ "اُم" اس مقام پر "مقصود" یا "قصد" لئے جائیں گے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہوگا۔ یعنی یہ وہ دختر بلند اختر ہے۔ جو اپنے پدر بزرگوار کا مقصودِ اصلی ہے اور مقصودِ رب العالمین کا مقصود خود مقصودِ خدا ہے۔ بعض عارفین کا یہ قول کہ مشہور حدیث قدسی "لولاک الخ" میں جو کاف "خطاب" ہے اسمیں تمام معصومین داخل ہیں۔ اور بلحاظ وحدتِ طینتی و نورانی و روحانی ضمیر واحد استعمال ہوتی ہے اس قول کی تائید غالباً اس کنیت سے بھی ہوسکیگی۔

القاب حضرت کے بکثرت ہیں جن میں سے چند القاب کی فہرست یہ ہے۔

(۱) البتول (۲) الحصان (۳) الحرّۃ (۴) السیّدۃ (۵) العذرا (۶) الحورا (۷) المبارکہ (۸) الطاہرہ (۹) الزکیّۃ (۱۰) الراضیۃ (۱۱) المرضیہ (۱۲) المحدّثۃ (۱۳) مریم الکبریٰ (۱۴) الصدّیقۃ الکبریٰ (۱۵) النوریہ (۱۶) السماویہ (۱۷) الحانیۃ (۱۸) الصدّیقۃ بالاقوال (۱۹) المبارکۃ بالاحوال (۲۰) والطاہرہ بالافعال (۲۱) الزکیۃ بالعدالۃ (۲۲) الرضیۃ بالمقالۃ (۲۳) المرضیۃ بالدلالۃ (۲۴) المحدثۃ بالشفقۃ (۲۵) والحرۃ بالنفقۃ (۲۶) والسیدہ بالصدقہ (۲۷) الحصان بالمکان (۲۸) البتول فی الزمان (۲۹) الزہرا بالاحسان (۳۰) مریم الکبرٰی بالستر العظمۃ (۳۱) العلیا بالستر العصمۃ (۳۲) العظمیٰ بالبر (۳۳) النوریۃ بالشہادۃ (۳۴) السماویہ بالعبادۃ (۳۵) الحانیۃ بالزہد (۳۶) العذرا بالولادۃ (۳۷) الزاہدۃ الصفۃ (۳۸) العابدۃ الوفۃ (۳۹) المتہجدۃ

... (۴۲) حبیبة حبیب الرحمن (۴۳) عقیلة الرحمن (۴۴) ابنة خیر المرسلین (۴۵) قرة عین سید الخلائق اجمعین (۴۶) واسطة العقد بین سیدات نساء العالمین (۴۷) المتظلمة بین یدی العرش یوم الدین (۴۸) ثمرة النبوة (۴۹) زہرة الفتوة (۵۰) بضعة شفیع الامة (۵۱) سیدة النساء (۵۲) وارثة سید الانبیاء (۵۳) قرینة سید الاوصیاء (۵۴) راحة روح المصطفیٰ (۵۵) حاملة البلوی من غیر فزع ولاشکوی (۵۶) صاحبة شجرة طوبیٰ (۵۷) ذات الاصل الزکی والفرع الطری (۵۸) ابنة النبی (۵۹) وصاحبة الوصی (۶۰) السیدة المعصومه (۶۱) الکریمة المظلومه (۶۲) السعیدة الشہیدہ (۶۳) السیدة الرشیده (۶۴) المفطمة من کل شر (۶۵) المعظمة بکل خیر (۶۶) المنعوتة فی الانجیل (۶۷) الموصوفة بالبر والتجیل (۶۸) درة صدف الوحی والتنزیل (۶۹) وعزة جبین التفسیر والتاویل +

یہ مقدس القاب بعض مفرد ہیں اور بعض مرکب۔ اور بعض ایسے ہیں کہ دو مفرد لقب ملکر ایک ہوگئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض القاب کے مطلب و معنی کیطرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ تاکہ اردو دان حضرات بھی فائدہ حاصل کر سکیں۔

(۱) اس لقب کے معنی ہیں دنیا سے قطع تعلق کرنیوالی اور خدا سے تعلق خاص رکھنے والی[۱] بعض روایات میں ہے کہ حضرت رسول اللہ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپنے فرمایا ہے کہ مریم بتول ہے۔ اور فاطمہؑ بتول ہے۔ پس بتول کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بتول اس عورت کو کہتے ہیں جس نے کبھی نجاست نسوانی نہ دیکھی ہو۔ اور اسکی وجہ تسمیہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ازروئے فضل و حسب و دین تمام عورات زمانہ سے الگ تھیں۔

(۵) کے بھی قریب قریب یہی معنی ہیں۔ مگر عذرا اصل میں اس عورت کو کہتے ہیں۔ جو شوہر سے الگ ہو یعنی اسے شوہر کی ضرورت نہو۔ اس لقب سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ مخلوق نورانی کو تعلقات زناشوئی کی فی الحقیقة حاجت نہیں ہوتی۔ وہاں اگر یہ تعلقات

زن و شوی

---

[۱] وتبتل الیہ تبتیلا۔ آیہ شریفہ اس لقب کے معنی ظاہر کرتی ہے۔ اور آپ اس کی پوری

[illegible]

۱۲۔ محدثہ اسے کہتے ہیں جس سے فرشتے باتیں کرتے ہوں۔ اور جناب سیدہ کیلئے یہ امر ہرگز تعجب خیز نہیں۔ جبکہ جناب مریمؑ کا قصہ قرآن میں موجود ہے۔ جناب سارہؑ کے حالات موجود ہیں۔ کہ ان سے فرشتوں نے باتیں کیں۔ جناب سیدہ کی شان تو ان سے بہت بلند ہے۔ بلکہ فرشتے تو اس کے دروازے کے خادم ہیں۔ اور جبرئیل جیسا مقرب فرشتہ انکی خدمت پر فخر کرتا ہے۔

۱۵۔ بلحاظ حقیقت اصلی آپکا لقب مبارک نورانیہ ہے۔ یہ لقب بحالتِ انفراد غالباً اسی حقیقت اولیہ کیطرف اشارہ کریگا۔ بحالتِ ترکیب اس کے معنی دوسرے بھی ہیں۔ جو آئندہ آئیں گے۔

۱۶۔ بلحاظ رفعتِ شان آپکا لقب سماویہ ہے۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ حسبِ تفسیر اہلبیت جناب رسول اللہؐ کا نام قرآن میں سماء ہے۔ اور جناب سیدہ کو جو تعلق اس "سماء" سے ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حالتِ ترکیبی میں اس لقب کے دوسرے معنی ۳۴ میں موجود ہیں۔

۱۷۔ حانیہ "حین" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "موت اور فنا"۔ جس سے اشارہ ہے آپکے فنا فی اللہ ہونے کیطرف۔ یہ لقب بحالت ترکیب بھی انہیں معنی کیطرف اشارہ کر رہا ہے۔

۱۸۔ اقوال کے لحاظ سے صدیقہ یعنی کبھی ایسا کلمہ جسمیں شائبہ کذب ہو آپکی زبان پر جاری نہیں ہوا۔ اگر اہل زمانہ نے آپکی اس صفت کو تسلیم نہ کیا تو خود مبتلائے جہالت ہوئے۔

۱۹۔ حالات کے لحاظ سے مبارک اور بابرکت۔ جسمیں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں۔

۲۰۔ افعال آپکے جتنے ہیں۔ وہ سب ہر قسم کے لہو و لعب سے طاہر و مطہر ہیں۔

۲۱۔ آپکی عدالت نے آپکو بالکل مزکی کر دیا ہے۔ یہ عدالت عدالت اصطلاحی ظاہری نہیں بلکہ یہ عدالت ربوبیت والوہیت ہے جسکی آپ مظہر ہیں۔

۲۲۔ بلحاظ اقوال آپ رضیہ ہیں۔ یعنی جو لفظ آپکے منہ سے نکلتا ہے۔ وہ رضا و تسلیم کی حقیقت لئے ہوئے نکلتا ہے۔

۲۳۔ [illegible]

مرضیۃ الی اللہ ہے۔

۲۴ ؎ آپکی جو بات ہوتی ہے وہ شفقت و رحمت کے جواہر سے آراستہ ہوتی ہے کیونکہ آپ جزو نورِ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لقب میں "محدِّثہ" صیغہ اسم فاعل ہے۔ اور لقب اوّل میں صیغہ "اسم مفعول"۔

۲۵ ؎ انفاق کرنے میں۔ نفقہ دینے میں آپ آزاد ہیں گویا آپکو قطعاً اس شے کی احتیاج نہیں جسے عطا فرما رہی ہیں۔ صفتِ ایثار کیطرف اشارہ ہے۔

۲۶ ؎ صدقہ دینے میں آپ سردار و بزرگ ہیں۔ غیر اس معاملہ میں آپ کا مدمقابل نہیں ہو سکتا۔

۲۷ ؎ معنی ظاہری گوشہ نشینی اور پاکدامنی کے ہیں۔

۲۸ ؎ لقب بتول میں اسکی تشریح گذر چکی ہے۔

۲۹ ؎ یہ لقب بھی طہارت اور نورانیت سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ نے زمین و آسمان کو روشن کیا۔ اور نور عفت سے روشن کیا۔

۳۰ ؎ حجاب عظمت و پردۂ بزرگی میں آپ مریم کبریٰ ہیں۔ یعنی آپکا درجہ عظمت مادر عیسیٰ سے بہت بلند ہے۔

۳۱ ؎ سر عصمت میں آپکا مرتبہ انبیائے ماسلف سے بہت اعلےٰ ہے۔

۳۲ ؎ برِ و احسان میں آپکو خاص عظمت حاصل ہے۔ "برّ" کی تفسیر کے لئے آیات سورۂ بقر لیس البرّ ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب الخ کا ترجمہ ظاہری کفایت کر سکتا ہے۔

۳۳ ؎ اس عالم شہادت میں بھی آپکی نورانیت پر کوئی حجاب نہیں پڑ سکا۔ یہاں بھی آپ نورانیہ ہیں۔ اگر شہادت کے معنی گواہی کے لئے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ آپکی نورانیت پر خدا کی شہادت موجود ہے۔

۳۴ ؎ آپ ازروئے عبادت بہت بلند مرتبہ ہیں۔ یا یہ کہ آپکی عبادت رسول اللہ کی عبادت کے ہم پلہ ہے۔

۳۵ زہد کے معنی ہیں تمام تعلقات سے قطع تعلق کر کے محض خدا کی طرف رجوع ہونا۔ آپ کو اس زہد میں مرتبۂ فنا حاصل ہے۔ مقصد وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔ یعنی آپ "فنا فی اللہ" ہیں۔

۳۶ از روئے ولادت آپ ہر قسم کی نجاستوں سے دور ہیں۔ یعنی آپکی طہارت فطری بھی ہے آپ من الاول الی الآخر معصوم ہیں۔

۳۷ آپکا زہد صدق و صفا لئے ہوئے ہے۔

۳۸ آپ حق عبادت وفا کرنیوالی ہیں۔

۳۹ آپ تہجد گزار صاحب شرافت ہیں۔ تہجد کو شرافت نے اور شرافت کو تہجد نے جلا دے رکھی ہے۔

۴۰ "قانتۃ" کے معنی یہ ہیں کہ کسی وقت طاعت پروردگار سے الگ نہو۔ زندگی کا ہر لحظہ اطاعت خدا میں گذرے۔ اس دوامِ اطاعت کا لازمی نتیجہ عفت و عصمت ہے۔

۴۶ درمیان کے نمبر بالکل واضح ہیں۔ اس نمبر کا مطلب یہ ہے کہ عورات عالمیان کی جو عورتیں سردار قرار پائی ہیں۔ ان کا عقد آپ ہی کیواسطے سے ہوا ہے۔
یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ عورتیں جو سردارِ زنان تسلیم کیگئیں ہیں۔ یہ سرداری انکو اسی تعلق خاص کی بنا پر ملی ہے۔ جو انہیں خدا سے حاصل تھا۔ اور یہ تعلق انہیں آپ ہی کے سبب سے حاصل ہوا ہے مطلب یہی ہے کہ آپ خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔

۴۷ روزِ جزا عرشِ الٰہی کے سامنے فریاد کرنیوالی۔ یہ گویا آپکی خصوصیات خاصہ میں سے ہے اور اسمیں شک بھی نہیں کہ جو مظالم آپ پر اور آپکی اولاد پر گذر گئے۔ وہ دنیا میں تو کسی بی بی پر سننے میں نہیں آئے۔

۴۸ آپ ثمرۂ نبوت ہیں۔ ظاہر ہے کہ ثمرۂ نبوت ہدایت و نجات ہے۔ اور وہ آپ میں اور آپکی ذریت طاہرہ میں منحصر ہے۔

۴۹ آپ شگوفۂ چمنستانِ فتوت ہیں۔ لفظ فتوت ایک خاص لفظ ہے جو قرآن میں اہل اللہ اور صاحب خلت کے لئے استعمال ہوا ہے۔

۵۰ شفیع الامت (سرور انبیا) کے لئے آپ سرمایۂ شفاعت ہیں۔ بیشک شان شفاعت

کلیہ خیر المرسلین آپ سے اور آپکی ذریت طاہرہ سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔

۵۲ سیدالانبیاء کی آپ وارث ہیں۔ آپکو اہل زمانہ نے محروم الارث قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ لقب جس سے آپکی وراثت کیطرف اشارہ ہے۔ آپ خصوصیت کے ساتھ اس سے ملقب ہوئیں۔

۵۳ سیدالاوصیاء کی زوجہ ہیں۔ ان سے نزدیک ہیں۔ ظاہراً و باطناً۔

۵۵ بلیات کی برداشت کرنیوالی بغیر اس کے کہ قضائے الہٰی پر جزع و فزع کی ہو یا خدا کی نسبت شکوے کا حرف زبان سے نکالا ہو۔ یہی شیوۂ صابرین ہے۔

۵۶ شجر طوبیٰ کی مالک ہیں۔

۵۷ آپکی اصل پاکیزہ ہے۔ اور فرع ہمیشہ تر و تازہ۔ اصلھا ثابتٌ وفرعھا فی السّمآء تؤتی اکلھا کل حین۔ شجرہ طیبہ کی حالت یہ ہے کہ اصل اسکی ثابت و برقرار ہے اور فرع آسمان میں۔ ہر زمانہ میں اپنا پھل دیتا ہے۔ ہر وقت تر و تازہ ہے۔ اسی شجرہ طیبہ کا پھل اس زمانہ میں بھی موجود ہے۔

۶۰ وہ سیدہ بزرگوار ہیں جنہیں نقصان پہنچایا گیا ہے۔ جنہیں دل شکستہ کیا گیا ہے۔

۶۱ وہ صاحب کرم ہیں۔ جن پر ظلم کیا گیا ہے۔

۶۲ وہ صاحب سعادت ہیں۔ جنہیں مرتبہ شہیدیت حاصل ہے۔

۶۴ ہر ایک برائی سے جدا کی گئی ہیں۔ ہر نیکی کے ساتھ صاحب عظمت ہیں۔

۶۶ انجیل میں آپکی نعت اور ثنا کی گئی ہے۔

۶۷ احسان و تعظیم کے ساتھ آپ موصوف ہیں۔

۶۸ صدف وحی و تنزیل کی درۃ یتیمہ ہیں۔

۶۹ پیشانی تفسیر و تاویل کی روشنی ہیں۔

ان القاب مقدسہ کی کسی قدر تشریح اس لئے کیگئی ہے۔ تاکہ ناظرین کتاب ان القاب سے آپکی صفات اعلیٰ اخذ کریں۔ کیونکہ سابق میں عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ ان بزرگواروں کے اسمآ

والقاب مبالغہ اور اغراق کی بنا پر نہیں ہوتے۔ بلکہ انمیں تفکر و تعمیق ہوتی ہے۔ ان
انسان حقائق کیطرف راہ پاتا ہے۔ اور ان حقائق سے اس کے ایمان میں جلا ہوتی ہے۔

یہ اسماء والقاب سب کے سب معدنِ وحی سے نِکلے ہوتے ہیں۔ لہذا انکو اپنے اسماء والقاب پر قیاس کرنا ناموزون ہوگا +

باب سوئم

تعلیم و تربیت

بچپن کے حالات۔ عارفانہ اشارے

جب ہم کسی شخص کے حالات قلمبند کرنا چاہتے ہیں۔ تو اسکی تعلیم و تربیت پر ضرور نظر جاتی ہے۔ اس لیے کہ ابتدائی تعلیم و تربیت کا اثر انسانکی اخلاقی حالت کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ کہ کوئی پودا جس قسم کے پانی سے سینچا جائیگا۔ اس کے اثرات ضرور اسمیں نمایاں ہونگے۔ اگر بعض حکماء کا وہ قول اختیار کرلیا جائے۔ کہ تعلیم و تربیت سے کچھ فائدہ مترتب نہیں ہوتا تو نیکیوں کے لئے منادی کرنا ایک فعل عبث ہے۔ اور برائی سے روکنا ایک بمعنی کوشش۔ حالانکہ بنی نوع انسان کے تمدن کا انتظام اسی پر منحصر ہے۔

لیکن جس طبقہ کے بزرگواروں کے حالات ہمارے پیش ہیں۔ اور جن سے جناب سیدہ علیہا السلام کا تعلق ہے۔ ان کے متعلق ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا ان بزرگواروں کو بھی ہماری ہی طرح تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوا کرتی ہے؟ ظاہر پرست اور قیاسات واہیہ کے قیدی تو بلا تکلف کہہ اٹھتے ہیں۔ کہ ہاں ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اہل بصیرت ہرگز اس کے قائل نہیں ہوتے۔ ان کے

نزدیک علم اکتسابی کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

روایات کثیرہ اس طبقہ کے بزرگواروں کے متعلق موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بزرگواروں کو تعلیم ظاہری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثال کے لیئے کچھ اشارات نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت عیسٰی کی والدہ نے ان سے فرمایا کہ تمہارا لڑکوں کے ساتھ کھیلنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس سے بہتر ہے کہ کسی معلم کے پاس بیٹھ جاؤ۔ آپ نے جوابدیا کہ ان معلمین کی تعلیم سے خدا نے مجھے مستغنی کر دیا ہے۔ اور میں جب آپ کے شکم میں تھا مجھے توریت و انجیل کی تعلیم دی ہے۔ مریم نے کہا کہ یہ سچ ہے مگر بہتر یہی ہے کہ معلم کے پاس چلو۔ غرض انہیں لیکر گیئں۔ معلم نے حضرت عیسٰی کیطرف دیکھکر کہا "یا غلام" "اے لڑکے" آپ نے جوابدیا کہ تو معلم جاہل ہے۔ تجھے لازم ہے کہ جب کوئی لڑکا تیرے سپرد کیا جائے تو تعلیم دینے سے پہلے اس کا نام دریافت کرے تاکہ اس کا نام لے کر پکارے۔ معلم نے کہا کہ بیشک تم نے سچ کہا۔ اب نام بتاؤ۔ آپ نے اپنا نام بتایا۔ معلم نے کہا اے عیسٰی بسم اللہ کہو۔ آپ نے فرمایا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ معلم نے کہا کہو ابجد۔ عیسٰی علیہ السلام نے جوابدیا کہ ابجد کے معنی کیا ہیں۔ معلم یہ سنکر غضبناک ہوا۔ حضرت عیسٰی نے فرمایا کہ غصہ کی کوئی بات نہیں انسان بے علم مخلوق ہے۔ معلم نے کہا کہ اچھا تم ہی بتاؤ۔ آپ نے کہا کہ ضرور بتاؤں گا۔ مگر تم اپنی مسند چھوڑ کر میری جگہ آکر بیٹھو اور میں تمہاری جگہ بیٹھوں معلم نے مجبوراً ایسا ہی کیا۔ اسوقت جناب عیسٰی نے فرمایا۔ الالف آلاء اللہ۔ والبا بہاء اللہ۔ والجیم جمال اللہ۔ والدال دین اللہ۔ اسی طرح سے آپ نے تمام حروف ابجد کے معنی بیان کئے۔ جسے سنکر معلم نے حضرت مریم سے کہا کہ اسکو لیجاؤ اس نے تو مجھے ہی تعلیم دیدی۔ اور وہ چیزیں بیان کر دیں جنہیں میں نہ جانتا تھا۔ یعنی انہیں میری تعلیم کی ضرورت نہیں۔

حالات اہلبیت میں تو ایسے واقعات کثرت سے موجود ہیں جن سے صاف روشن ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار ہرگز تعلیم ظاہری کے محتاج نہ تھے۔ یہی کلیہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی شان میں جاری ہوگا۔ کہ وہ اس تعلیم عرفی کی محتاج نہ تھیں۔ اسی طرح تربیت ظاہری کی انکو ضرورت نہ تھی وہ تو خود مربی عالم ہیں۔ انہیں ایسی تربیت کی ضرورت کیا ہے۔ انکی تربیت کی جس نے کی۔ انکو تعلیم دی جس نے دی۔ ان کا دامن عصمت ان سطحیات سے بہت اونچا ہے۔

رسالت کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ اور کہنا پڑیگا کہ جناب سیدہ نے آغوشِ رسول میں پرورش پائی ہے۔ وہ رسول جسکی روح کا خاصہ یہ ہے کہ لایلہو و لایلعب۔ وہ ہرگز لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوتی پس اندازہ کرنا چاہئے کہ اپنی لختِ جگر کی تربیت آپ نے کس رنگ پر فرمائی ہوگی۔ درآنحالیکہ رسول کی شان یہ بھی ہے۔ حریصٌ علیکم۔ تمہاری ہدایت پر بے انتہا حریص ہے۔ یہ حرص کیا اپنی صاحبزادی کے حق میں جاری نہوئی ہوگی۔

شجر تعلیم و تربیت کی بار آوری کے لئے دو چیزوں کی حتماً ضرورت ہے۔ ان میں سے اگر ایک بھی ناقص ہو۔ تو مطلب حاصل نہ ہوگا۔ پہلی بات یہ ہے کہ اُستاد و مربّی شفیق ہو۔ اور دوسرا امر یہ ہے کہ متعلم بھی ظرف رکھتا ہو۔ اس کے ظرف میں کوئی خرابی نہ ہو۔ جہاں تک یہ شرطیں بدرجہ کمال پوری ہونگی۔ اسی حد تک نتیجہ بہتر حاصل ہوگا۔

اب غور کرو۔ کہ اُدھر معلم و مربّی تو رسول اللہ ہیں۔ جنکی شفقت و رحمت میں کسی قسم کا کلام نہیں ہوسکتا۔ اِدھر جسکی تربیت کی جارہی ہے وہ جزو نورِ احمدی ہے جسکی قابلیت و استعداد روز روشن کی طرح آشکار ہے۔ پس اس لحاظ سے بھی کہا جائیگا۔ کہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا مکتب رسالت سے اخلاق و سیرت محمدی کی تصویر بنکر نکلیں۔ اور کمالاتِ احمدیہ کو انہوں نے اسی طرح اخذ کرلیا۔ جس طرح ایک ہونہار طالب علم اپنے استاد اور شفیق استاد کے اخلاق و عادات و آداب و علم کا مرقع بنجاتا ہے۔

قلب کا وہ آئینہ جسمیں انوار لم یزلی کی شعاعیں تابندہ ہوں۔ اس کے مقابل ایسا ہی مصفا اور منوّر آئینہ رکھدیا جائے تو ایک کا عکس دوسرے میں اس شان سے نظر آجائیگا کہ دیکھنے والا حیران ہوگا۔ اور کچھ پتہ نہ چلا سکیگا۔ کہ اصلیت کس طرف ہے۔ جو نقش و نگار ایک میں ہیں۔ وہی دوسرے میں۔ بس اسی مثال سے نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور ان مثالوں سے اعلےٰ نتیجے اخذ کرنا عقلمندوں کا کام ہے۔

اس تعلیم و تربیت سے آپ کے بچپن کے حالات پر روشنی پڑسکتی ہے۔ یقیناً آپکی عمر کا وہ حصہ جسے لڑکپن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہو و لعب میں بسر نہیں ہوا کھیل کود جو تمام بچوں کی فطرت

[illegible] یہ وہ خاندان ہے۔
جس کے صغیر و کبیر یکساں ہیں۔ نہ صغر سنی ان کے کمالات کو چھپا سکتی ہے۔ نہ کبیر السن ہونے سے ان کے کمالات میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ ذات اقدس و اعلےٰ جسکے کمالات ذاتی کے آئینے یہ بزرگوار ہیں۔ جب اُس میں تغیرّ و تبدّل روا نہیں ہے تو ان میں کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

جو شخص رازِ معرفت کو سمجھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اسکی لذّتیں کیسی ہیں۔ دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور نہ کوئی سرور اِس کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ پس وہ ذوات مقدسہ جو نہ صرف خود معرفت کی منزلت اعلےٰ پر فائز ہوں۔ بلکہ تمامی مخلوق کے لئے ذریعہ معرفت خداوندی قرار پائیں۔ انکی حالت کا قیاس عوام الناس پر کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

تلاش کرنے سے بھی ایسے واقعات دستیاب نہ ہوں گے۔ جن سے کوئی نتیجہ نکال لے کہ جناب سیّدہ کی عمر کا یہ بیش بہا حصّہ کسی لہو و لعب میں بسر ہُوا۔

باب چہارم

حالتِ اسلام وقتِ ولادت سیّدہ علیہا السلام

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اس حالت پر نظر ڈالی جائے۔ جو جناب سیّدہ کی ولادت کے وقت موجود تھی۔ اور مختصراً بتایا جائے کہ گوہر صدف وحی و تنزیل کی ولادت کیوقت سے ہجرت تک کیا کیا واقعات رونما ہوئے۔

حضرتؑ کی ولادت حسب تحقیق صاحب ناسخ التواریخ بستم ماہ جمادی الثانی ۵ھ قبل بعثت واقع ہوئی۔ گویا بحساب شمسی ہجرت سے آٹھ برس آٹھ مہینے بائیس روز پہلے اور بحساب قمری آٹھ سال گیارہ مہینے چند روز قبل ہجرت آپ نے اس عالم کو منوّر فرمایا۔

یہ وہ ایام تھے کہ اسرارِ نبوتؐ کے اعلان کا وقت آچکا تھا۔ وحی تنزیلی کا سلسلہ شروع

تھا۔ پہلے تین سال تک پوشیدہ دعوت ہوتی رہی۔ یہ بھی ایک رحمت تھی۔ گویا النفوس مردم میں استعداد
پیدا کی جارہی تھی۔ اس دعوتِ پوشیدہ کا نتیجہ بھی ظاہر ہوچکا تھا۔ لوگ دائرہ اسلام میں قدم رکھتے
جارہے تھے۔ اسی اثنا میں بالاعلان دعوت کا اذن مل گیا۔ جس کے ظاہر ہوتے ہی مکہ میں ایک ہلچل
سی مچ گئی۔ رسوم آبائی کے مقلد غیظ و غضب سے اپنے ہاتھوں کو کاٹنے لگے۔ نامہربان چچا ابولہب
نے اپنے بھتیجے کو دیوانگی سے منسوب کیا۔ حمیتِ جاہلیت کی رگیں متحرک ہورہی تھیں۔ اور اندھے
پرستار اپنے مصنوعی خداؤں کی بربادی کے تصوّر سے کانپ رہے تھے۔ جس صحبت میں جاؤ۔ جس
سوسائٹی میں بیٹھو۔ یہی ذکر تھا۔ اور اسی امر نو کے چرچے تھے کہ ہر کہہ و مہ کی زبان پر جاری تھے
جن لوگوں نے غیر مہذّب قوموں کے شور و شغب کا جو کسی صداقت کی آواز پر بلند ہوتا ہے
تاریخی معائنہ کیا ہے۔ اور جو جو تدبیریں اس آواز کو دبا دینے کی غرض سے عمل میں لائی جاتی ہیں۔ انہیں
الفاظ کی شکلوں میں دیکھا ہے۔ وہ اندازہ کرسکتے ہیں۔ کہ عرب جنکو اپنی شرافت و نجابت پر
ناز تھا۔ جن میں بعض کرائمِ اخلاق بھی موجود تھے۔ جس سے انکی عصبیت درجہ کمال تک پہنچ چکی
تھی۔ ان کا اس صدا پر کیا حال ہوا ہوگا۔ اس صدائے صدق میں انہیں اپنی مقہوریت پوشیدہ
نظر آرہی تھی۔ وہ اپنے اس دین کی بربادی دیکھ رہے تھے۔ جسے انہوں نے غلطی سے اپنا آبائی
دین سمجھ رکھا تھا۔

مکہ میں اس عصبیت و حمیت کا اور بھی جوش تھا۔ مجاورتِ بنائے ابراہیمیؑ نے انکی عصبیت
کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ اور اس مجاورت سے ان کے بہت سے دنیوی فوائد بھی وابستہ تھے
صدائے حقیقت آمیز کے بلند ہوتے ہی یہ خیالات بھی ان کے دماغوں میں گونجنے لگے کہ اگر
"لات و ہبل" کی خدائی باطل ہوگئی۔ تو نہ صرف ہماری فرضی سیادت ہی کو صدمہ پہنچیگا بلکہ
ان تمام دنیوی فوائد پر بھی ناکامی کا سیلاب پھر جائے گا۔ جو آج ہمیں حاصل ہیں۔

یہ شور و غوغا بلند تھا۔ اور مکہ کی وادیوں سے ٹکرا رہا تھا۔ باوجودیکہ یہ صدا اسی خاندان
سے بلند ہوئی تھی۔ جو سیادت کا اصلی معدن تھا۔ اور خانہ کعبہ کی تولیت جس میں موجود تھی۔ اس
بنا پر چاہیے تھا کہ ان لوگوں کو زیادہ ملال نہ ہوتا۔ مگر ایک اور قبیلہ بھی قریش کا موجود تھا جو
بنی امیّہ کہلاتا ہے۔ اس قبیلے کی رقابت خاندانِ ہاشم سے مسلّمہ تاریخ ہے۔ اسکی رقابت کی

آگ اور بھی بھڑکی۔جس نے تمام قریش کو دباستثنائے چند، اپنے شعلوں میں لپیٹ لیا۔
بنی امیہ۔کے جذباتِ ناقصہ بیان کر رہے تھے۔کہ اگر اس آواز پر جو بنی ہاشم سے بلند ہوئی ہے اہل عرب لبیک کہنے کے لئے تیار ہو گئے۔پیغمبرؐ کا حلقۂ اطاعت عرب نے اپنی گردن میں پہن لیا۔تو ہماری موجودہ شان وشوکت خاک میں مل جائیگی۔اور ہمارا نام مکہ کے افراد عالیہ کی فہرست سے کٹ جائیگا۔
جب نفسِ انسانی خواہشاتِ ذاتی کا شکار ہوتا ہے تو اسکی بصیرت پر پردے پڑتے چلے جاتے ہیں۔وہ نہ نورِ حقیقت کو دیکھہ سکتا ہے۔نہ کسی سچی آواز پر اس کے دل میں اضطرابِ قبول پیدا ہوتا ہے۔بلکہ معاملہ برعکس ہوجاتا ہے۔وہ نور کو ظلمت اور صداقت کو ناراستی سے منسوب کرتا ہے۔الہام فطری کی آوازیں خاموش ہوجاتی ہیں۔اور قلب معکوس سے جو صدا اٹھتی ہے وہ معکوس ہی ہوا کرتی ہے۔
اسی مرض میں اہل مکہ مبتلا ہو گئے۔اور چونکہ اس مرض کا مریض اپنے آپکو مریض کبھی خیال نہیں کرتا۔لہذا ان لوگوں نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا کہ بجائے اپنے معاملہ پر غور کرنے کے ایک دوسرا پہلو اختیار کیا۔یعنی یہ کوششیں شروع کیں کہ جس طرح ممکن ہو اس آواز کو دبا دیا جائے جسکی سرسبزی سے ہماری کشتِ مراد پر خزاں آنیوالی ہے۔اپنی اس کوشش میں کامیاب ہونے کے لئے پہلے خدا کو رشوت دیکر اپنے موافق کرنا چاہا۔مگر جب دیکھا کہ ہمارا سونا چاندی۔ہماری خوبصورت عورتیں اس معاملہ میں بیکار رہیں۔اور منادیِ حق مہر و ماہ کی حکومت کے معاوضے میں بھی اسے فروخت کرنا نہیں چاہتا تو اذیت و آزار کی تجویزیں نہ صرف مکمل ہوئیں۔بلکہ ان پر عملدرآمد بھی ہونے لگا۔
اُدھر تو مخبرِ صادق پر مصائب و آلام کی بوچھاڑ تھی۔اِدھر اولوالعزمانہ صبر کے جوہر کھلتے جارہے تھے۔اور وہ راز جو سینۂ پیغمبرؐ میں مدفون تھے۔ان کے اظہار و اعلان کا حکم پہنچ رہا تھا۔
قاعدہ کلیہ ہے کہ گرم لوہے پر گھن جب پڑتا ہے تو استعداد نمو بہت جلد مقام فعلیت میں آتی ہے۔یہی حالت کچھ انسان کی بھی ہے۔پہلے ایک امر جدید اس کے سامنے پیش کرو

دوسرے کی طرف متوجہ ہوجائیگا۔ پھر اسی حالت میں تیسرا حکم اس پر پیش کرو۔ شور مچاتا جائے گا اور استعداد قبول پیدا ہوتی جائیگی۔ آخر بہت سی چیزیں اپنے سامنے دیکھکر گھبرا ضرور اٹھے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی غور و فکر کی کجلائی ہوئی چنگاری چمک اٹھے گی۔ ضرور قوت فکر سے کام لے گا اور ان امور مختلفہ میں سے ضرور کسی نہ کسی کام کی خوبی پر اسکی نظر جم جائیگی۔ اور سوچ لے گا۔ کہ اس کے مان لینے میں تو کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔ بس ایک امر کے سامنے جہاں سر جھکایا۔ تو پھر گویا تمام امور کے آگے سر جھکا دیا۔ اس لئے کہ خدائی سلسلے کے تمام امور ایک زنجیر کی مانند ہوتے ہیں۔ جسکی ایک کڑی دوسری سے متصل ہوتی ہے۔ گو انسان اس زنجیر کو توڑنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس حلقے میں داخل ضرور ہوجاتا ہے۔

مشرکین مکہ میں شور و غل بلند تو ہو ہی چکا تھا۔ طبیعتیں گرما ہی رہی تھیں۔ کہ ایک رازِ مرلبتہ الفاظ عالم قدس "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" کا جامہ پہن کر فضائے عالم میں پھیل گیا جسکی تکمیل رسول کے فرائض تبلیغ میں داخل تھی۔

ہادی برحق نے اس کا جو طریقہ اختیار فرمایا۔ وہ کتب تواریخ (طبری وغیرہ) میں مفصل و مشرح موجود ہے۔ قریش کے چالیس آدمی دعوت میں بلائے گئے جنہیں اتنے مختصر طعام سے سیراب کر دیا جو ان میں ایک شخص کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ پہلے دن یہ لوگ بغیر اس کے کہ ارشاد رسول کو سنیں حضرت پر جادو کا الزام لگاتے ہوئے چلے گئے۔ دوسرے روز پھر دعوت کی گئی۔ اور ان لوگوں کو کھانے کی مقدار قلیل سے سیر کر کے آپ نے فرمایا۔ اے اولاد عبدالمطلب! عرب میں کوئی شخص اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر تحفہ نہیں لایا۔ جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی نیکی لیکر آیا ہوں۔ اب تم میں کون ایسا ہے۔ جو اس بارے میں میرا مددگار ہو۔ اور وہ میرا بھائی، میرا وصی، اور میرا خلیفہ بنے! جناب امیرؑ نے ان الفاظ پر لبیک کہی رسول نے فرمایا۔ ایہا القوم! یہ میرا اخی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔ اس کے قول کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ اس ارشاد کو سنکر حاضرین قہقہہ لگاتے اور حضرت ابوطالبؑ پر آوازے کستے ہوئے چلے گئے جو اہل سفاہت کا شیوہ ہے۔

نتیجہ نکالیں۔

یہ واقعہ جناب سیدہ کی ولادت کے غالباً بالکل ہی قریب واقع ہوا ہے۔ ظہور جناب سیدہ کیوقت فضائل مرتضوی کا ابتدائی اعلان کچھ عجیب وغریب مناسبت رکھتا ہے۔

اس اعلان نے قریش کی رگ حمیت جاہلیت کو اور بھی متحرک کیا۔ اور پیغمبرؐ پر نئے سے نئے مظالم کا دروازہ کھل گیا۔ کبھی رسول اللہ کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں۔ کبھی چہرۂ اقدس پر لعاب نجس ڈالکر دل ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ کبھی حضرتؐ نماز میں ہوتے تھے۔ اور آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دیجاتی تھی۔ رسول اللہ ان صدمات کو برداشت کرتے تھے۔ اور جناب سیدہؑ صلوات اللہ علیہا ان صدمات کو اپنے پدر بزرگوار سے دُور کرنے کی کوشش فرماتی تھیں۔

صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ ایکمرتبہ خانہ کعبہ میں بحالت سجدہ ایک کافر نے بوجہل کے اشارہ سے آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی۔ اور یہ اوجھڑی کسی کو اتارنے بھی نہ دیتے تھے۔ جناب سیدہ تشریف لائیں۔ اور آپ نے اپنے پدر بزرگوار سے اسے الگ کیا۔ سن آپکا نہایت کم تھا۔ مگر رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ کسی کافر کو تعرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اللہ اللہ! بے رحم انسانوں کی یہ نازیبا حرکتیں اور جناب معصومہؑ کا اس طرح علی التسکین کے لئے قدم بڑھانا کس حد تک رسول کے قلب کی تسکین کا باعث ہوتا ہوگا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا اس کمسنی کے عالم میں اپنے پدر بزرگوار کی غمگساری کے لئے ہمہ تن وقف تھیں۔ اور رسول کے رنج واندوہ کو ہلکا کرنے کے لئے سیدۂ عالم کی ذات ایک نعمتِ الٰہی تھی۔

اسی سال یعنی سال پنجم بعثت میں جو سال ولادت جناب سیدہ ہے۔ بنا بر بعض روایات کے جناب حمزہؓ نے اسلام اختیار کیا۔ جس سے یقیناً اسلام کی قوت میں اضافہ ہوا۔

ولادت جناب سیدہ۔ اعلان مقام مرتضویؑ۔ اسلام جناب حمزہؓ۔ یہ تینوں واقعات ایک دوسرے سے عجیب دلکش قربت رکھتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ابھی مکہ میں پیغمبرؐ کے مصائب کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اسکے لئے قضا و قدر

دیکھا کہ ہماری مخالفتیں داعیِ حق کے ارادے میں کچھ بھی ضعف نہیں پیدا کر سکتیں۔ بلکہ اسلام کی سرسبزی کے سامان روز بروز پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اُدہر بادشاہ حبشہ نجاشی نے مسلمان مہاجرین کی سرپرستی کے لئے کمر باندھ لی ہے۔ اِدہر نمودار لوگ (حمزہؓ) بھی اسلام کیطرف رُخ کرتے جاتے ہیں۔ یہ دیکھکر عداوت کے خون میں اور جوش پیدا ہوا۔ اور آپسمیں مشورہ کر کے کہنے لگے کہ عنقریب محمدؐ ہم پر حکومت کرنیوالا ہے۔ اس کا چارہ کار ضرور سوچنا چاہئے۔ اس مشورے کے بعد قریش نے آپس میں جمع ہو کر یہ قرار دیا۔ کہ جس طرح بھی ممکن ہو انہیں قتل کر دینا چاہئے۔

جناب ابوطالبؑ جو اپنی حیات تک اسلام کے کامل پشت و پناہ رہے۔ جن سے بعض ارباب مذاق خفا رہتے ہیں۔ شاید خفگی کی وجہ یہی خیر خواہی اسلام ہوگی۔ جو ان سے وقوع میں آئی۔ انکو جب اس مشورے کی اطلاع ہوئی۔ تمام اولاد عبدالمطلب و بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان سب کو معہ زن و فرزند اس درۂ کوہ میں لے گئے۔ جو شعب ابوطالبؑ کے نام سے موسوم ہیں۔ اولاد عبدالمطلب میں کچھ ایسے بھی تھے۔ جو پیغمبرؐ پر ایمان لا چکے تھے۔ جیسے کہ حمزہؓ اور بعض ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ مگر یہ سب کے سب حفاظتِ خاندان کے لئے جمع ہو گئے اور سب نے یکسان جناب ابوطالبؑ کی اطاعت کی۔ سوائے ابولہب کے کہ اسکی حمیت خاندانی بھی رخصت ہو گئی تھی۔ یہ ننگِ بنی ہاشم دشمنوں سے سازباز کر چکا تھا۔

اسوقت غالباً جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کی عمر دو سال سے کم کی تھی۔ کیونکہ یہ واقعہ محرم ۷ھ قبل بعثت کا تھا۔ جناب خدیجہ جنہوں نے اپنی تمام ثروت رسولؐ اللہ کے قدم پر نثار کر دی تھی۔ جو زمانے کا عجیب و غریب انقلاب دیکھ رہی تھیں۔ ان پریشانیوں میں آکی تسکین کا سہارا اگر کچھ تھا۔ تو وہ سایۂ رسولؐ کے بعد سیدۂ محترمہ کی ذات تھی۔

یہ لوگ جو شعب میں پناہ گزین ہوئے۔ انکی حالت کچھ زیادہ محفوظ نہ تھی۔ ہر وقت دشمن کے حملوں کا خوف رہتا تھا۔ اس درۂ کوہ کے دو دروازے تھے۔ جن پر حضرت ابوطالبؑ نے نگہبان مقرر کر دیئے تھے۔ اور جناب حمزہؓ تمام شب ننگی تلوار لئے رسولؐ کے گرد پھرا کرتے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ کا دستور العمل یہ تھا۔ کہ رسولؐ اللہ کو حضرت علیؑ کے بستر پر سلایا

یا مہینے دو مہینے کی نہ تھی۔ بلکہ یہ تکلیفیں تین برس تک نئی سے نئی شکل میں نمودار ہوتی رہیں۔
اس طویل مدت میں صرف گھر سے علیٰحدگی اور درۂ کوہ میں پوشیدگی ہی باعث تکلیف نہیں تھی۔ بلکہ قریش کی شرارتوں نے ان کے لئے بلائے قحط کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب قریش نے دیکھا کہ ہم کسی طرح پیغمبرؐ پر قابو نہیں پا سکتے۔ تو باہم یہ عہد کیا کہ اولاد ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے قطعاً راہ و رسم ترک کر دی جائے۔ ان سے نہ شادی بیاہ کے تعلقات کریں۔ اور نہ کسی قسم کا لین دین روا رکھیں۔ اور جبتک وہ پیغمبرؐ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں اس وقت تک ان سے صلح نہ کی جائے۔ یہ عہد نامہ جس پر قریش کی مُہریں ثبت تھیں۔ لکھا گیا۔ اور یہ صحیفۂ ملعونہ ابوجہل کی خالہ ام جلاس کے سپرد کیا گیا۔ کہ وہ حفاظت سے اپنے پاس رکھے۔

کوئی شک نہیں کہ بنی ہاشم کو اس سے سخت تکلیف کا سامنا ہوا۔ ایام حج کے موقعہ پر جب دیگر قبائل عرب مکہ میں آتے تھے۔ تو بنی ہاشم ان سے کھانے پینے کی چیزیں خریدتے تھے۔ اور یہ امر بھی قریش کو گوارا نہ ہوتا تھا۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا تھا کہ اہل شعب فلاں چیز خریدنے والے ہیں۔ تو اسکی قیمت بڑھا دیتے تھے۔ یا خود خرید لیتے تھے۔ اور اگر سُن پاتے تھے کہ کسی شخص نے بنی ہاشم کے ہاتھ رعایت سے مال بیچا ہے تو اس بیچنے والے کو تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔

پورے تین سال تک بنی ہاشم نے اس قید و قحط کی تکلیفیں اٹھائیں۔ گویا جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا نے اپنی کمسنی کے تین سال اس درۂ کوہ میں بسر کئے۔

اگر ہم ان بزرگواروں کے حالات کو ظاہری انسانی نظر سے جانچیں تو یہ کہیں گے کہ وہ کونسے والدین ہیں جن کے دل میں اولاد خصوصاً کمسن اولاد کی راحت رسانی اور دلبستگی کے ارمان نہیں ہوتے جناب خدیجہؓ کے مغموم اور پریشان چہرے پر جب کمسن معصومہ کی محبت آمیز نظریں پڑتی ہونگی تو ادھر تو جناب خدیجہؓ کے دل میں حسرتوں کا طوفان اٹھتا ہوگا۔ اور ادھر یہ ارمان نشتر بنکر کھٹک جاتا ہوگا کہ افسوس ہمارے ساتھ یہ معصومہ بھی گرفتار بلا ہے۔ اور ہم اپنا کوئی بھی ارمان پورا نہیں کر سکتے

آرزوئیں اور تھیں۔ ان کے ولولے کسی اور ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کی تمنائیں کسی اور ہی چمن کی سیر کر رہی تھیں۔ انہیں خدا سے کام تھا۔ انہیں خدائی امور سے تعلق تھا اشاعت دین حقہ کی فکریں ان کے دامنگیر تھیں۔ وہ خدا کے تھے۔ خدا ان کا تھا۔ اور خدا کی راہ میں انہیں ہر قسم کی مشکل آسان نظر آتی تھی۔

جناب سیدہ اسی عالم میں پرورش پا رہی تھیں۔ تکبیر و تہلیل کی صدائیں انکی لوریاں تھیں۔ فرشتوں کے پر اُن کے جھولے تھے۔ جبرئیل مگس رانی کے لئے کمربستہ تھے۔ ملائکہ مقربین روحانی تحفے ان کے سامنے لا لا کر چُنتے تھے۔ طائران قدس اپنے چہچہوں سے دل بہلاتے تھے۔ اور اسطرح رسول اللہ کی نُورِ نظر حقیقی مسرتوں کے دامن میں پرورش پا رہی تھی۔

اہلِ حقیقت کو جناب سیدہ کی اس حالت پر نظر رکھنی چاہیئے۔ خصوصاً وہ لوگ جو غریب اور افلاس کے دام میں آکر اپنی اولاد کے متعلق کوئی ارمان پورا نہیں کر سکتے۔ اور جب ابنائے جنس کو بچوں کی نازبرداری پر محو دیکھتے ہیں۔ تو ان کے دلوں پر تیر سا لگ جاتا ہے۔ انہیں سیدۂ عالم کی اس حالت کو زیر نظر رکھکر اپنے قلب کو تسلی دینی لازم ہے۔

باب پنجم

"ہجرت"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کفار کی سختیوں اور بیرحمیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ مگر پیشانی عزم کبھی شکن آلود نہیں نظر آتی تھی۔ شعب ابوطالبؑ کی سختیاں اٹھانے کے بعد بھی قریش کی جفائیں آپ کے لئے وقف ہو رہی تھیں۔

... تو تھا ہی لیکن قضا و قدر کے حجاب سے ایک اور واقعہ دنیا کے سامنے

شعب ابوطالبؑ سے نکلنے کے بعد چند ہی مہینے آپ زندہ رہے۔ آخر اسّی برس کی عمر میں پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا۔ بسترِ بیماری پر آپ نے اولاد عبد المطلب کو جمع کر کے مندرجۂ ذیل وصیتیں فرمائیں۔

"تم سب خبردار ہو کہ اگر محمدؐ کی اطاعت کرو گے۔ اس کے امر و نہی کے پابند ہو گے۔ تو ہر دو جہان میں تمہاری نجات ہے۔ میں تمہیں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں۔ کہ خانہ کعبہ کی بزرگی کو محفوظ رکھنا۔ اسمیں تمہارے لئے اچھی زندگی کا راز مضمر ہے۔ صلۂ رحم کو ہاتھ سے نہ دینا۔ اسی میں تمہاری عزت ہے۔ بغاوت و سرکشی سے پرہیز کرنا۔ کہ تم سے پہلے بہت سے لوگ اسیوجہ سے برباد ہوتے ہیں۔ محتاجوں اور سائلوں سے آنکھ نہ چرانا جسمیں دونوں جہان کی بہتری ہے۔ سچی بات کہنا۔ امانتوں کو ادا کرنا تہمت سے بری رہو گے۔ محمدؐ کے مطیع رہنا کہ وہ امینِ قریش ہے صدیقِ عرب ہے۔ اور جس امر کے لئے وہ خواہش کرتا ہے اسے اپنی گردنوں پر جگہ دینا۔ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ شرفائے زمانہ نے اسکی دعوت قبول کر لی ہے۔ بزرگانِ عرب اسکے غلام ہو چکے ہیں۔ غنی اس کے محتاج ہیں۔ دنیا کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسکی مخالفت میں خون ریزیاں ہو رہی ہیں۔ دلوں میں اسکی دوستی گھر کر چکی ہے۔ اے بنی ہاشم اسکی قربت اختیار کرو۔ اور جان و مال سے اسکی امداد کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

یہ کلمات حکیمانہ ہیں جو مرض الموت میں حضرت ابوطالبؑ کی زبان پر جاری تھے۔ اگر اہلِ زمانہ نے اسی نصرت دینِ الٰہی اور اشاعت اخلاق کا نام کفر رکھا ہے۔ تو خدا کرے ایسا کفر سب کو نصیب ہو۔ کیونکہ ایسا ہی کفر روحِ اسلام ہے۔

اس واقعہ سے جناب رسول اللہ کو یقیناً سخت صدمہ اٹھانا پڑا۔ اور جناب سیدہ اس کمسنی کے عالم میں ایسے بزرگِ خاندان سے الگ ہوئیں۔ جو ان کے پدر بزرگوار کا ہر طرح سے جان نثار تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ ایک اور داغ جناب سیدہ کو اٹھانا پڑا۔ یعنی حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے چند ہی روز بعد جناب خدیجہؓ راہی جنان ہوئیں۔ تواریخ میں یہ مدت تین دن یا پینتیس دن یا اکیاون روز بعد وفات ابوطالبؑ قرار دیگئی ہے۔ بہر طور جناب خدیجہؓ کا [illegible] جناب فاطمہؑ کے

... ایک ... کہ آپ کی عمر پانچ برس کی ہی ... جب رسول اللہ جناب خدیجہ کو دفن

کرکے دولتسرا میں تشریف لائے ہیں۔ تو جناب فاطمہؑ نے سوال کیا کہ میری والدہ کہاں ہیں؟

سوال بظاہر معمولی تھا۔ مگر فی الحقیقت گہرا سوال تھا۔ جس کا منشا یہی تھا۔ کہ جناب خدیجہؑ کے مراتب اخروی کا اعلان فرمایئے۔ اس منشا کو خدا اور رسول ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی وقت حکم ایزدی ہوا کہ فاطمہؑ کو ہمارا سلام پہنچاؤ۔ اور ان سے کہو کہ ماں تمہاری ایسے گھر میں ہیں جو طلائے خالص سے بنا ہے۔ اس کے ستون یاقوت سرخ کے ہیں۔ ان کا مکان خانۂ مریمؑ و آسیا کے درمیان میں ہے یہ پیغام سنکر حضرت فاطمہؑ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہ ھوالسلام ومنہ السلام والیہ یعود السلام بیشک اللہ ہی سلام ہے۔ اسی کیطرف سے سلام ہے۔ اور اسی کیطرف سلام عود کریگا۔

کہنے کو یہ چند لفظ ہیں جو پانچ برس کے سن میں جناب سیدہ کی زبان سے لوگوں نے سُنے۔ لیکن جویائے حقیقت ہی جانتے ہیں۔ کہ ان لفظوں میں کسقدر علم کثیر بھرا ہوا ہے۔ کتنے اسرار توحید ہیں۔ جو بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کتنا وسیع مفہوم ہے جو ان لفظوں میں سمو دیا گیا ہے۔

بہر طور یہ سال یعنی سنہ ۱۰ بعثت رسول اللہ کے لئے خصوصاً جناب سیدہ کیواسطے نہایت حزن و اندوہ کا سال تھا۔ اسی لئے اس کا نام عام الحزن (اندوہ کا سال) رکھا گیا۔ رسول اللہ دولتسرا سے بہت ہی کم باہر تشریف لاتے تھے۔ اور گھر میں سنسان گھر میں۔ رسول کی تسلی کا سامان معصومہ کی ذات سے وابستہ تھا۔ اور جناب معصومہ کے لئے صرف ذات رسول اللہ ہی تشفی بخش تھی۔

یہ سب کچھ تھا لیکن اس حزن و اندوہ کے یہ معنی نہیں تھے۔ کہ وہ فرض جو منجانب اللہ واجب کیا گیا تھا۔ اسمیں کسی قسم کا فرق آئے۔ چنانچہ آپ نے اس واقعہ کے دوسرے ہی سال تبلیغ و ارشاد کے لئے طائف کا سفر فرمایا۔ اہل طائف نہایت بے مروتی سے پیش آئے۔ آپ نے یہاں بروایتے دس دن اور بروایتے پچاس دن قیام فرمایا۔ لیکن اہل طائف نے سوا ایذا رسانی کے اس ہادیٔ مطلق کی آواز پر توجہ نہ کی۔ واپسی میں ایک غلام نے جس کا نام عداس تھا اور عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اسلام قبول کیا۔

وہ اہل تعصب جو عام طور پر یہ اعلان کیا کرتے ہیں۔ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا

ہے۔ ایسی حالت میں اسلام لانے والوں کے لئے کوئسی توجیہہ پیش کریں گے۔

طائف سے واپسی میں ہی بہ مقام بطن نخلہ جنات نے اسلام قبول کیا۔ بہر طور آپ پھر مکہ میں واپس تشریف لائے۔

حضرتؐ کا قاعدہ تھا کہ موسم حج میں جب قبائل جمع ہوتے تھے۔ تو حضرتؐ ان کے پاس جاتے۔ اور حق کی منادی فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ بھی فرماتے تھے۔ کہ اگر تم سے ہو سکے تو مجھے اپنی قوم میں لیچلو۔ اور میری دشمنوں سے حفاظت کرو۔ تاکہ میں باطمینان خدا کی عبادت بجا لاؤں اور اس کے احکام مخلوق تک پہنچاؤں۔ بہت سے قبائل کے سامنے یہ عجیب و غریب درخواست پیش ہوئی۔ مگر کسی کو لبیک کی توفیق نہ ملی۔ یثرب کے چند متوسطین نے اسلام قبول کیا۔ جنہیں قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے۔ تو وہاں سے عریضہ لکھا۔ کہ آپ کسی ایسے شخص کو بھیجیے۔ جو ہمکو قرآن اور آداب دین تعلیم کرے۔ حضرتؐ نے مصعب ابن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو روانہ فرمایا۔ یہ بزرگوار حضرتؐ کے چچا تھے۔ اسوقت تک جسقدر قرآن نازل ہوا تھا سب ان کو یاد تھا۔ اور مسائل دینیہ سے ماہر تھے۔ یہ پہلے بزرگوار معلوم ہوتے ہیں۔ جو منجانب رسول اللہ اشاعت اسلام کے لئے باہر روانہ کئے گئے۔ ان کے جانے سے مدینہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی جب حج کا موسم آیا تو بندگان مدینہ نے جو مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ بارہ شخصوں کو منتخب کر کے آپکی خدمت میں روانہ کیا۔ اور یہ درخواست کی کہ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ اگر آپ یہاں تشریف لائیں۔ تو ہم اپنی جانوں سے زیادہ آپکو عزیز سمجھیں گے۔ اور آپکی حمایت و حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی عمل میں نہ آئیگی۔ یہ لوگ آئے۔ حضرتؐ سے بیعت کی اور قوم کا پیغام پہنچایا۔

ادھر تو اہل مدینہ کی یہ حالتیں تھیں۔ ادھر کفار قریش کی عداوتیں اور بڑھ گئیں۔ خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ شجرۂ نبوت بار ور ہوتا ہی جاتا ہے۔ اور اہل مدینہ بھی اس کے سائے میں آ چکے ہیں۔ تو انہیں صدمہ ہوا۔ دار الندوہ میں چالیس آدمیوں کی کمیٹی ہوئی۔ جسمیں یہ تجویز شیطانی مستحکم کی گئی۔ کہ ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی چن لو۔ اور سب ملکر پیغمبرؐ پر حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالو ایسی صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں منتشر ہو جاویگا۔ اور بنی ہاشم کی جرات نہ ہوگی۔ کہ وہ

ادا کر دیا جاوے گا۔

تجویز مکمل ہوئی اور یہ لوگ مسجد الحرام میں جمع ہوئے۔ جب رات ہوئی تو گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ ابو لہب جوان کا ہمراز تھا۔ اس نے روکا اور کہا کہ گھر میں عورتیں بھی ہیں بچے بھی رات کیوقت اندیشہ ہے کہ انکو صدمہ پہنچے۔ لہذا صبح کو یہ ارادہ پورا کرنا۔ چنانچہ انلوگوں نے خانۂ اقدس کا محاصرہ کر لیا۔

ادھر رسول اللہ کو ان واقعات کی اطلاع اسی کیفیت باطنی کے ذریعہ سے ہو گئی تھی جسے وحی کہا جاتا ہے۔ اور اذن مل چکا تھا کہ اب یہاں سے نکلنے کا وقت آگیا ہے۔ چھوڑو۔ وطن کو چھوڑو۔ سودائے محبت کیواسطے وادیٔ غربت کی سیر بھی لوازمات میں سے ہے۔

آپ نے اپنی بھائی علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ میں یہاں سے بحکم خدا ہجرت کرتا ہوں۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ میرے لیٹنے سے آپ صحیح و سلامت منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے؟ فرمایا ہاں۔ آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس امت میں یہ پہلا سجدۂ شکر تھا جسکی ابتدا امیر المومنین سے ہوئی۔ اور پھر امت کے لئے مستحب قرار پایا۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں راز و نیاز ہوئے۔ رسول اللہ نے کچھ وصیتیں فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

"اے برادر حق تعالےٰ میرے باب میں تمہارا اور تمہارے باب میں میرا امتحان کرتا ہے جیسا کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کا امتحان ہوا۔ بلکہ یہ امتحان اس سے سخت تر ہے۔ اس لئے کہ اسمٰعیل نے باپ کی چھری کے نیچے گردن رکھدی تھی۔ اور تم بطیب خاطر دشمنوں کی تلواروں کے نیچے گردن جھکا رہے ہو۔

اے برادر! کامل صبر سے کام لو۔ کیونکہ نیکو کاروں سے رحمتِ خدا بہت قریب ہے میرے پاس بہت لوگوں کی امانتیں ہیں۔ وہ سب تمہارے سپرد ہیں۔ میرے جانے کے بعد اعلان کر دینا کہ جسکی امانت رسول خدا کے پاس ہو۔ آکر لے جائے۔ اور جسے امانت واپس کرنا گواہوں کے سامنے واپس کرنا۔ ہاں سواریوں کے واسطے اور بار برداری کیلئے اونٹ خرید لینا جب ادائے

پر رضامند ہوں۔انہیں ساتھ لیکر مدینہ کیطرف راہی ہوجانا"۔

ان وصایا کے بعد آپ دولتسرا سے برآمد ہوئے۔جبرئیل جلوداری میں حاضر تھے قریش مکان کا محاصرہ کیئے ہوئے تھے۔حضرت نے یہ آیہ تلاوت فرمایا۔ وجعلنا من بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدًا فاغشینا ھم فھم لایبصرون۔ہم نے ان کے سامنے بھی دیوار کھینچدی ہے۔اور پس پشت بھی ہم نے انکی آنکھوں پر پردے ڈالدیئے ہیں۔اب وہ ہرگز دیکھ نہیں سکتے۔یہ فرماتے ہوئے آپ غار ثور میں تشریف لے گئے۔اور وہاں تین روز توقف فرماکر بخیر و عافیت مدینہ میں داخل ہوگئے۔

امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شب ہجرت بستر رسولؐ پر آرام فرمانا فی الحقیقۃ آپ کے کمالات باطنی کا کامل اظہار ہے۔مگر انہیں کے لئے جو بصیرت سے حصّہ لئے ہوئے ہیں۔

حضرتؐ کے تشریف لے جانے کی خبر عام ہوگئی۔قریش مقام ابطح میں جمع ہوئے اور عقبہ ابن ابی معیط ان لوگوں پر شماتت کرنے لگا۔جنہوں نے حضرتؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھوائی تھیں۔اور صاف لفظوں میں کہا کہ اب ہوشیار رہو۔اسی مال کے ذریعے سے وہ لشکر جمع کر کے تم پر چڑھائی کریگا۔جسے تم صادق اور امین کہتے تھے۔

امیرالمومنین علیہ السلام مع اپنے چچا عباس کے وہاں تشریف فرما تھے۔آپ نے دست بقبضہ ہوکر ارشاد فرمایا کہ اے کافر مردود تو رسولؐ کو اپنے ہی نفس خبیث پر قیاس کرتا ہے۔ اگر وہ تشریف لے گئے تو میں ان کا بھائی اور ابن عم موجود ہوں۔انہیں کی طینت سے پیدا ہوا ہوں۔اُن کا جانشین ہوں۔میں ان تمام امانتوں کو ادا کرونگا۔

اس مقام سے سیرت نبویؐ پر ایک روشنی پڑتی ہے۔وہ امانتیں اسقدر کثیر تھیں کہ عقبہ کو یہ کہنے کا موقعہ ملا کہ ان کے ذریعے سے ایک لشکر جمع ہوسکتا ہے۔گویا قریش باوجودیکہ حضرتؐ سے کمال دشمنی رکھتے تھے۔لیکن آپکی امانتداری اور صداقت ان کے دلوں پر نقش تھی وہ یہ خوب جانتے تھے۔کہ یہ رسولؐ اپنے دعووں میں سچا ہے مگر اخلاق باطلہ و وساوس شیطانیہ نے انکی بصیرتوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔

فی الحقیقۃ یہ کام منصبِ رسالتؐ کے ہی متعلق تھا۔ اور اسے خود رسولؐ اللہ ادا کرتے یا وہ شخص جو ان کا حقیقی جانشین ہو۔ حالانکہ اسوقت خاندان میں کئی ایسے لوگ تھے۔ جو سن میں حضرت علیؑ سے بزرگ تھے۔ اور وہ اسلام بھی لا چکے تھے۔ مثلاً جناب حمزہؓ۔ مگر یہ کام علیؑ کے ہی سپرد فرمایا کوئی تو اس میں راز ہے۔

اسی اثنا میں رسولؐ اللہ کا نامہ مدینہ سے آگیا۔ جسکی اصل عبارت تبرکاً لکھی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمّد بن عبد اللہ الی وصیہ علیؑ ابن ابی طالبؑ۔ اما بعد فقد عظم علیّ فراقک وانی لاجد شخصک متمثلاً بین عینی وقد عرض علی القریب والبعید فلم اجد عوضاً عندی یبلغ درجتک وقد شکوت الی اللہ وحشتی منک ومن ابنتی فاطمۃ الزہراؑ فوعدنی اللہ بوصولک و امرنی ان اکاتبک لتقدم علیّ فاذا قرات کتابی ھذا فاشدد درعک علیک وخذ سیفک وعلیک فی سفرک بالحذر فقد وعدنی ربی ان یخرجک سالماً نہاراً مؤیداً منصوراً ولا تخف من اعدائک فان اللہ یاویک وینصرک علی اعدائک ولا تترک احداً من النساء واسال اصحابی ومن کان منہم یرید الھجرت فخذھم معک واعلم بانی قد خلفت مع ابنتی فاطمۃ الزہراؑ علیہا دنانیر ودراھم فاشتر بہا اباعر وجہازاً ولیکن معک زید ابن حارثۃ لیعنیک علی امرک ولیقوم بحوائجک واسرع الیّ فاننی مشتاق الیک والی لقائک والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والسلام علی ابنتی فاطمۃ الزہراؑ واھل بیتی والمومنین والمومنات وحسبی اللہ ونعم الوکیل۔

(ترجمہ) یہ خط محمدؐ ابن عبد اللہ کی جانب سے اس کے وصی علیؑ ابن ابی طالبؑ کے

نام ہے۔ بعد حمد خدا معلوم ہو۔ کہ اب تمہاری فرقت مجھ پر نہایت شاق ہے۔ تمہاری تصویر
ہر وقت میری نگاہوں میں پھرتی رہتی ہے۔ میرے پاس قریب و بعید سے بہت لوگ آئے
لیکن میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ میرے نزدیک کوئی بھی تمہارا بدلہ ہو سکے۔ اپنی تنہائی اور تمہاری اور
فاطمہ زہرا کی جدائی کا شکوہ میں نے خدا سے کیا۔ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تم بخیریت میرے
پاس پہنچ جاؤ گے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں آنے کے لئے لکھوں۔ پس جب تم میرا خط پڑھو تو فوراً
اپنی زرہ پہن لو۔ تلوار ہاتھ میں لو۔ سفر میں ہتھیاروں کا ساتھ ہونا لازمی ہے۔ خدا نے مجھ سے
یہ بھی وعدہ کر لیا ہے۔ کہ وہ تمہیں دن کیوقت۔ سلامتی کے ساتھ مؤید و منصور وہاں سے نکلنے کا
موقعہ دے گا۔ اپنے دشمنوں سے نہ ڈرنا۔ خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور تمہیں دشمنوں پر نصرت
عطا فرمائے گا۔ عورتوں میں سے کسی کو پیچھے نہ چھوڑنا۔ ہاں! میرے اصحاب سے پوچھ لینا اور جو
ان میں سے ہجرت کا وعدہ کرے۔ اسے اپنے ساتھ لے لینا۔ میں نے اپنی بیٹی فاطمہ زہرا کے پاس
کچھ درہم و دینار چھوڑے ہیں۔ انہیں لیکر سواری اور بار برداری کے اونٹ خرید لینا۔ زید ابن حارثہ
کو ضرور اپنے ساتھ رکھنا وہ تمہارا کاروبار میں ہاتھ بٹائے گا۔ اور خدمات ضروریہ انجام دیگا۔ مگر بہت
جلد میرے پاس پہنچو۔ میں تمہارا بہت ہی مشتاق ہوں۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میری
بیٹی فاطمہ زہرا اور میرے اہلخانہ اور سب مومنین ومومنات کو سلام پہنچانا۔ وحسبی اللہ ونعم الوکیل

اس خط کے ایک ایک فقرے سے ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ کو علی مرتضیٰ اور فاطمہ
زہرا صلوات اللہ علیہا کی جدائی کسقدر شاق تھی۔ اور حضرت کس بیتابی کے ساتھ انکا انتظار
فرما رہے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے اپنے گھر کا اندرونی انتظام جناب فاطمہ
کو سپرد کر رکھا تھا۔ باوجودیکہ آپ اسوقت نہایت کمسن تھیں۔ اور آٹھ برس سے کچھ ہی زیادہ عمر
ہوگی۔ لیکن رسول اللہ نے اپنے خانگی معاملات آپ کے ہی سپرد کر رکھے تھے۔ گویا اس زمانہ
میں آپکی انتظامی قابلیت اس قابل تھی۔ کہ خدا کا رسول اعتماد کر سکے۔ اسی سے روشنی پڑتی ہے آپکی
تعلیم وتربیت پر بلکہ آپ کے کمالات وہبی پر۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ جناب سودہ بنت زمعہ اور جناب عائشہ
سے نکاح فرما چکے تھے۔ جناب عائشہ کی تو رخصت نہ ہوئی تھی۔ آپ تو سال اول ہجری میں رسول

کے گھر میں تشریف لائی ہیں۔ لیکن جناب سودہ اسوقت رسول اللہ کے بیت الشرف میں تشریف لاچکی تھیں۔ مگر اس حالت میں امورِ خانگی فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے ہی ہاتھ میں تھے۔ اور رسول اللہ نے اپنا مال فاطمہ زہرا کی ہی تحویل میں رکھا تھا۔ جیسا کہ اس خط میں اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض جناب امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ خط پڑھا تو فرح و سرور کا خون چہرۂ اقدس پر دوڑ گیا۔ سامانِ سفر درست ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے پھر ایکدن مقام ابطح میں کھڑے ہو کر بآوازِ بلند فرمایا۔ "اے بنی مخزوم، بنی زہرہ، بنی عبدالدار، بنی امیہ بنی عدی میں اعلان کرتا ہوں کہ اب جسکی امانت میرے پاس رہ گئی ہو وہ آکر لے جائے۔ میں اب اسے رکھ نہیں سکتا۔ میں بہت جلد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تم لوگ رسول اللہ کا اکرام کرو ان کے ارشاد کی تصدیق کرو۔ تم یہ نہ کہنا کہ علیؑ ہمارے خوف سے چھپکر چلا گیا۔ میں دن کیوقت سب کے سامنے جاؤں گا۔ اور اہلِ حسد کی اونچی ناک توڑ کر نکلوں گا"

اس تقریر کو سنکر قریش پر سناٹا چھا گیا۔ لیکن ابوجہل نے کچھ لاف زنی کی اور قریش کو ابھارنے لگا۔ کہ ابھی ابھی اس نوجوان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ یہ سنتے ہی فوراً جناب حمزہؓ کھڑے ہوگئے ابوجہل کو ڈانٹا۔ جناب امیرؑ کی مدح میں اشعار پڑھے۔ جنہیں سنکر ابوجہل خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

غرض امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حسب منشا سامان درست کر لیا۔ تو نہایت اطمینان کے ساتھ اہلحرم کو لیکر دن کیوقت تمام قریش کے سامنے مکہ سے نکلے۔ اور مع الخیر رسول اللہ سے جا ملے۔
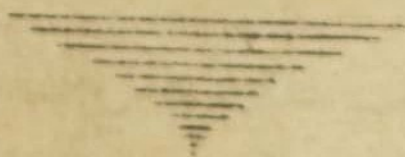
باب ششم

شادیِ خانہ آبادی

مدینہ میں پہنچکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ کو کفار مکہ کے مصائب سے ایک گونہ اطمینان ہو گیا تھا۔ یہاں سے آپکی زندگی کا ایک دوسرا باب شروع ہوتا ہے۔ یا یُوں کہو کہ اسلامی فتوحات کا دروازہ کھلتا ہے۔

ان فتوحات کے متعلق اہل قلم نے بہت کچھ زور قلم دکھایا ہے۔ خصوصًا وہ لوگ جن کا مقصد اصلی صرف عیب جوئی ہے۔ وہ ان فتوحات سے عجیب و غریب نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اور بڑے زور سے اعلان کرتے ہیں۔ کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلا گیا" اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو مذہب بزورِ شمشیر پھیلایا جائے۔ وہ حق و صدق سے خالی ہے۔

اسلامی قلم سے اس اعتراض کے بہت سے جواب شائع ہوئے ہیں۔ اور واقعات سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرتؐ کی یہ لڑائیاں دفاعی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور "دفاع" ایک ایسی چیز ہے۔ جو فطرت انسانی میں داخل ہے۔ اس کے مخالف ہو کر کوئی انسان بھی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

جواب کی عُمدگی میں کوئی شُبہ نہیں۔ لیکن اگر معقولیت کی دُوربین سے دیکھا جائے تو تصویر کا وہ رُخ بھی جس پر اعتراضی نگاہیں پڑ رہی ہیں۔ فی الحقیقۃ بُرا نہیں۔ اگر تسلیم کر لیا جائے۔ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ تو بھی اس کا وہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ جس سے عداوت پسند دماغ ٹکرانا چاہتے ہیں۔

سُنو! غور کرو!!! اور عقل سے کام لو!!! کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ حقیقت

برہنہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور تمام بنی نوع انسان کا اس پہ اتفاق ہے۔ اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوتے یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ انسان اکثر اوقات اس صحیح مرکز سے ہٹ جاتا ہے جس کے سبب سے تمدّنی مشین بیکار ہو جاتی ہے۔ اور بہت سے مفاسد خدا کی زمین پر ایسے پھیل جاتے ہیں۔ جنکی خرابی پر تمام عقلوں کا اتفاق ہے۔ اب اہل نظر کو ایسی حالت میں سوچنا چاہیئے کہ وہ برقی قوت جسے حقیقت وصداقت بھی کہہ سکتے ہیں۔ قلوب انسانیہ میں دوڑائی جائے یا نہیں۔ یا بالفاظ دیگر یُوں کہیئے کہ نسل انسان امراض جہل میں گرفتار ہو چکی ہے۔ آیا اس کے علاج کی ضرورت ہے؟ یا نہیں؟

ہم نہیں کہہ سکتے کہ کوئی شخص اس ضرورت سے انکار کریگا۔ اور اگر فی الحقیقۃ کوئی شخص ایسی سامنے کی باتوں کا انکار کرنے پر تلا بیٹھا ہے تو یہ بیچارہ خود بیمار ہے اس سے خطاب کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس جب یہ ضرورت مسلّم ہو چکی۔ تو اس کی اشاعت بھی لازمی قرار پائیگی۔ اشاعت کے بہت سے قاعدے ہیں۔ صبر سے کام لیا جاتا ہے۔ حلیم بنکر سمجھایا جاتا ہے بردباری برتی جاتی ہے۔ طعن وتشنیع سُنے جاتے ہیں۔ غرض تمام مراتب طے ہو جاتے ہیں اب کیا کرنا چاہیئے۔ آخری علاج یہی ہے۔ کہ ان نفوس کو دنیا سے رخصت کر دیا جائے۔ جو حقیقت کی اشاعت میں حارج ہوتے ہیں۔ ان کے حارج ہونے کا نقصان اگر انہیں تک محدود رہتا پھر بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ لیکن ان کا زہریلا اثر دوسرے ابنائے جنس کو بھی مسموم کرتا رہتا ہے لہذا بقاعدۂ عقل ضروری ہے کہ اس مواد فاسد کا بالکلیہ استیصال کر دیا جائے۔ اسلیئے کہ نفوس کثیرہ کے فائدے کے مقابلے میں چند نفوس کا اِتلاف بالکل جائز ہے۔

اب اگر بحث رہ جاتی ہے تو صرف یہ کہ وہ حقیقت جو پھیلائی جا رہی ہے۔ واقعاً حقیقت ہے یا نہیں۔ اگر واقعی وہ حقیقت ہے۔ تو پھر عند العقل اسے اختیار مندرجہ بالا حاصل ہے۔ والا فلا۔ لہذا اہل عقل کو چاہیئے۔ کہ جہاد اسلامیہ پر بحث کرنے سے پیشتر حقیقت اسلام پر نظر ڈالیں بشرطیکہ وہ حق جوئی اور نیک نیتی کے ساتھ کام کرنا چاہیں۔ اب رہا بغض وعناد۔ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔

اسلامی لڑائیاں جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں حاصل ہوئیں۔ وہ تو حقیقتہً دفاعی حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن اگر اسلام میں حقیقت ہے تو اس کو وہ حق حاصل ہے کہ فاسد مادے کو قطعی اکھاڑ کر پھینکدے۔

اسکی مثال یوں سمجھو۔ کہ یہ عالم مجموعی حیثیت سے ایک جسم واحد ہے۔ اس کے جتنے افراد ہیں وہ اعضا کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی عضو بیمار ہو تو پہلے مختلف طریقوں سے اسکا علاج کیا جائے گا۔ جب ہر طرح ناکامی ہوگی۔ اور عضو میں صلاحیت باقی نہ رہیگی۔ تو اسکو کاٹ ڈالا جائیگا۔ تاکہ بقیہ جسم اس کے زہریلے اثر سے محفوظ رہے۔

اسلام نے ابھی تک اپنے اس اختیار کو استعمال نہیں کیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ کبھی بھی استعمال نہ کرے گا۔ اور اس کے استعمال سے ہرگز اس کی حقانیت پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوسکتا۔

منقولات متواترہ اسلامیہ سے روشن و آشکار ہے کہ اسلام میں ایک بزرگ ظہور کریگا جس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی۔ اسی کو مہدی موعود کہا جاتا ہے۔ اور فطرتِ عالم اسی کی منتظر ہے وہ بزرگوار اسی طاہرہ مطہرہ کی نسل سے ہوگا۔ جسکی سیرت آپ کے پیش نظر ہے۔ اور اسی ازدواج کا نتیجہ ہے۔ جسکی مختصر کیفیت آپ دیکھ رہے ہیں۔

بعض جھوٹے مدعیان مہدویت دنیا کو دہوکہ دینے کے لئے اعتراضات واہیہ پیش کر رہے ہیں۔ وہ اسے خونی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر اس جاہلانہ تعبیر سے اسکی شان میں فرق نہیں آسکتا۔ پہلے یہ لفظ "خدا" کی نسبت استعمال کرتے ہوئے آؤ۔ پھر ادھر آنا۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْن۔

غرض ہجرت کے دوسرے سال جبکہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی عمر دس برس کی تھی آپ کے عقد کی درخواستیں پیش ہونے لگیں۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر ایک درخواست کو سنکر منہ پھیر لیتے تھے۔ بعض خوش فکروں کا یہ بھی خیال تھا۔ کہ تنگی اور عسرت آپکو اس عقد سے مانع ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے اس درخواست کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ میں گرانبہا مہر دینے کو تیار ہوں۔ جس سے حضرت غضبناک ہوئے۔ آپ نے کچھ کنکریاں دست حق پرست میں اٹھا

کو اسی شخص کے دامن میں ڈال دیا۔ اب وہ کنکریاں نہ تھیں بلکہ انمول موتی تھے۔

یہ درخواست کرنے والے حضرت عبدالرحمن ابن عوف بیان کئے جاتے ہیں جنہیں عشرہ مبشرہ میں سے سمجھا گیا ہے۔

المختصر جب تمام لوگ مایوس ہو گئے۔ تو اسوقت اس بزرگوار کی درخواست پیش ہوئی کہ جو عالمِ نور میں بشکل تاج جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے سر پر جگمگا رہا تھا۔ لب لعلین رسول اللہ اس درخواست کو سنکر تبسم ریز ہوئے۔ اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔ کہ "علی" تمہارے پاس کیا چیز ہے۔ جس پر عقد کیا جائے۔ اِدھر سے شرمیلی آواز میں جواب دیا گیا کہ میرا حال آپ پر روشن ہے۔ میرے (ظاہری) قبضہ میں اسوقت ایک تلوار ہے۔ ایک زرہ ہے اور ایک آبکشی کا اونٹ۔ ارشاد ہوا کہ تلوار دشمنانِ خدا سے جہاد کرنے کیلئے ہے۔ اونٹ تمہاری آب کشی کی ضرورتوں کے لئے ہے۔ ہاں ہم زرہ پر تمہارا عقد کئے دیتے ہیں۔

واضح ہو کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کا اکثر معرکوں میں یہی دستور العمل رہا ہے اور آپ بغیر زرہ پہنے دشمنوں کی صفوں میں قوتِ یداللہی کے جوہر دکھاتے رہے ہیں۔

غرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ حضرت امیرؑ سے یہ ارشاد فرما کر حجرۂ فاطمہؑ میں تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ اے نورِ نظر میری خدا سے استدعا تھی۔ کہ بہترین خلق اور محبوب ترین مخلوق سے تیرا پیوند کیا جائے۔ پس آج علیؑ ابن ابی طالبؑ تمہارے رشتے کی درخواست لیکر آئے ہیں جناب فاطمہؑ نے یہ سنکر سکوت فرمایا۔ اور رسول اللہ صلعم یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے سکوتہا اقرارہا یہ خموشی برضامندی پر مبنی ہے۔

• بعض روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے یہ سنکر فرمایا کہ آپکا ارشاد بسر و چشم۔ لیکن قریش کی عورتیں مجھ سے بیان کرتی ہیں کہ علیؑ کا پیٹ بڑا ہے۔ بازو بڑے بڑے ہیں۔ غرض حضرت کے حلیہ ظاہری پر بزبانِ زنانِ قریش اعتراض کیا۔ جسے سنکر رسول اللہ نے علیؑ مرتضےٰ کے مناقب بیان فرمائے۔

یہ روایت بالکل مہمل اور بے سروپا ہے۔ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا بذات خود حضرت

علیؑ سے واقف تھیں۔ علی مرتضیٰ اسی گھر میں رہتے تھے۔ جسمیں جناب سیدہ۔ ہجرت کیوقت علی مرتضیٰ ہی ان کے کفیل تھے۔ اول تو مکہ میں ظاہری طور پر آیۂ حجاب کا نزول نہ ہوا تھا۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے۔ کہ پیغمبرؐ کے گھر میں تمام حقائق شرعیہ پر پہلے ہی سے عمل ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اول تو علیؑ و فاطمہؑ میں کوئی مغائرت نہیں۔ اور پردے کا ثبوت دینا بلحاظ واقعات مشکل ہی نہیں۔ سخت مشکل ہے۔ لیکن اس ثبوت کو تسلیم کرنے کے بعد یہی کہا جائے گا کہ وہ سن جو بحیثیت شرعی سن بلوغ کہلاتا ہے۔ وہ مدینہ ہی میں نمودار ہوا۔ جناب سیدہؑ جب مکہ سے تشریف لائی ہیں۔ تو آٹھ برس کا سن تھا۔ اور علیؑ مرتضےٰ ہی اس قافلے کے سردار تھے۔ حضرت فاطمہؑ اسوقت یقیناً علیؑ مرتضےٰ سے پردا نہیں کرتی تھیں۔ اور علیؑ مرتضےٰ کے خط و خال انکی نگاہوں میں موجود تھے۔ پھر چند ہی روز کے بعد جناب سیدہؑ کا "زنان قریش" کے الفاظ کی ترجمانی کرنا اور ان کے قول پر اعتماد ظاہر کرنا یہ کس قسم کی بے تکی بات ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بلحاظِ شرم و حیا خود کچھ نہ کہا۔ دوسروں کا قول نقل کیا۔ تو یہ ایک افسوسناک غلط بیانی ہے۔ جو سیدۂ طاہرہ کے ذمّے عائد ہوتی ہے۔ ہمارے لئے یہ بہت آسان ہے کہ جناب سیدہؑ کیطرف غلط بیانی کو منسوب کرنے کے بجائے اس روایت کو مہمل اور لغو قرار دیں۔

دوسرے یہ امر ہے کہ جو حلیہ علیؑ مرتضےٰ کا اس روایت میں نقل کیا گیا ہے وہ بھی غلط ہے اور یقیناً کسی دشمن کا تراشا ہوا ہے۔ اور اس بیان میں فضائل و مناقب کی چاشنی دیکر اس قابل بنا دیا ہے کہ اسے جلدی سے قبول کر لیا جائے۔

حُلیۂ مُبارک علیؑ مرتضےٰ

واضح ہو کہ پیغمبر و اوصیاء از روئے خَلق و خُلق عیوب سے پاک ہوا کرتے ہیں۔ جناب امیر المومنین کا حلیۂ ظاہری جو اہلسنت نے بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے۔ وہ بھی نہایت شاندار ہے۔ قال المحب الطبری رحمہ اللہ کان علیہ السلام ربعۃ من الرجال ادعج العینین عظیمہا حسن الوجہ کانہ قمر لیلۃ البدر عظیم البطن الی السمن

من ساعدۃ قد ادمج ادماجاً شثن الکفّین عظیم الکرادیس اغید کانہ عنقہ
ابریق فضۃ اصلع لیس فی راسہ شعرٌ الّا من خلفہ کثیرُ شعر اللحیۃ وکان
لا یخضب وجاء عنہ الخضاب والمشہور انہ کان ابیض اللحیۃ وکان اذا مشیٰ
تکفّی شدید الساعد والید واذا مشیٰ الحروب ھرول ثبت الجنان قویٌ
ما صارع احداً الا صرعہ شجاعٌ منصورٌ علیٰ من اقاہ۔

طبری نے مندرجہ ذیل الفاظ آپ کے حلیہ کے متعلق لکھّے ہیں۔ کہ آپکا قد درمیانہ تھا۔
آنکھیں بڑی بڑی تھیں جنکی تپلیاں سیاہ تھیں۔ چہرہ ایسا روشن تھا جیسے چودھویں کا چاند۔ شکم
اقدس کسی قدر بزرگی کیطرف مائل تھا۔ سینہ چوڑا اور کشادہ تھا شانوں کی ہڈیاں ایسی تھیں جیسے
شیر کی ہوتی ہیں۔ بازو اور کلائی کی ہڈی ملی ہوئی تھی کہ دونوں میں کوئی جدائی معلوم نہ ہوتی تھی
ہتھیلیاں بھری ہوئی تھیں۔ جوڑ بند مضبوط اور بھرے ہوئے تھے۔ گردن لمبی اور ایسی جیسے چاندی
کی صراحی۔ سر کے سامنے کے حصہ پر بال نہ تھے۔ پچھلے حصّہ پر بال تھے۔ ڈاڑھی گھنی تھی۔ آپ خضاب
نہیں کرتے تھے۔ گو خضاب کا ذکر بھی آیا ہے۔ مگر مشہور یہی ہے کہ ریش مبارک سفید تھی۔ چال میں
بانکپن تھا۔ بازو اور ہاتھ قوی تھے۔ جب جہاد پر جاتے تھے۔ تو بغیر اضطراب کے دوڑتے ہوے
جاتے تھے۔ جس سے آپکا مقابلہ ہوا اسی کو نیچا دکھایا۔ اور جو سامنے آیا اسی پر شجاعت کے ساتھ
فتحیاب ہوئے"۔

واضح ہو کہ یہ حُلیہ آپ کے بڑھاپے کا ہے اور ظاہر ہے کہ جوانی میں تو کچھ اور ہی انسان کا
حُسن ہوتا ہے۔ یہ ارشاد اہلسنت کا ہے۔ اب رہے اعارفین شیعہ۔ ان کا مذاق اور ہے
وہ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ آئمہ علیہم السلام عام طور پر ایسے لباس میں جلوہ گر ہوتے تھے۔ کہ عقول مردم تحمل
کر سکیں۔ ورنہ وہ کسی صورت کے مقید نہ تھے۔ وہ جس صورت میں چاہتے جلوہ فرما سکتے تھے مگر
وہ آنکھیں کہاں سے آتیں جو اس نور کو دیکھ سکتیں۔ ایک جھلک اور یونہی سی جھلک موسیٰ کو ساغر
مدہوشی پلانے کے لئے کافی ہے۔ ان چیزوں پر نظر کرتے ہوئے وہ روایت کیونکر قابل قبول ہو سکتی
ہے۔ جسمیں جناب فاطمہ زہرا کی زبانی حلیہ مرتضوی پر اعتراض کیا گیا ہو۔

آوازیں آنے لگیں۔ حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے
کر دیجئے۔ خدا نے علیؑ کو فاطمہؑ کے لئے اور فاطمہؑ کو علیؑ کے واسطے پسند فرمایا ہے۔ اس خوشخبری
کو رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ مرتضیٰ تک پہنچایا۔ اور ارشاد کیا اے علیؑ مبارک ہو کہ خدا نے تمہیں
وہ کرامتیں عطا فرمائی ہیں۔ جو کسی کو مرحمت نہیں فرمائیں۔ میں اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد تم سے کرتا
ہوں۔ اسی چیز پر جس پر خدا نے اس کا عقد کیا ہے۔ اور میں اس شے سے راضی ہوں جس سے
خدا راضی ہے۔ اچھا اب تم مسجد کو چلو۔ میں بھی تمہارے پیچھے آتا ہوں۔ سب کے روبرو تمہارا
عقد کروں گا۔ اور تمہارے وہ فضائل بیان کروں گا جس سے تمہاری اور تمہارے دوستوں کی
دنیا و آخرت میں آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم مسجد تک نہ پہنچے تھے
کہ رسولؐ اللہ بھی ہم سے آملے۔ اور حضرت کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک رہا تھا۔ آتے ہی
بلال کو آواز دی۔ وہ لبیک کہتا ہوا حاضر ہوا۔ ارشاد کیا سب مہاجر و انصار کو جمع کرو جب
سب جمع ہو گئے۔ تو آفتابِ رسالتؐ منبر پر جلوہ افروز ہوا۔ قدوسیوں نے اپنے پروں کا
سایہ کیا۔ اور حمد و ثنائے عالم میں خطبہ ادا کیا گیا۔ اور بعد خطبہ ارشاد ہوا۔ میں نے علیؑ کو فاطمہؑ
سے پیوند کر دیا۔ چار سو مثقال چاندی اس کا مہر ہے۔ اگر علیؑ خوشنود و رضامند ہو۔ اِدھر سے
قبول کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت علیؑ سجدۂ شکر بجا لائے۔ رسولؐ اللہ نے دعا فرمائی کہ خداوند
جل و علا تمہاری نسل سے طیب و طاہر پیدا کرے۔ اور تمکو برکت عطا فرمائے۔ چاروں طرف سے
مبارک "مبارک" کی صدائیں بلند ہوئیں۔ چھوہاروں کا ایک خوان لٹایا گیا۔ اُدھر رسولؐ اللہ
نے دولتسرا میں قدم رکھا۔ اور ازواج نے تہنیت ادا کی۔ حضرت فاطمہؑ کو اطلاع دی گئی اور رسولؐ
اللہ نے فرمایا کہ اگر میرے کنبے میں کوئی علیؑ سے بہتر ہوتا۔ تو اسی سے تمہارا عقد کرتا۔ میں نے تمہارا
نکاح نہیں کیا بلکہ خدا نے تمہیں پیوند کیا ہے۔ اور تیرے مہر میں خمس مقرر فرمایا ہے جبتک کہ زمین
و آسمان قائم ہیں۔ یہ ارشاد فرما کر دولتسرا سے باہر تشریف لائے اور علیؑ مرتضےٰ سے فرمایا کہ اب تم
جا کر اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ تاکہ تمہارے لئے اور فاطمہؑ کے واسطے سامانِ ضروری تیار کیا جائے۔ حضرت
نے یہ ارشاد سنکر چار سو درہم کو زرہ بیچ ڈالی اور قیمت۔ لاکر رسولؐ اللہ کے سامنے رکھدی۔ حضرتؐ

کے تقرر میں سامان کے حضرت مقداد کو مقرر فرمایا۔ چند صحابی ان کے ساتھ ہوئے۔ سامان جو سیدہ
کے جہیز کے لئے خریدا گیا اسکی تفصیل یہ ہے۔ ایک گدیلہ جسمیں اُون بھری ہوئی تھی مصر کا بنا ہوا
ایک چمڑے کا تکیہ جسمیں خرما کی چھال تھی۔ ایک خیبر کی عبا۔ ایک پُرانی مشک پانی کے لئے۔ چند
آبخورے۔ چند ٹھلیاں۔ ایک لوٹا۔ ایک ہلکا سا بالوں کا پردہ۔ ایک قمیص۔ ایک چادریچہ خیبری
ایک پلنگڑی کھجور کے بانوں کی بُنی ہوئی۔ دو فرش مصری خرما کی چھال کے۔ ایک بوریا۔ ایک چکی۔
ایک تانبے کا لگن۔ ایک لکڑی کا پیالہ۔ غرض زیادہ سے زیادہ سامان کی تفصیل یہی ہے جو ذکر ہوئی
ہاں خوشبو اس کے علاوہ تھی۔ یہ ہے سامان جہیز سیدہ عالم کا۔ جب رسول اللہ کے سامنے یہ چیزیں
آئی ہیں۔ تو ایک ایک چیز کو دیکھتے تھے! اور فرماتے تھے کہ خداوندا اسمیں برکت عطا فرما اور ارشاد
کرتے تھے کہ خداوندا ان لوگوں کو برکت عطا کر جن کے کل برتن مٹی کے ہوں۔ غرض یہ سامان خانۂ
رسالت میں رکھا گیا۔

نکاح کے بعد ایک مہینہ گذر گیا۔ اور وداع کے باب میں کوئی تذکرہ نہیں ہوتا تھا۔ آخر
ازواج میں سے حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ سے اس کا ذکر چھیڑا۔ اور عرض کیا کہ آپ فاطمہؓ کو
رخصت فرمایئے۔ تاکہ وہ اپنے شوہر کا سکھ دیکھے۔ اور ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ فرمایا ہم تو
اس درخواست کے منتظر تھے۔ غرض علی مرتضےٰ کو بلایا گیا۔ حضرت تشریف لائے۔ رسول اللہ نے
فرمایا۔ ہم آج شب کیوقت انشاء اللہ فاطمہؓ کو وداع کر دیں گے۔

ولیمہ

اِدھر ازواج کو حضرت نے یہ حکم دیا۔ کہ فاطمہؓ کو آراستہ کریں۔ ادھر باہر آکر بلال کو حکم دیا
کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری امت میں یہ سنت جاری ہو۔ جب جنگل سے گلہ آوے تو ایک بکری لے کر
ذبح کرو۔ اور ایک خوان کھانے کا تیار کرو۔ کچھ گھی۔ تازہ خرما اور دہی بھی منگایا گیا۔ سعد انصاری
نے یہ سُنکر ایک بکرا پیش کیا۔ چند انصاری کچھ غلہ لے کر آئے۔ باقی اصحاب نے تحفے اور ہدیئے پیش
کئے۔ غرض کھانا تیار ہو کر سامنے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ کوٹھے پر جا کر ندا کر دو کہ رسولخدا کے یہاں
دعوت ہے۔ یہ آواز غالباً علی مرتضےٰ کی تھی۔ مدینے اور اسکے گرد و نواح میں جس قدر آدمی تھے

ولیمہ تھا۔ علیؑ مرتضیٰ کا اہتمام تھا۔ جتنے آتے سیر ہو کر گئے۔ پھر گھر میں کھانا بھیجا گیا۔ تمام عورات مدینہ جمع تھیں۔ سب نے سیر ہو کر کھایا۔

ولیمہ سے فرصت پاکر رسولؐ اللہ بیت الشرف میں تشریف لائے۔ اور ازواج سے فرمایا کہ اب ہم فاطمہؑ کو علیؑ مرتضیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔ اور تم جانتی ہو کہ وہ مجھے کسقدر پیاری ہے اب اسے رخصت کرو۔ ازواج نے سیدۂ عالم کو خوشبو میں بسایا۔ رخصت کا وقت آگیا علیؑ مرتضےٰ کو رسولؐ اللہ نے طلب فرمایا۔ ام سلمہ حضرت سیدہ کو حجرے سے باہر لائیں۔ اور اسی وقت یہ مخدرۂ عصمت و طہارت سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی تھیں۔ فاطمہؑ کا ہاتھ علیؑ مرتضےٰ کے ہاتھ میں دیا گیا۔ اور ارشاد ہوا اے علیؑ تمہاری دلہن کسقدر برکت والی ہے جو خیر النساؑ ہے۔ سب عورتوں سے بہتر ہے۔ اور اے فاطمہؑ کیا خوب تمہارا شوہر ہے جو خیر البشرؑ ہے۔ اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوا۔ کہ حجرے میں پہنچکر تم میرا انتظار کرنا۔ استر خاص رسولؐ اللہ جس کا نام شہبا تھا۔ طلب ہوا۔ اسپر ایک چادر دُہری کر کے ڈالی گئی۔ جناب سیدہؑ اس پر سوار ہوئیں۔ سلمانؓ فارسی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ اور خود رسولؐ اللہ اسے ہانک رہے تھے رسولؐ اللہ تن تنہا ہمراہ نہ تھے۔ قدوسیوں کی ہزاروں صفیں ہمراہ تھیں۔ جبرئیل لگام تھام رہے تھے۔ اسرافیل کے رکابوں پر ہاتھ تھے۔ میکائیل دمچی پر ہاتھ رکھے تھے۔ مسبّحین ملاء اعلےٰ کی تہلیل و تکبیر کی صدائیں عالم ملکوت میں بلند تھیں۔ جنت کے درخت فرط مسرت سے جھوم رہے تھے۔ جواہر معرفت کی بارش تھی۔ اور جنت والے لوٹ میں پڑے ہوئے تھے۔ سواری کے گرد حوروں کا جھرمٹ تھا۔ بنی ہاشم ننگی تلواریں لئے ہوئے ہمراہ تھے۔ جناب جعفرؓ طیار۔ جناب عقیلؓ جناب حمزہؓ تلواریں برہنہ کئے شہزادی کے جلو میں تھے۔ ازواجِ نبیؐ آگے آگے رجز پڑھتی جاتی تھیں۔

رجز حضرت اُم سلمہ

سرن بعون اللہ یا جاراتِ — واشکرنہٗ فی کلِ حالاتِ "سرن"

آؤ ہمسائیو بڑھاؤ قدم — شکر خالق ادا کرو ہر دم"

واذکرن ما انعم رب العلیٰ من کشفِ مکروہ وآفاتِ "سرن"
نعمتوں کا خدا کی ذکر کرو دور جس نے کیا بلاؤں کو
چلو ہمسائیو بنام خدا
فقد ھدانا اللہ لبعد کفرٍ وقد انعشنا رب السمٰوات
کفر غارت کیا۔ ہدایت دی ہمکو رب السما نے رفعت دی
چلو ہمسائیو بنام خدا
وسرن مع لنساء خیرِ الورعٰ تفدیٰ بعمّاتٍ وخالاتٍ "سرن"
چلو خیر النسار کے ساتھ چلو جس پہ قربان پھپھی ہو۔ خالہ ہو
چلو ہمسائیو بنام خدا
یا بنت من فضلہٗ ذو العلیٰ بالوحی منہٗ والرسالات "سرن"
اسکی بیٹی ہے تو۔ جسے حق نے وحی بخشی۔ کیا رسول جسے
چلو ہمسائیو بنام خدا

حضرت عائشہ کا رجز

یالِنسوۃ اِستترن بالمعاجر واذکرن ما یحسُنُ فی المحاضر
اوڑھ لو چادریں! مری بہنو بات محفل میں جو ہو۔ اچھی ہو
واذکرن رب الناسِ اذ یخصنا بدینہٖ مع کلِ عبدٍ شاکرٍ
کیا مخصوص دین سے اپنے ساتھ ہر ایک عبدِ شاکر کے
اس مربی کا ذکر لازم ہے
والحمد للہ علےٰ افضالہ والشکر للہ العزیز القادر
اسکی نعمت پہ لاکھ حمد و ثنا شکر ہے اس قوی و قادر کا
سرن بہا فاللہ اعلیٰ ذکرہا وخصّہا منہ بطہرٍ طاہرٍ

فاطمہؓ کا ہی ذکر ہے برتر   پاک و طاہر جسے ملا شوہر

بی بیو! آؤ - اس کے ساتھ چلو

رجز حضرتِ حفصہ

فاطمۃ خیر نساء البشر   و من لہا وجہ کوجہ القمر

فاطمہؓ بہترین مرد و زن   جس کا چہرہ ہے چاند سا روشن

فضلک اللہ علی کل الوریٰ   لفضل من خص بآی الزمر

تجھ کو مخلوق پر فضیلت دی   اسکی خاطر یہ سب کرامت دی

شان میں آیا ہے زمر جس کی

زوجک اللہ فتی فاضلاً   اعنی علیاً خیر من فی الحضر

لوگ جتنے یہاں یہ ہیں موجود   سب میں اعلےٰ رہی علیؓ کی نمود

ہے یہ لاریب فضل ربّ ودود   تیرا شوہر بنا ہے ایسا وجود

فسرن جاراتی بہا فانّہا   کریمۃ بنت عظیم الخطر

آؤ! ہمسائیو - چلو ہمراہ   اسکی بیٹی ہے یہ بلا اشتباہ

منزلت پر خدا ہے جس کی گواہ

رجز معاذہ انصاریہ ام سعد ابن معاذ

اقول قولاً فیہ ما فیہ   واذکر الخیر و اُبدیہ

آئی وہ بات میرے ہونٹوں پہ   جسمیں ہیں نیکیاں ہی سرتاسر

محمدؐ خیر بنی آدم   ما فیہ من کبر و من تیہ

ہیں محمدؐ سر بنی آدم   دور ہے جن سے کبر و شر کا قدم

بفضلہ عرفنا رُشدنا   فاللہ بالخیر یجازیہ

انہی کے دم سے نجات پا گئے ہم   رکھے خالق انہیں بلطف و کرم

ہم ہیں اب دخترِ نبیؐ کے ساتھ — وہ کہ جسمیں ہیں جمع حسن صفات
فی ذروۃٍ شامخۃٍ اصلہا — فما ادعٰی شیئًا یُں انیہ
اس کا رتبہ ہے اسقدر اعلٰے — کوئی جسکو پہنچ نہیں سکتا

اس شان سے جناب سیدہ کی سواری بیت الشرف تک جا پہنچی۔

واضح رہے کہ جناب امیر المومنین علیہ الصلواۃ والسلام کا آستانۂ قدس کاشانہ دولتسرائے رسول اللہ سے کچھ بہت فاصلے پر نہ تھا۔ حضرت کے مکان کا دروازہ صحن مسجد ہی میں تھا جس طرح رسول اللہ کے مکان کا دروازہ تھا۔ کچھ اور دروازے بھی اس طرف تھے۔ مگر وہ بند کر دیئے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری جناب سیدہؑ کی کسی قدر گردش کے ساتھ برج مہرِ امامت و وصایت تک پہنچی ہے۔ یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ اسموقعہ کے لئے حارثہ بن نعمان کا مکان کرائے پر لیا گیا تھا۔ اس جلوس پر نظر کرتے ہوئے یہ روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

اس وقت اس حجرے کی زینت باطنی جس شے سے تھی اسکی حقیقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے لیکن زینتِ ظاہری کا حال یہ تھا۔ کہ کمرے میں ریت بچھا کر بحرینی چٹائی کا فرش کیا تھا۔ بروایتے بکری کی کھال بچھی تھی۔ ممکن ہے ایک طرف اسی چٹائی پر بکری کی کھال بچھائی گئی ہو۔ ایک تکیہ تھا جسمیں خرمے کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک لکڑی صحن میں مشکیزہ لٹکانے کو گڑی تھی جس پر کپڑا منڈھا ہوا تھا۔ ایک لکڑی بجائے الگنی کے لگائی گئی تھی۔ بروایتے ایک گدیلہ بھی تھا جسمیں خرمے کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک خیبری چادر تھی۔ اور ایک پانی کی بالٹی وہاں رکھی ہوئی تھی۔ ام ایمن اس حجرے کے دروازے پر بیٹھی تھیں۔ اتنے میں رسول اللہ تشریف لائے۔ عورتیں حضرت کو دیکھکر پس پردہ ہو گئیں مگر اسما بنت عمیس سامنے رہیں۔ حضرت نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے عرض کی میں اسما بنت عمیس ہوں۔ لڑکیوں کو ابتدا میں ایک ہمراز کی ضرورت ہوا کرتی ہے تاکہ اگر کچھ درکار ہو تو وہ مہیا کر دے۔

وقتِ وفاتِ خدیجہ موجود تھی۔ یکایک وہ رونے لگیں۔ مینے کہا تم روتی کیوں ہو۔ تم
تو سیدۃ النساء عالمیان ہو۔ زوجہ نبیؐ ہو۔ تمہیں رسولؐ اللہ نے جنت کی بشارت دی ہے وہ
بولیں میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ ابتدائً دلہن کو ایک ایسی عورت کی ضرورت ہوتی
ہے۔ جو اسکی ہمراز ہو۔ اور جس سے وہ پردہ نہ کرے۔ اور اپنی ضروریات بیان کر سکے میری
فاطمہؑ کم سن ہے۔ دیکھئے اسکی کفیل کون ہوگی۔ میں نے ان سے عہد کیا۔ کہ اے بی بی
اگر میں زندہ رہی تو وعدہ کرتی ہوں کہ یہ خدمت میں سرانجام دونگی۔

لیکن بعض اہل تاریخ کا خیال ہے کہ اسما بنتِ عمیس کی موجودگی وہاں صحیح نہیں ہے
اس لئے کہ وہ اس زمانے میں اپنے شوہر جناب جعفر طیارؓ کے ہمراہ حبشہ میں تھیں۔ لیکن روایات
متعددہ میں ان کا ہی نام ملتا ہے۔ ممکن ہے اپنے شوہر سے پہلے مدینے میں چلی آئی ہوں
ملا جامی کی شواہد النبوت میں انکا نام سلمیٰ بنتِ عمیس ہے۔

بہر طور وہ اسما ہوں یا سلمیٰ۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ خدا تیرا ہر طرف سے نگہبان
ہو۔ اسوقت آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ یہ فاطمہؑ میری بیٹی ہے فمن اکرمہا فقد
اکرمنی ومن اہانہا فقد اہاننی۔ جس نے اسکی تعظیم کی اس نے میری تعظیم کی۔ اور
جس نے اسکی اہانت کی اس نے میری اہانت کی۔

یہ اعلانِ فضائل برائے تنبیہ عوام تھا۔ اس اعلان کے بعد آپ نے دعا کی اللھم
بارك لهما وبارك عليهما واجعل منهما ذريةً طيبةً انك سميع الدعاء
خداوندا ان کے لئے برکت عطا فرما۔ ان پر اپنی برکتیں نازل فرما۔ اور ان سے ذریت طیب
وطاہر ظاہر فرما۔ تحقیق کہ تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔

بروایت دیگر یوں دعا فرمائی بارك الله لكما فی سرّكما وجمع شملكما
والف علی الایمان قلوبكما۔ خداوند عالم تمہارے اسرار میں برکت دے۔ تمہارے امور کو
جمع کرے اور تمہارے دلوں کو ایمان سے تالیف کرے۔ ان دونوں دعاؤں میں اسی موقعہ پر

سے لپٹ گئیں۔ اور رونے لگیں۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ روتی کیوں ہو۔ میں نے تمہیں ایسے شخص سے بیاہا ہے۔ جو حلیم ہے۔ بردبار ہے۔ اور بہت بڑا عالم ہے۔ اور چلتے ہوئے رسول کی زبان سے یہ کلمات صادر ہوئے۔ مرحبا بحرین یلتقیان ونجمان یقترنان مرحبا ان دو نورانی دریاؤں پر جو آپس میں مل رہے ہیں۔ اور ان دو ستاروں پر جو ایک برج میں جمع ہوئے ہیں۔ پھر دروازے سے نکلتے ہوئے ارشاد کیا طہرکما وطہر نسلکما انا سلمٌ لمن سالملکم وحربٌ لمن حاربکم خدا نے تم دونوں کو طاہر کر دیا اور تمہاری نسل کو بھی طاہر فرمایا۔ میں اس سے صلح کروں گا جو تم سے صلح رکھے۔ اور اس سے لڑائی کرونگا۔ جو تم سے لڑائی کرے۔ یہ فرماتے ہوئے دولتسرا کو تشریف لے گئے۔ اور ادہر دونوں بزرگواروں نے تسبیح و تقدیس کے آغوش میں آرام فرمایا۔

صبح عروسی

جب یہ رات گذری صبح نمودار ہوئی۔ تو رسول اللہ نے دروازے پر آکر فرمایا السلام علیکم یرحمکم اللہ۔ اسما نے دروازہ کھولا۔ اسوقت دونوں بزرگوار ایک چادر میں لیٹے ہوئے تھے۔ فرمایا جس طرح لیٹے ہو اسی طرح لیٹے رہو۔ خود آکر سرہانے بیٹھ گئے۔ اور دونوں پاؤں ان کے درمیان میں رکھدیئے۔ اور علیؑ مرتضےٰ سے پوچھا کہو اپنی زوجہ کو کیسا پایا۔ آپکی زبان سے یہ کلمات حقیقت آمیز نکلے کہ "طاعت پروردگار کے لئے عمدہ مددگار ہے۔ یہی استفسار جناب سیدہؑ سے فرمایا کہ تمہارا شوہر کیسا شوہر ہے؟ سیدہ نے عرض کیا کہ بہترین شوہر ہے۔ رسول اللہ نے دونوں کے لئے دعا فرمائی۔ کہ خداوندا! ان سے پریشانی اور تفرقے کو دور رکھ۔ ان کے دلوں میں الفت دے انکو اور انکی اولاد کو جنت النعیم کا مالک بنا۔ انہیں طیب و طاہر و مبارک ذریت عطا کر۔ انکی اولاد میں برکت دے۔ انہیں امام بنا۔ جو تیرے حکم سے تیری اطاعت کے لئے ہدایت کریں اور اس کام کا حکم دیں جسمیں تیری رضامندی ہو۔ بعض روایات میں وارد ہے۔ کہ جناب رسول اللہ ایک دودھ کا پیالہ بھی ہمراہ لائے۔ اور جناب سیدہ سے فرمایا اشربی فداك ابوك بابا قربان = پی لو۔ اور جناب علی مرتضےٰ

جوابِ دُعا

اس روایت میں جو دعا مرقوم ہے اسکی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یا تو وہ قبول درگاہِ خداوندی ہوئی یا نہیں ؟ نفی قبولیت کو ہرگز کوئی صاحب ایمان گوارا نہ کریگا۔ لامحالہ قبولیت کا اقرار کرنا پڑیگا۔ اب دیکھو اس دعا کا جواب کلام مجید میں آپکو مل جائے گا۔ خداوند عالم سورۃ انبیاء میں ارشاد فرماتا ہے۔

وجعلناھم آئمۃً یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیراتِ واقام الصّلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین" ہم نے انکو امام بنا دیا۔ وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے انہیں افعال نیک۔ اقامت نماز۔ اور ایتاء زکوٰۃ کی وحی کر دی اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے"

یہ آیہ مقدسہ گویا جواب ہے دعائے پیغمبرؐ کا۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ دعا کرتے ہیں کہ خداوندا ہمارے لئے آخرین میں ایک سچی زبان قرار دے۔ اور خدا قرآن میں ہی اس کا جواب دیدیتا ہے۔ وجعلنا لھم لسان صدقٍ علیًا۔ ہم نے ان کے لئے سچی زبان علیؑ کو قرار دیا۔ اسی طرح دعائے پیغمبرؐ کا جواب ارشاد ہوا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن عجیب تماشہ ہے کہ بعض مدعیان تشیع جنکو فضائل آئمہؑ سے خدا واسطے کی کاوش آپڑی ہے۔ صاف کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ بلکہ برملا کہتے ہیں۔ کہ آئمہ اہلبیت کو اس آیت سے کیا تعلق۔ ان لوگوں کو لفظ وحی نے وہم میں ڈالدیا ہے۔ اور اسی کی بنا پر یہ آئمہؑ سے وحی کی بھی نفی کر رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باب ہفتم

متفرقات

نتیجۂ حالات

یہ تمام حالات جو تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان پر نظر کرنے سے ہم ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض اربابِ فکر جناب رسول اللہ کی اور بھی دو لڑکیاں بطن خدیجہ سے قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ پر مختلف اہل قلم نے کافی بحثیں کی ہیں۔ لیکن اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کریں تو بھی ہمیں ماننا پڑے گا کہ جو خصوصیت جناب فاطمہؑ کو تھی۔ وہ کسی دوسری صاحبزادی کو نہ تھی۔ رسول اللہ نے جو اہتمام فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے نکاح کا فرمایا ہے۔ وہ کسی دوسری کے لئے دیکھنے میں نہیں آیا۔ نسل رسول اللہ اگر چلی ہے تو فاطمہؑ سے ہی چلی ہے۔ وہ فاطمہؑ ہی کی اولاد ہے جسے آل رسول کہا جاتا ہے فاطمہؑ ہی وہ صدف پاکیزہ گوہر ہے۔ جس سے گیارہ گوہر غلطان ظاہر ہو کر مسند خلافتِ الٰہیہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ شرافت فاطمہؑ کو ہی حاصل ہے کہ رسول اللہ نے فاطمہؑ کی ایذا کو اپنی ایذا قرار دیا۔ فاطمہؑ کی ہی حقیقت وہ حقیقت ہے جو حقیقت احمدیہ سے اتصال و اتحاد کلی رکھتی ہے۔ وہ فاطمہؑ ہی ہے جس کے نکاح کا اہتمام منجانب اللہ عمل میں آیا۔ فاطمہؑ ہی وہ بیٹی تھی جو رفتار و گفتار میں رسول سے مشابہہ تھی۔ وہ فاطمہؑ ہی ہے جسکی تعظیم کے لئے رسول اللہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ فاطمہؑ کے ہی بیٹے رسول اللہ کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور فاطمہؑ ہی وہ دروازہ ہے جس سے علوم رسالت و امامت نے ظہور کیا۔ اشرافِ قریش نے تزویجِ فاطمہؑ کے لئے جو کوششیں کی ہیں۔ ان سے کتب تواریخ لبریز ہیں آخر ان کوششوں میں کوئی تو راز تھا۔ اس مواصلت میں کوئی تو شرف تھا۔ حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ علیؑ کو تین فضیلتیں ایسی حاصل ہیں۔ جو میرے نزدیک شتران سرخ مو سے افضل ہیں۔ منجملہ انکے یہ ہے کہ انکا عقد فاطمہؑ کے ساتھ ہوا۔

حسب و نسب

اہلِ علم کی نظر میں شرافت کی دو حالتیں ہیں۔ ایک شرافتِ نسبی یعنی انسان کسی اعلےٰ انسان سے بلحاظِ نسب منسوب ہو۔ اسے وصفِ اضافی سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ نسبت بیکار بھی ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بدیہی بات ہے۔ امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں۔

الناس من جهة التمثال اكفاء

ابوهم آدمُ والامّ حوّاء

انسان بلحاظ کفو سب آپس میں برابر ہیں۔ کیونکہ باپ سب کے حضرت آدمؑ ہیں۔ اور ماں سب کی حضرت حوّا یعنی تمام انسانوں کا سلسلہ انہیں سے چلتا ہے۔ اور انہیں پر منتہی ہوتا ہے۔

دوسری شرافت ہے۔ شرافت حسبی۔ یعنی انسان جس بزرگ سے منسوب ہو۔ اس کے اخلاقِ حسنہ اور صفات فاضلہ کا بھی حصّہ لئے ہوئے ہو۔ یہ انسان کا وصفِ ذاتی کہلاتا ہے۔ وصفِ ذاتی فی الحقیقۃ نہایت کار آمد چیز ہے۔ یہ وصف انسان میں کبھی تو بزرگوں کے مماثل ہوتا ہے اور کبھی ان سے بڑھ بھی جاتا ہے۔ جیسا کہ جناب سرورِ کائنات بلحاظ نسبِ ظاہری حضرت آدمؑ سے منسوب ہیں۔ لیکن شرافتِ ذاتی ایسی رکھتے ہیں۔ جو حضرت آدمؑ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور اسی وصفِ ذاتی کی بنا پر آپ سب پیغمبروں سے افضل ہیں۔ غالبًا آیہ کریمہ انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم (جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہیں وہی خدا کے نزدیک سب سے مکرّم ہیں) میں اسی شرافتِ حسبی یا وصفِ ذاتی کی طرف اشارہ ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شرافت نسبی کوئی چیز نہیں ہے بیشک بڑی چیز ہے۔ مگر انسان اپنے اخلاقِ رذیلہ سے خود اس جوہر کو چھپانے کی کوشش کرے۔ تو اس کا کیا علاج۔ ہر وہ شخص جو شرافت نسبی رکھتا ہے۔ شرافتِ حسبی حاصل کر سکتا ہے۔ اور بہت آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو محض شرافتِ حسبی رکھتا ہے۔ شرافتِ نسبی حاصل نہیں کر سکتا اس سے شرافتِ نسبی کی اہمیت کا بھی پتہ چل جائے گا۔ اسی لئے اس کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا میں یہ دونوں شرافتیں بدرجۂ کمال جمع تھیں۔ از روئے

اور صفاتِ فاطمہ کی وارث تھیں۔ جو رسول اللہ میں موجود تھے۔ آپ ایک آئینہ تھیں جس سے ہر
انسان اوصاف رسول کا معائنہ کر سکتا تھا۔ اور حالات مدونہ کی بدولت آج بھی کر سکتا ہے۔ یہی
سبب تھا کہ رسول اللہ آپ پر گردیدہ اور فدا تھے۔ آپ عالمِ ظاہر میں رسول اللہ کی بیٹی تھیں
اور عالمِ باطنی میں جزو نور احمدی اور حصہ دار سیرت محمدی۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ کو آپ کا بے حد
خیال رہتا تھا۔ اور کبھی کسی امر میں آپکی دلشکنی گوارا نہ فرماتے تھے۔ اس لئے آپ کے نکاح کا
اہتمام جس طرح رسول اللہ نے فرمایا ہے۔ گو بظاہر بہت سادہ ہے۔ لیکن اس سادگی پر ہزار ہزار صنعتیں
قربان ہیں۔ اور رسول اللہ کی ایک ایک حرکت سے وہ شان فاطمہ زہرا کی اہل نظر کی نگاہ میں معلوم
ہوتی ہے۔ جس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ دوسری صاحبزادیاں اگر ان کا وجود تسلیم بھی کیا جائے تو
ان کے متعلق رسول اللہ کا ایسا تعلق خاطر ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔ اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ
فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا سے ان صاحبزادیوں کو کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ اسمیں کسی کو برا
ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ واقعات ہیں جو زمانے کے ورق پر ثبت ہیں۔ اور رہیں گے اور
ان واقعات کے یہ نتائج ہیں۔ جنہیں ہر اہل عقل اپنے صفحاتِ قلب پر لکھتا رہے گا۔

زمین کا علی مرتضیٰ علیہ السلام سے باتیں کرنا

سبحان اللہ! بیٹی ایسی۔ داماد ایسا۔ اس سے زیادہ رسول اللہ کے لئے اور کیا مقام مسرت
ہو سکتا ہے۔ ملا جامی نے بضمن روایت طولانی شواہد النبوۃ میں لکھا ہے۔ کہ جب چوتھے دن رسول
اللہ خانہ سیدہ میں تشریف لائے۔ تو تھوڑا سا پانی لیکر اس پر قرآن کی آیات دم کیں اور جناب
سیدہ و علی مرتضےٰ کو وہ پانی پلایا۔ اور دعا کی کہ خداوندا! ان سے ہر قسم کی رجس کو دور فرما۔ اس کے
بعد علی مرتضیٰ باہر تشریف لے گئے۔ اسوقت صدیقہ طاہرہ نے اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا کہ میں نے
رات کو دیکھا کہ زمین میرے ابن عم سے باتیں کر رہی تھی۔ اس واقعہ سے مجھ پر خوف طاری ہے
پیغمبر خدا نے یہ سنکر سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ بیٹا! یہ تو شکر اور مسرت کا مقام ہے۔
تمہارے شوہر کو خدا نے یہ منزلت عطا فرمائی ہے اس نے زمین کو حکم دیا ہے۔ کہ جو واقعات اسپر گذریں
وہ انکو علی مرتضیٰ سے بیان کرے۔

جناب سیدہ اس واقعہ اخبار ارض سے خوفزدہ ہوگئیں۔ راوی کا قیاس ہے۔ کیونکہ جناب سیدہ ان علوم کی متحمل نہیں۔ جن کا کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل بھی تحمل نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ سے اس واقعہ کا اظہار بلحاظ اخبار اغیار دوسری چیز ہے! اور خود خوفزدہ ہونا دوسرا امر ہے۔ جناب سیدہ کی طینت پر نظر رکھنے والا کبھی جناب سیدہ کے لئے اس بے مرقعہ خوف و ہراس کو تسلیم نہیں کرے گا۔

طعنۂ اغیار

یہ تو مسلم ہے کہ صحابہ میں سے جو اسوقت ممودار تھے۔ سب نے ہی جناب سیدہ کی خواستگاری کی تھی! اور اسمیں سب درخواست کرنے والے ناکام بھی رہے تھے۔ پس ضروری تھا کہ اس کا بخار کسی نہ کسی صورت میں نکالا جاتا۔ کہیں جناب سیدہ کیطرف ایسے کلمات منسوب کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہو کہ آپ حضرت علی مرتضےٰ کی صورت ظاہری کو پسند نہیں کرتیں۔ کہیں جناب فاطمہؑ و علی مرتضےٰ کی شکر رنجی کی روایتیں بیان کی جاتی ہیں! اور ان روایات کا جو اصلی راز ہے۔ وہی ناکامی ہے۔

اس پر بھی تسکین نہ تھی۔ بلکہ جناب سیدہ کو بھی طعنے دلوائے جاتے تھے۔ جناب سلمانؓ سے منقول ہے کہ ایکروز میں رسول اللہ کے ہاتھوں پر پانی ڈلوا رہا تھا۔ اتنے میں جناب سیدہ تشریف لائیں انکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ رسول اللہ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھکر فرمایا اے حورا خدا تجھے نہ رلائے۔ یہ گریہ کسلئے ہے۔ سیدہ نے التماس کیا کہ قریشی عورتوں کے ایک غول پر میرا گذر ہوا وہ سب مہندی لگائے ہوتے تھیں۔ مجھے دیکھکر میری اور آپ کے ابن عم کی حقارت اور مذمت کرنے لگیں۔ حضرت نے ارشاد کیا وہ کیا کہتی تھیں۔ فرمایا ان کا قول یہ تھا۔ کہ رسول اللہ پر بیٹی کا بوجھ تھا۔ اسی لئے ایک مرد مفلس سے اسکی شادی کر دی۔ جس سے بڑھکر قریش میں کوئی نادار نہیں۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا۔ بیٹا! مینے تمہارا عقد نہیں کیا۔ یہ عقد تو خدا کیطرف سے ہوا ہے یہ فرما کر عقد کی کیفیت اور علی مرتضےٰ کے فضائل ارشاد فرمائے۔

ان کے امیدوں کے لہلہاتے ہوئے گلشن پر اوس پڑ گئی۔ اور انہوں نے دیکھ لیا کہ طائر قدس دام زرّین میں شکار نہیں ہو سکتا۔ تو اس موقعہ پر انہیں بے بنیاد افواہوں پر کمر باندھی جنکی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور جو کتب تواریخ میں موجود ہیں۔

اِس موقعہ پر علیؑ مرتضیٰ کا افلاس ظاہری (جسمیں خود رسولؐ اللہ بھی مبتلا تھے) عجیب و غریب معنی خیز ہے۔ واقعاً علیہم تقضئے علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر کچھ مال و دولت کے مالک ہوتے اور یہ کوئی عیب بھی نہیں ہے۔ پھر اس دولتمندی کی حالت میں ان سے فاطمہؑ کا عقد کیا جاتا اگرچہ ان میں کتنی ہی صفاتِ حسنہ موجود ہوتیں لیکن پھر بھی دنیا کی نظر میں یہ بات کھٹکتی رہتی کہ علیؑ کا انتخاب دولت مندی کیوجہ سے عمل میں آیا ہے۔ اور یہ قدر و منزلت دولت کے عوض میں خریدی گئی ہے لیکن اب یہ اعتراض نہیں اُٹھ سکتا۔ بلکہ اس کا تصور بھی دماغ میں نہیں آسکتا۔

اب رہا افلاس کا سوال! پس اگر واقعی مفلس ہو کر انسان کی کچھ قدر گھٹ جاتی ہے تو خود رسولؐ اللہ پر اعتراض کرنا چاہئے۔ لیکن دنیا کے عقلمندوں نے کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا۔ وہ لوگ جو ازراہِ عناد آپکی توہین کے درپے رہتے ہیں۔ انہوں نے بھی افلاس کو آپ کے عیوب میں شمار نہیں کیا۔ لیکن بدقسمتی سے اسی زمانہ میں مدینہ اس قسم کی افواہوں کا مرکز ضرور رہا ہے۔

اس واقعہ سے ہم بہت سے نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے سے انسانی گروہ میں ہمارا شمار ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ جسوقت ہم اپنی لڑکیوں کے لئے شوہروں کا انتخاب کریں اس وقت داماد کے اوصاف باطنی پر نظر رکھنا ہمارا فرض ہے۔ مگر نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کیا جاتا۔ تانبے کی چادریں تمام بدکاریاں چھپا دیتی ہیں۔ اور پیسے کا نہ ہونا یہ ایک ایسا عیب شمار کیا گیا ہے کہ صفات ملکوتیہ بھی اس کی تلافی سے قاصر ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ رسولؐ اللہ کی بیٹی کا جہیز کیا تھا۔ کونسے تکلفات تھے۔ کونسی نمائش تھی کونسا طمطراق تھا۔ برخلاف اس کے ہماری روش کیا ہے ہاں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر کوئی فنا مقدرت ہے تو وہ بھی اسی پر اکتفا کر کے بیٹھ جائے۔ نہیں۔ وہ اپنی حسب حیثیت جو چاہے دے لیکن جو لوگ [illegible] کہ جبتک جہیز کا فی میسر نہ ہوگا۔ ہم شادی ہی نہ کریں گے۔ عمر بسر کر دیتے

جو چیزیں آجکل ہندوستان میں شادی بیاہ کے لوازمات میں سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی عقلاً لازمی نہیں مانا جاسکتا۔ زمانۂ رسالت سے بعد۔ اقوامِ غیر سے میل ملاپ دولت کی نمائشی جھلک سے مرعوب ہوجانے کی عادت پڑ جانا۔ عقلی طریقوں سے دور رہ کر اپنی تکالیف کے لئے خود نئے نئے طریقے وضع کرنا۔ فی الحقیقۃ یہ اسباب ہیں۔ جنہوں نے ہمیں مشکلات میں مبتلا کر رکھا ہے۔

رسولؐ کی بیٹی جس گھر میں بیاہی ہوئی گئیں ہیں۔ اس کا حال تو آپ نے سن ہی لیا ہوگا اچھا ایسے گھر میں کسی آجکل کے فیشن ایبل مسلمان یا دلدادۂ فیشن مسلمان لیڈی کو تو لے جاکر کھڑا کر دو ایک منٹ ٹھہرنا گوارا نہ کریں گے۔ اور اس گھر کی نسبت جو تکلفاتِ ظاہری سے بری ہو۔ ملامت کا ووٹ پاس کرتے ہوئے نکل جائیں گے۔

اس تحریر کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے۔ کہ سب کے سب اسی قسم کے مکانوں میں زندگی بسر کریں۔ یہ امر ہمارے حوصلے سے بہت اونچا ہے۔ رسولؐ نے ہمارے لئے ہر معاملہ میں وسعت رکھی ہے۔ اور یہ وسعت ہمارے ظرف ہی کی بنا پر ہے۔ کیونکہ ہمارا ظرف ہرگز اتنا نہیں ہے۔ کہ باوجود مقدرت ایسی سخت زندگی بسر کر جائیں۔

عام تو عام رہے جو خاص لوگ کہے جاتے ہیں۔ ان میں بھی شاذونادر ہی کوئی ایسا نکلیگا جو اس قسم کی زندگی بسر کرنے پر تُل گیا ہو۔ درآنحالیکہ وہ وسعتِ عیش پر قادر بھی ہو۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو مجبور نہیں کیا۔ کیونکہ ہر شخص سلمانؓ و ابوذرؓ نہیں بن سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ضرور کہا جائے گا۔ کہ جو نفوس اس قسم کی زندگی کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہوں۔ اور کبر و غرورِ زر نے انہیں ایسے نفوس سے جو افلاس میں زندگی بسر کر رہے ہیں متنفر کر دیا ہو تو خوب سمجھ لو کہ ایسے شخصوں کو ایمان سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ خواہ وہ کیسا ہی لسان ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو۔ یہ پڑھنا لکھنا سب برائے طلبِ زر ہے اور ایسے شخص کے ایمان پر کبھی اعتبار نہیں ہوسکتا۔

افسوس ہے کہ اس زمانے میں اصلاح بہت مشکل ہوگئی ہے۔ اسلئے کہ ہم پڑے ہوئے جو ہیں

انبیا کی سوانح عمریاں ہمارے زیر نظر ہیں۔ ان کے حرکات و سکنات کے مطالعے پر ہماری عمریں صرف ہوئی ہیں۔ انکی تعلیم کا لب لباب ہمارے نوک زبان ہے۔ اب کوئی ہمیں بتائے تو کیا بتائے جبکہ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ یا سب کچھ جاننے کے مدعی ہیں۔ افسوس علم کے شجر ممنوعہ کا پھل تو سر بازار بک رہا ہے۔ لیکن عمل کے شجرہ طیبہ کی شاخیں اتنی بلند ہو گئی ہیں کہ وہاں تک ہمارا ہاتھ ہی نہیں پہنچتا۔ ہاتھ پہنچنا تو کجا ہمیں اس کا سایہ بھی میسر نہیں ہے۔

غرض وہ افواہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ انکی تردید رسُول اللہ نے مختلف موقعوں پر فرمائی چنانچہ منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا۔ ایہا الناس یہ علیؑ دلبند ابوطالبؑ ہے۔ تمہارا خیال یہ ہے کہ مینے آپ ہی آپ اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد کر دیا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ میں وحی آسمانی کا منتظر تھا۔ چوبیسویں رمضان کو جبرئیل میرے پاس آئے۔ اور یہ پیغام لائے۔ کہ خدائے اعلےٰ آپکو سلام کہتا ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے۔ کہ مینے ملائکہ روحانیین و کروبیین کے روبرو شجر طوبےٰ کے نیچے میدان افق میں جو ایک وادی وسیع ہے۔ مجمع کر کے فاطمہؑ کا عقد علیؑ کے ساتھ کر دیا۔ خداوند عالم نے مجھکو منگنی کا حکم دیا اور خود ولی بنا۔ پھر طوبےٰ کو نچھاور کا حکم دیا۔ اس نے موتی۔ مونگے۔ خلعت اور زیور برسا دیئے حور العین نے اس نچھاور کو لوٹا۔ وہ باہمی ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ عقد فاطمہؑ زہرا کا نچھاور ہے۔ اور یہ رسم ان میں قیامت تک جاری رہیگی۔

نیز منقول ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا ما زوجت وفاطمۃ الا ما امرنی اللہ میں نے حکم خدا کے بموجب فاطمہؑ کی تزویج کی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہیں جیسا بشر ہوں۔ تمہیں سے بیٹی لیتا ہوں اور تمہیں کو بیٹی دیتا ہوں۔ لیکن فاطمہؑ کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ اس کی تزویج آسمان سے نازل ہوئی ہے۔

عیون الاخبار میں روایت ہے۔ کہ رسُول اللہ نے حضرت مرتضےٰؑ سے ارشاد کیا کہ یا علیؑ اکثر قریش نے عقد فاطمہؑ کے مقدمہ میں میری شکایت کی۔ اور کہا کہ جب ہم نے درخواست کی تو انکار کر دیا اور علیؑ سے خود بلا کے عقد کر دیا۔ میں نے انکو یہ جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ مینے تم سے انکار کیا اور نہ علیؑ سے اقرار۔ ہاں یہ کہو کہ خدا نے تمہارے ساتھ فاطمہؑ کا عقد نہ چاہا۔ اور اسے علی سے مختص کر دیا بمجرد

تیرے اس کلام سے جبریل

لفاطمۃ کفو اگر علیؑ نہ ہوتے تو پھر کوئی ایسا نہ تھا جو فاطمہؑ کا کفو و ہمسر قرار دیا جا سکے۔ اور اس سے فاطمہؑ کا عقد ہو سکے۔

غرض رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ نے اکثر مجمعوں میں ان خیالات کی تردید کی۔ اور طعنہ کرنیوالی زبانوں کو قطع کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیالات مسلمانوں ہی میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ بھی قریش میں۔ دوسروں کو اس سے تعلق نہ تھا۔

تزویج دختر ابوجہل

جناب سیدہؑ کے حالات کا تفحص کرتے ہوئے ہمیں چند روایات ایسی ملتی ہیں کہ خواہ مخواہ جسکی صنعت پر ہنسی آتی ہے۔ خصوصاً یہ روایت کہ حضرت علیؑ نے دختر ابوجہل کی خواستگاری کی اور جناب فاطمہؑ سخت ناراض ہوئیں۔

ماحصل روایت یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے ابوجہل کی دختر سے نکاح کا قصد کیا جس سے جناب سیدہ کو سخت ملال ہوا۔ اور رسول اللہ سے شکایت کرنے گئیں۔ ایک نئی تالیف میں حضرت فاطمہؑ کے الفاظ کی ترجمانی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ کہ دیکھئے سب لوگ اپنی لڑکیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ مگر آپ کچھ خیال ہی نہیں فرماتے۔ اب علیؑ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرکے مجھ پر سوت لا بٹھاویں گے"۔

اس روایت کی نسبت ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ اُدھر جناب سیدہ کو اخلاق رسولؐ سے متصف بھی بتایا جاتا ہے۔ اور ادھر یہ کلمات بھی انکی زبان سے سنوائے جاتے ہیں۔ اگر حسد کا مادہ کسی طرح زائل ہی نہیں ہو سکتا۔ تو پھر ازواج رسولؐ میں تو اسے بکثرت تسلیم کرنا پڑیگا۔

ایک روایت شیعہ تصنیفات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ اشقیائے مدینہ میں سے کسی نے جناب سیدہ سے آکر کہدیا کہ حضرت علیؑ نے دختر ابوجہل کی خواستگاری کی ہے اور یہ واقعہ اس شخص نے قسم کھا کر بیان کیا۔ جناب سیدہ کو اس قدر غیرت آئی۔ کہ اپنے آپے میں

اور ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر خانہ رسالتمآب میں تشریف لائیں۔ حضرت امیر المومنین جب گھر میں آئے
تو گھر خالی دیکھا۔ معلوم نہ ہوا کہ کس کام کے لئے گئی ہیں۔ نیز رسول اللہ کے مکان سے بلواتے
ہوئے شرم آئی۔ ناچار مسجد میں تشریف لائے۔ مشغول نماز ہوئے۔ بعد اس کے سنگریزہ اور
خاک جمع کر کے اس پر تکیہ کر کے لیٹ گئے۔ اُدھر رسول اللہ نے جب فاطمہ زہرا کا کرب ملاحظہ
کیا۔ تو ان پر پانی چھڑ کا مشغول نماز ہوئے اور دعا کی کہ خداوندا فاطمہ کا رنج و غم دور فرما۔ آخر جب
دیکھا کہ سیدہ کو کسی طرح چین ہی نہیں تو فرمایا بیٹی اٹھو۔ پس رسول اللہ نے امام حسنؑ کو اٹھا لیا۔
اور حضرت فاطمہؑ نے امام حسینؑ کو۔ ام کلثوم کا ہاتھ پکڑا۔ اور وہاں تشریف لائے۔ جہاں
امیر المومنین لیٹے ہوئے تھے۔ رسول اللہ نے اپنے پاؤں سے ان کا پاؤں دبا کر فرمایا اے
ابو تراب اٹھو تم نے بہت سے چین سے بیٹھے ہوؤں کو بیکل کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ فلاں
فلاں کو بلا لاؤ۔ جب وہ سب آگئے تو رسول اللہ نے فرمایا یا علیؑ تو نہیں جانتا کہ فاطمہؑ میرے
جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے اسے میرے بعد ستایا اس
نے گویا میرے سامنے ستایا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ درست و بجا ہے یا رسول اللہ۔ پھر ختمی
مرتبت گویا ہوئے۔ کہ پھر کیا سبب ہوا۔ جو تو نے ایسا (نکاحِ دختر ابو جہل کا) ارادہ کیا۔ حضرت
علیؑ نے جواب دیا۔ کہ یا حضرت میرے تو ذہن میں بھی یہ بات نہیں گذری۔ رسول اللہ نے فرمایا
کہ تو سچا ہے۔ صادق ہے۔

یہ روایت حضرت صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کی گئی ہے۔ لبفرض صحت
روایت اسکی تاویل کی جائیگی۔ اور کہا جائے گا کہ جن لوگوں نے افواہ اڑائی تھی۔ انکی تنبیہ و سرزنش
منظور تھی۔ لیکن پھر بھی طرز بیان ایسا ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی۔ جناب سیدہ کا اس طرح اٹھ
کر بلا اذنِ شوہر گھر سے چلے جانا اور اس قدر کرب و بیقراری ظاہر کرنا انکی شان عصمت کے قطعاً
منافی ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے ایک دلفریب پہلو اس واقعہ سے نکالا ہے۔ وہ یہ کہ جناب زہراؑ
کی یہ شان تھی کہ انکی زندگی میں حضرت علیؑ دوسری عورت گھر میں نہیں لا سکتے تھے۔ جیسا کہ
رسول اللہ نے انہیں منع کر دیا تھا۔ اور یہ ممانعت صاحب شریعت کی ہی طرف سے ہو سکتی ہے

دوسرا اس ممانعت کا مجاز نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جناب سیدہ کی شان یہی تھی۔ جیسا کہ امام موصوف کا خیال ہے۔ یہ جناب سیدہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے امیرالمومنینؑ دوسرا نکاح نہیں کر سکتے تھے۔ مذہبِ شیعہ میں بھی اس مضمون کی احادیث موجود ہیں۔ لیکن وہ قصہ جس سے ممانعت ثابت کی جاتی ہے۔ بے سروپا ہے۔ ہمارے نزدیک علیؑ مرتضےٰ کا یہ طرزِ عمل کہ آپ نے فاطمہؑ زہرا صلوات اللہ علیہا کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کیا۔ اسی نتیجے پر پہنچا دیتا ہے جس پر صاحب موصوف اس مصنوعی قصے سے پہنچے ہیں۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شرافت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کو انکی والدہ محترمہ سے وراثۃً پہنچی تھی۔ جس طرح جناب خدیجہؓ کی موجودگی میں رسول اللہؐ نے دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ اسی طرح علیؑ مرتضےٰ نے فاطمہؑ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا یہ شرافت انہیں ماں بیٹیوں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری کوئی عورت اس فضیلت میں انکی شریک و سہیم نہیں ہے۔

ابوتراب

وہی روایت مذکورہ جس کا بیان ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کی بنا پر حضرت کی کنیت ابوتراب مقرر ہوئی۔ لیکن یہ خیال بھی غلط ہے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اسی کے ہم مضمون ایک روایت نقل کرنیکے بعد فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث میرے نزدیک معتبر نہیں۔ کیونکہ علیؑ و فاطمہؑ کے درمیان کسی ایسی رنجش کا واقع ہونا جسمیں رسول اللہؐ کو اصلاح کی ضرورت ہو ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں ایک بزرگوار سیدؑ الوصیین ہیں اور ایک سیدۂ نساء عالمین۔ دونوں بزرگوار حسنِ خلق میں رسول اللہ کے قدم بقدم تھے لیکن حضرت کی اس کنیت کے باب میں عبداللہ ابن عباس کی وہ روایت معتمد ہے۔ جسمیں مذکور ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ کی کنیت ابوتراب کس لئے مقرر فرمائی تو انھوں نے جواب دیا اس لئے کہ وہ حضرت مالکِ ارض ہیں۔ اور رسولؐ اللہ کے بعد زمین پر خدا کی حجت اور سببِ بقا و سکونِ ارض ہیں۔

کنیت کی یہ وجہ بہت روشن اور صاف ہے اور اسی کتاب ... [illegible]

جسمیں بیان ہوتا ہے کہ زمین آپ سے باتیں کیا کرتی تھی۔ واقعاً آپ مالک الارض اور رب الارض ہیں۔ اسی لئے یہ کنیت آپ کے نزدیک محبوب ترین کنیت تھی۔

غرض اس قسم کی روایات کہ جن میں علیؑ مرتضےٰ اور فاطمہؑ زہرا کی رنجش دکھلائی گئی ہے۔ محض بے اصل ہیں۔ اور صاحبانِ نظر انکو قبول کرنے سے قطعاً کارہ۔ جیسا کہ ابھی صدوق علیہ الرحمہ کی رائے آپ کے سامنے پیش ہوئی۔

شیرِ خداؑ اور فاطمہؑ زہرا

یہ تو ظاہر ہے کہ میکے سے سسرال میں آنا مستورات کے لئے گویا ایک دوسری زندگی کا افتتاح ہوتا ہے۔ میکے کی آزادی اب کہاں۔ اب اس کے حرکات و سکنات پر نظر رکھنے والے اور ہوتے ہیں جنہیں کچھ نہ کچھ مین میکھ نکالنے میں مزا آتا ہے۔ اور وہ اپنے سارے عمر بھر کے تجربوں کا وار نئی دلہن پر کرنے کے لئے بالکل ہی آمادہ ہوتے ہیں۔ اگر اس نے نوالہ بڑا اٹھایا۔ تو بدتمیز کہلائی۔ چھوٹا نوالہ لیا تو ریا کا طعن چل گیا۔ ہنسی بولی تو بیحیا۔ خاموش بیٹھی تو مغرور۔ چلی پھری تو بدسلیقہ۔ ایک جگہ بیٹھی رہی تو احدی۔ کاہل وجود۔ شوہر کیطرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا تو بے شرم۔ ہر وقت آنکھیں نیچی رہیں تو تل نظری۔ غرض کسی پہلو آرام اور چین نہیں۔ آج تک وہ معیار معلوم نہیں ہوسکا۔ جو ہم نے نئی دلہن کے لئے مقرر کیا ہے۔ جس پر پوری اتر کر وہ ہماری نظروں میں سنجیدہ۔ فہمیدہ۔ سلیقہ شعار اور تمیز دار ثابت ہوسکے۔

یاد رکھو کہ ہمارے گھروں کے جو یہ حالات ہیں۔ ان سے خانوادۂ رسالت کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ جنابِ فاطمہؑ زہرا خود معصومہ۔ کمالاتِ انسانیہ کی جامع اور پھر آئیں اس کے گھر میں جو مصداقِ خلیفۃ اللہ اور رب الارض۔ مالک السماء۔ پس ان کے حالات کو اپنے حالات پر قیاس کرنا نہ صرف بے ادبی بلکہ ایک قسم کی جہالت آمیز بے ایمانی ہے۔

جب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اس نئے مکان میں تشریف لائی ہیں تو اسوقت جناب فاطمہؓ بنتِ اسد جنکی گود میں رسول اللہ نے پرورش پائی تھی۔ حیات تھیں۔ ان مقدس و مطہر بی بیوں کے

کے لئے اس سے زیادہ کونسا مسرت و انبساط کا وقت ہو گا۔ کہ انہوں نے رسول کی بیٹی کو اپنی بہو بنتے ہوئے دیکھ لیا۔ سنہ ۴ ہجری میں اس مقدس خاتون نے انتقال فرمایا ہے۔ اور سنہ ۲ ہجری میں جناب فاطمہ زہرا خانہ علی مرتضٰے میں تشریف لاتی ہیں۔ یہ قلیل مدت اس طرح گذری ہے کہ گویا سوائے فاطمہ زہرا کے دوسرا کوئی گھر میں ہے ہی نہیں۔ حالانکہ یہ ناممکن بات ہے کہ علی مرتضیٰ کیطرف سے ایسا فعل عمل میں آئے۔ کہ وہ مادر گرامی کو اپنے سے الگ کر دیں۔ اور تنہا زندگی بسر کریں۔ یا جناب فاطمہ بنت اسد ایسی ہوں جو علی مرتضٰے جیسے اپنے لخت جگر کو چھوڑ کر کہیں جا رہیں۔ اور جائیں تو کہاں جائیں۔ جعفرؓ حبشہ میں تھے۔ عقیلؓ کا گھر تھا یا علی مرتضٰے کا۔ عقیلؓ کا پہلے سے گھر آباد تھا۔ صرف علی مرتضٰے ہی تنہا تھے۔ اس تنہائی میں لامحالہ انہیں علی مرتضٰے کے پاس رہنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جب اس مخدومہ نے دار دنیا سے رحلت فرمائی ہے۔ تو اسوقت امیرالمومنینؑ نے ہی آکر رسول اللہ کو خبر دی کہ چلئے میری والدۂ گرامی نے دنیا سے رحلت فرمائی جس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ وہ تو میری بھی والدہ تھیں۔ اس لئے کہ رسول اللہ کی تربیت آپ کے ہی آغوش میں ہوئی۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بزرگوار ثروت ظاہری سے بری تھے۔ چاندی کے چند ٹکڑے اور سونے کے چند ذرات سے ان کے خصائص کی آرائش نہ تھی۔ بلکہ یہ چیزیں انکی نظر میں مکروہ اور ایسی مکروہ تھیں۔ جیسے ہماری نگاہ میں مزبلہ کی نجاست۔ کیونکہ حقیقت واقعیہ ان چیزوں کی یہی ہے اور صورت اصلی انکی یہی نجاست ہے۔ پس وہ بزرگوار جو ہر چیز کو اسکی صورت اصلی میں مشاہدہ کرنیوالے تھے اور حقائق اشیا پر ان کا علم محیط تھا۔ وہ کیونکر ان چیزوں سے دلچسپی ظاہر کر سکتے تھے جن میں انتہائی نجاستیں اور خباثتیں پنہاں تھیں۔ ادھر علی مرتضٰے کا گھر اس چیز سے پاک صاف تھا اور اُدھر جناب فاطمہ زہرا جس گھر سے آئی تھیں اس کا بھی یہی رنگ تھا۔ نیز خود یہ معصومہ عالمہ غیر معلمہ و محدثہ تھیں۔ انہیں خانہ علی مرتضٰے کی ظاہری بے سرو سامانی دیکھکر کسی قسم کا تعجب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ یہ امر انکے لئے وجہ ملال ہی ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ پس اس گھر میں آکر فاطمہ زہرا کے جو کام سپرد ہوتے وہ ظاہر ہیں۔ جن کا مختصر خاکہ یہی ہو سکتا ہے۔ جھاڑو بہارو۔ پانی بھر کر لانا چکی پیسنا۔ روٹی پکانا۔ شوہر کی آسائش کا خیال رکھنا۔ چرخہ کاتنا۔ اور ان خدمتوں کے بعد پھر اس خاص محراب عبادت میں کھڑے ہو جانا۔ بس یہی انکی زندگی کے مشاغل تھے۔ ان مشاغل میں بلحاظ

تکلیف ظاہری میں اضافہ تو ہوا ہے۔ لیکن کمی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ اب ہم ایک ایک چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

کاروبار خانگی

ہم ایسے متکبر اور مغرور زمانے میں پیدا ہوتے ہیں جسمیں گھر کا کام کاج کرنا بھی شرافت کے خلاف سمجھا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص بازار سے اپنے گھر کا سودا خود اٹھا کر لے آئے تو اسکی شرافت دو کوڑی کی ہو جاتی ہے۔ گھر میں اگر بیگم صاحبہ معاذ اللہ چکّی تو چکّی اگر مصالحہ ہی پیسلیں تو تمام عزت پر پانی پھر جائے۔

اسلام کی جب سے سادگی رخصت ہوئی اور اموی و عباسی دولتوں کی چمک نے اسلام کا رنگ کچھ اور ہی کر دیا اسوقت سے معیارِ شرافت بھی بدل گیا۔ قرآن نے شرافت کا معیار جو قرار دیا ہے اس سے قطعاً تخلف ہو چکا۔ اب اگر شرافت ہے تو پیسے کی۔ اور شریف اگر ہے تو وہی جسکی گرہ میں چند سکے ہوں۔ تعظیم و تکریم اگر ہے تو دولتمند کی۔ اور احترام اگر ہے تو اسی کا جسکے اوپر چاندی کا پالان ہے۔ اُمرا ء و رؤسا جو غرور و کبر کی تصویریں ہوتی ہیں۔ ان کے میل جول سے غربا کے مذاق کا بھی ستیاناس ہو گیا۔ وہ اس کبر و غرور کو بنگاہِ استحسان دیکھنے لگے۔ اور اپنی مفلسی پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہوئے انکی خوشامد میں محو ہو گئے۔ انکی درگاہوں کو قبلۂ مقصود قرار دیا۔ انہیں کی صحبتوں کو اپنی شرافت کا جوہر سمجھا۔ اور انکی خوشامد سے حاصل کئے ہوئے چند ٹکڑوں کو اس قابل سمجھ لیا کہ انکی بدولت ہم بھی شریف بن جائیں گے۔

عوام تو کالانعام ہیں۔ ان کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو مولوی امام الدین صاحب بنے ہوتے ہیں۔ ان کا تجربہ کر کے دیکھو۔ ایک شخص شکستہ حال ان کے پاس پہنچتا ہے۔ نگاہ بھی نہیں ملاتے۔ سلام لینے کے بھی روادار نہیں ہوتے۔ خواہ کتنا ہی جوہر اتقا سے آراستہ ہو۔ برخلاف اس کے اگر کوئی مرغ زرین فسق و فجور کا پتلا ان کے ہاں پہنچ جائے تو سروقد کھڑے ہونگے۔ استقبال کو بڑھیں گے مسند چھوڑ کر بیٹھ جائینگے۔ اور اس تعظیم کے لئے حیلۂ شرعی فوراً ذہن میں آجائیگا۔ مگر یہ خو نہیں کہ دنیا طلبی کا شیطان دل میں آشیانہ کئے ہوئے ہے۔

جناب سیدہؑ کے چکی پیسنے کی روایات اس قدر ہیں کہ اگر انہیں ہی جمع کیا جائے تو ایک سالہ تیار ہو جائے۔ لہذا چند روایات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص سے علی مرتضیٰؑ نے فرمایا۔ کیوں! میں تجھ سے فاطمہؑ کا حال بیان کروں وہ میرے پاس رہتی تھیں اور سب سے زیادہ مجھے محبوب تھیں۔ مشک اٹھاتے اٹھاتے ان کے سینہ پر گھٹہ پڑ گیا تھا۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھ زخمی ہو جاتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے میلے ہو جاتے تھے۔ اور چولہا پھونکنے سے لباس سیاہ رہتا تھا"

رسول اللہ کی کاروبار فاطمہؑ میں شرکت

کبھی کبھی خود رسول اللہ ہی جناب فاطمہؑ اور علی مرتضےؑ کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایکدن رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ کو دیکھا کہ دونوں بزرگوار ارزن (چینا) پیس رہے ہیں حضرت نے فرمایا تم دونوں میں کون زیادہ تھکا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ گھر ریز ہوتے یارسول اللہ فاطمہؑ زیادہ تھک گئی ہیں۔ یہ سُنکر آپ نے سیدہ سے فرمایا کہ بیٹیا تم کھڑی ہو جاؤ۔ وہ کھڑی ہو گئیں تو خود رسول اللہ بیٹھ گئے۔ اور علی مرتضےؑ کے شریک حال ہو گئے۔

اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر اگر زیادہ بار ہو۔ تو شوہر کو بھی اس کا شریک حال ہونا چاہئے۔ فی الحقیقت یہ چیزیں اس امت کی تعلیم کے لئے ہیں۔ جسے نشۂ کبر و غرور نے بدمست کر رکھا ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے۔ کہ نفس امارہ کو زیر کرنے کا یہ طریقہ ہے اسے استعمال کرو۔ حب ترفع اور طلب جاہ کے دفیعئے کا یہی نسخہ ہے۔ اس کے پینے سے یہ امراض خبیثہ دفع ہونگے۔

لونڈی سے برتاؤ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے ایک لونڈی حضرت کو عطا فرمائی تھی جس کا نام فضہؓ تھا اس کے ساتھ حضرت کا یہ برتاؤ تھا۔ کہ ایکدن گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں اور ایکدن کنیز سے کام لیتی تھیں۔ سلمان فارسی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایکدن خانۂ اطہر سیدہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جناب سیدہ جو پینے میں مشغول ہیں اور چکی کے ہتھے پر دست اقدس کا خون بہ رہا تھا اور

ین ایک دفعہ میں بخوشی کی خدمت کے قریب رہے تھے میں نے کہا اے دختر رسول اللہ آپ یہ زحمت اٹھا رہی ہیں۔ آخر فضہ کس لئے ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ایکدن تم کام کرو۔ اور ایکدن فضہ سے کام لو۔ چنانچہ آج میری باری ہے۔

سلمانؓ کی خدمتگزاری

سلمانؓ نے عرض کیا کہ یا بنت رسول اللہ میں آپکا غلام آزاد کردہ ہوں۔ مجھے چکی دیجیے یا کہیئے میں حسینؑ کو بہلاؤں۔ آپ نے فرمایا میرا حسینؑ مجھی سے آرام پائیگا۔ تم جو پیس لو۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قدر آٹا پیسا ہوگا۔ کہ مسجد سے اقامت کی آواز آئی۔ میں اٹھکر نماز جماعت میں شریک ہوا۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو مینے علیؑ مرتضیٰ سے واقعہ بیان کیا۔ آپ آبدیدہ ہوئے۔ دولتسرا میں تشریف لیگئے اور مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ رسول اللہ نے سبب پوچھا تو فرمایا میں نے دیکھا کہ فاطمہؑ لیٹی ہوئی ہیں حسینؑ ان کے سینے پر خواب راحت میں ہے۔ چکی فاطمہؑ کے آگے دھری ہے اور خودبخود چل رہی ہے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ کچھ فرشتے ہیں۔ جو زمین کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ وہ محمدؐ و آل محمدؐ کے خدمتگار ہیں۔

فرشتوں کا خدمت کرنا

یہ چکی کسقدر خوش قسمت چکی تھی جسے فاطمہؑ کے مقدس ہاتھوں سے وہ عزت ملگئی تھی کہ فرشتے جسے گردش دینے کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

وہ غربا مومنین جن کے گھروں میں یہ مقدس چیز موجود ہے۔ اسے اپنا فخر سمجھیں اپنی تنگدستی سے گڑھیں نہیں۔ کوئی عورت دنیا میں خاتونِ جنان سے زیادہ باوقعت نہیں ہوسکتی جب مخدومۂ عالم نے اس چیز کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھا تو پھر کسی شخص کو جو مومن کہلاتا ہے۔ اسے نفرت سے دیکھنے کا کیا حق ہے۔

اگر ہم اور گہری نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ جناب ختمی مرتبت بہت آسانی کے ساتھ اس قسم کی خدمتیں دوسروں سے لے سکتے تھے۔ ان

کے علاموں کے پاس کونسی علامات موجود تھے۔ پھر ان کیلئے کونسی دشواری تھی اور کیا ظاہر ایسی
کوئی عیب بھی نہ تھا لیکن ان بزرگواروں کی نگاہیں۔ بہت بلند تھیں۔ ان کے مقاصد بہت
اعلےٰ تھے۔ ان کے خیالات اور حقیقت آمیز خیالات تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی۔ ہاں
ہم اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان مقدس بزرگوں کی سیرتیں اس عالمِ افلاس ظاہری میں جس طرح آشکار
ہو رہی ہیں۔ وسعت عیش اور خوش گذرانی کی حالت میں ہرگز ظاہر نہ ہوتیں۔ گویا حقیقت کے
خوشنما چہرے پر ایک گہری نقاب پڑ جاتی۔ اور اہلِ دنیا بہت سے فیوض سے محروم رہ جاتے
یہ ایک واقعہ ہے کہ خوشحالی اور وسعتِ عیش میں خدا کی یاد کر لینا اور اٹھتے بیٹھتے اس کا
شکریہ ادا کرنا بہت آسان ہے۔ گو اہل نظر کا قول ہے۔ کہ دولت چہرۂ شاہد حقیقت کے لئے ایک
حجاب اور زبردست حجاب ہے۔ یہ سچ ہے لیکن خوب خیال رکھئے کہ اگر عقل رہنمائی نہ کرے اور
توفیق الٰہی نہ سنبھالے تو افلاس اس سے بھی تاریک تر حجاب ہو جاتا ہے۔ واقعاً ایک شخص
فقر و فاقے کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا جب بخلوصِ قلب بارگاہِ ایزدی میں کھڑا ہو۔ نہ کوئی شکوہ
ہو نہ شکایت۔ نہ رفعِ تکالیف کی دعا۔ نہ وسعتِ رزق کی آرزو۔ وہ ہو۔ اس کا معبود ہو
وہی اس کا مقصود ہو۔ اور وہی اس کا مرجع۔ سبحان اللہ۔ ایسے نفسِ مقدس کا کیا کہنا۔ فی الحقیقت
اس موقعہ پر ثابت قدمی مردانِ خدا کا ہی کام ہے۔ اور وہ ہادیانِ خلق علمی حیثیت سے نہ صرف اپنے
کمالات کو روشن کر دیتے ہیں۔ بلکہ دنیا کے سامنے بھی ایسی نظیریں قائم کر جاتے ہیں کہ انسانی گروہ
ہمیشہ ان سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ دولتمندوں کا گروہ بہت قلیل ہوا کرتا ہے۔ اور افلاس زدہ لوگوں
کی تعداد بہت زیادہ۔ اس میں بھی خدا کی حکمتیں ہیں۔ اس کیلئے مصلحتیں ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کے
حق میں کبھی ظلم نہیں کرتا۔ اس عیب سے اسکی ذات بری اور منزہ ہے۔ اب دیکھو کہ جب کثیر تعداد
انسانوں کی اسی افلاس میں مبتلا ہے۔ ایسی حالت میں اگر خدا کے خاص بندے بھی اسی ترفع و
تنعم ولذتِ دنیوی میں بسر کرتے۔ جو اہل زر کا شعار ہے تو بیچارے مفلسوں کیلئے تو پھر کوئی تسلی
بخش سہارا نہ تھا۔ اس سے کیا ہوتا؟ یہ ہوتا کہ وہ عطیۂ دولت و زر کو خدا کی خوشنودی کا سبب
سمجھ لیتے۔ یعنی یہ خیال کر لیتے کہ جو صاحبانِ دولت ہیں۔ وہی خدا کے محبوب بندے ہیں۔ حالانکہ معاملہ

[illegible] دنیا اور [illegible] کیا ہی [illegible] نظروں میں جلوہ افگن رہتے
اوران کا خیال اس سے کبھی آگے نہ بڑہتا۔ کہ خدا کا عطیّہ ہمیشہ چاندی سونے کے سکّونکی شکل میں
ظاہر ہوُا کرتا ہے۔

بندگانِ صادقین کی جبکہ ایسی روشن مثالیں موجود ہیں۔ اوران کے افلاس ظاہری کی داستانوں سے کتابیں لبریز ہیں۔ ایک دنیا انکو پڑہتی ہے۔ اور مزے لیکر پڑہتی ہے۔ انہیں افتخاراً بیان کیا جاتا ہے۔ ان بیانوں سے مجالس و محافل کو زینت دیجاتی ہے۔ گویا افلاس کی خوبیون کا علےالاعلان اعتراف کیا جاتا ہے۔ مگر باوجود اس اعتراف کے، باوجود اس اقرار کے، باوجود اس کے کہ اس افلاس کو اپنے مذہبی پیشواؤں کے لئے افتخار سمجھتے ہیں۔ دنیا کا یہ حال ہے کہ دولت پر جُھکے پڑتے ہیں جان دیئے دیتے ہیں۔ ہر کس وناکس کی دہلیز پر بشرطیکہ اس کے پاس چند ٹول ہوں پیشانیاں گِھسے دیتے ہیں۔ ان کے آستانوں کو کعبۂ مقصود سمجھتے ہیں۔ انہیں رب الارباب کے برابر درجے دے رہے ہیں اب اگر انبیاؑ و اوصیاءؑ کی زندگیاں بھی عیش دنیوی کا نمونہ ہوتیں۔ تو پھر تو ہر ایک جلِّ زرین کے حامل کو اَنَا رَبُّکُمُ الاعلیٰ کا موقعہ تھا۔ اسحالت میں کہ انبیاء علیہم السّلام نے فلسفۂ افلاس کی وضاحت بہت اچھّی طرح سے عملی طریق پر کردی ہے۔ یہ جماعت اپنی بدکرداریوں سے باز نہ آکر عوام النّاس کے خیالات کو مسمُوم کر رہی ہے۔ تکبّر و غرور کا پیالہ بزمِ دولت کا پہلا جام ہے۔ تو پھر جبکہ حالت اس کے برخلاف ہوتی یعنی انبیاء کے طرزِ عمل سے بھی افلاس ذلیل ہی ثابت ہوتا۔ تو پھر تو ان لوگونکی فرعونیت میں کوئی شبہہ ہی باقی نہ رہتا۔ آج اگر اپنے آپکو رب سمجھتے ہیں۔ تو اسوقت رب الارباب سمجھتے عوام اگر آج خوشامد میں انکو خدا و ندا ور خداوند نعمت کہتے ہیں۔ سجدہ ہائے تعظیمی بجالاتے ہیں۔ جس کا نام آدابِ مجلس رکھا گیا ہے۔ تو اسحالت میں ان لوگونکو حقیقی سجدے کرتے۔ غرض آج اگر کفر و شرک چیونٹی کی چال سے مشابہ ہے تو اسوقت چارونطرف کفر و طغیان کے پہاڑ ہی پہاڑ نظر آتے۔ جنہیں سوائے عذاب کی آندہی کے اور کوئی شئے جنبش نہیں دیسکتی تھی۔

پس ان بزرگواروں کا افلاس فی الحقیقۃ مجبوریوں کا افلاس نہ تھا۔ بلکہ اس میں اختیار اور کامل اختیار کے پہلو تھے۔ یہ وہ افلاس ہے۔ جسے مدّنظر رکھنے سے ہمیں اپنا افلاس گراں نہیں گذرتا۔ ہم انکے افلاس کو دیکھکر دلی جرأت کے ساتھ زردار گردن کشوں کو ملامت کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں۔ ان

عملیات کو دھیل کر ہی نقص نہیں افلاس کا قصہ دلیر ہمارا نتیجہ رکھی نہیں کرسکتا۔ اگر ایسا کر لیا تو کے
دندان شکن جواب کی امید رکھنی چاہیئے۔ بشرطیکہ ہماری حسیات کے جوہر برباد نہ ہو چکے ہوں۔ اور
ہم نے ان چیزوں کا غائر نگاہ سے مطالعہ کر لیا ہو۔

ردائے فاطمہؑ

افلاس ظاہری فاطمہؑ کی داستانیں بیشمار ہیں۔ وہ چادر جو بنتِ رسولؐ کے فرقِ مطہر کو مس کرتی تھی۔ اسمیں لیفِ خرما کے پیوند اور متعدد پیوند تھے۔ حتیٰ کہ ایکروز جناب سلمانؓ نے جب یہ چادر سرِ مطہر پر دیکھی تو بے اختیار آنسو نکل آتے۔ اور یہ جملے زبان پر جاری ہوئے "افسوس قیصر و کسریٰ کے بادشاہ تو سندس و حریر پہنیں۔ اور محمدؐ رسول اللہ کی دختر کا لباس خرما کی چھال کا اور وہ بھی بارہ جگہ سے ٹنکا ہوا"۔ ان کلمات کو سنکر جناب سیدہؑ نے رسولؐ اللہ کیخدمت میں التماس کیا کہ سلمانؓ نے میرے لباس سے تعجب کیا۔ اسی خدا کی قسم جس نے آپکو نبیؐ برحق گردانا ہے کہ پانچ برس سے میرے اور علیؑ کے پاس ایک کھال کے سوا دوسرا لباس نہیں۔ دن کو اُس پر اونٹ کھانا کھاتا ہے۔ اور شب کو ہم اسی کا بستر کرتے ہیں۔ ہمارا تکیہ چمڑے کا ہے۔ جس کے اندر خرما کی چھال بھری ہوئی ہے۔

منقول ہے کہ ایکروز جناب سیدہ کو رسولؐ اللہ نے اس حال سے ملاحظہ فرمایا۔ کہ چمڑے کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔ ہاتھ میں چکی ہے اور اپنے فرزند کو دودھ بھی پلاتی جاتی ہیں۔ رسولؐ اللہ آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ اے نورِ نظر دنیا کی تلخیاں آخرت کی شیرینی کے سامنے چند روزہ ہیں۔ جناب سیدہ نے فرمایا یا رسولؐ اللہ خدا کا شکر ہے۔ اسکی نعمتوں پر اور ہزار ہزار شکر ہے اسکی داد پر۔ اس شکریہ میں عبدیت کے راز کچھ اس طرح ودلعیت کیئے گئے تھے۔ کہ اِدھر منہ سے نکلا۔ اُدھر عرشِ الٰہی سے تکرایا اور ایک ہدیہ جدید لیکر واپس ہوا۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔ تمہیں خداوند عالم کچھ ایسی چیز عطا کرے گا جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے۔ اسمیں بھی شفاعت کا راز ہے۔

حجابِ فاطمہؑ سیدہ صلوات اللہ علیہا کی ذاتِ اقدس خود خالق و مخلوق کیلیئے حجاب تھی۔

کا ظاہری نورانی جسم اُن کے کمالات کے لئے حجاب تھا۔ وہ سرا دقات جلال و جمال سے ہمیشہ متوش
تھیں۔ ان کے پدر بزرگوار نے قانونِ حجاب دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان کے حجاب کا اندازہ ہم
کیونکر کر سکتے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک اندھا سامنے آیا۔ حضرت نے اس سے پردہ کر لیا۔ رسول اللہ نے
دوسروں کی تعلیم کے لئے سیدہ سے اسکی وجہ دریافت کی اور فرمایا کہ وہ تو تمکو دیکھ نہیں سکتا۔ التماس
کیا کہ بیشک وہ مجھ کو نہیں دیکھتا۔ لیکن میں تو اسکو دیکھتی ہوں۔ اور یہ خوشبو تو سونگھتا ہے۔ حضرت
نے فرمایا۔ واللہ یہ میری پارۂ جگر ہے۔ اس ارشاد فیض بنیاد سے جو سبق آپ نے امت کی
عورتوں کو دیا ہے۔ وہ صفحاتِ قلوب پر لکھے جانے کے قابل ہے۔ "نیز بوئے نسوانی" کیطرف
اشارہ یہ بھی ایک عجیب اشارہ ہے۔ اور اس اشارے کو وہی لوگ برجستہ بیان کرتے ہیں جو
عالمِ علم لدنی ہوا کرتے ہیں۔

ایکمرتبہ اصحاب سے رسول اللہ نے دریافت فرمایا کہ عورت کیا ہے۔ اُنہوں نے عرض
کیا پس دہ۔ پھر دریافت کیا کہ عورت اپنے پروردگار سے کب نزدیک ہوتی ہے۔ اس کے جواب
میں سب خاموش رہ گئے۔ جناب سیدہ نے جب سُنا تو فرمایا کہ جبتک اپنے گھر کے اندرونی دالان میں
بیٹھی رہے یعنی اسی وقت تک خدا سے قریب ہے۔ جبتک پردہ میں رہے۔

ایکروز رسول اللہ نے جناب سیدہ سے فرمایا۔ کہ عورت کے واسطے کونسی بات اچھی ہے
سیدہ عالم نے التماس کیا۔ نہ کوئی اسے دیکھے اور نہ وہ کسی کو دیکھے۔ یہ سُنکر رسول اللہ نے گلے
سے لگا لیا۔

وہ عورتیں جو جناب سیدہ کے دامن میں پناہ لینا چاہتی ہیں۔ ان ارشادات سے سبق
حاصل کریں۔ اور وہ مسلمان (خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں) جنہیں بجلی کی روشنی نے
چندھیا دیا ہے۔ کچھ تو غیرت سے کام لیں۔ آج اسلام میں بے حجابی کا زہر سرایت کرتا جارہا ہے
اور اسی کو عین تہذیب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بلکہ بہت سے دماغ تو اس قسم کے بھی پیدا ہو گئے ہیں
کہ وہ قومی ترقی کو بے پردگی پر ہی منحصر سمجھتے ہیں۔

جناب سیدہ بہت کم گھر سے نکلتی تھیں۔ خانہ نشینی میں بسر ہوتی تھی۔ سنیچر اور پنجشنبہ کے

دن آپکا معمول تھا کہ صبح کیوقت شہدائے احد کی قبروں پر جاتی تھیں۔ اور حضرت حمزہ کی قبر پہ جا کر ان کے لئے استغفار کیا کرتی تھیں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسُول اللہ نے فیصلہ یہ کیا تھا کہ گھر کے اندرونی کاروبار فاطمہؑ کریں۔ اور باہر کے کاروبار جناب علی مرتضےٰؑ انجام دیں۔ حضرت فاطمہؑ کو اس فیصلے سے کمال خوشی ہوئی کہ آپکو پانی اور ایندھن لانے کے لئے مردوں میں جانا پڑتا تھا۔

اسی طرح کی روایت سابق میں درج ہو چکی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ خود مشک بھر کر لایا کرتی تھیں۔ جس سے حضرت کے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے۔

مگر اس قسم کی روایات کو قبول کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جناب علی مرتضیٰؑ جو خود حجاب اکبر تھے۔ انکی شان کے قطعاً خلاف تھا۔ کہ وہ اپنے ناموس کو اس طرح مجمع عام میں خانگی کاروبار کے لئے بھیجتے۔ اور نہ رسُول کی ہی شان اسکو گوارا کرتی تھی۔ ظاہرا یہ روایتیں کتب اغیار سے نقل ہوئی ہیں۔ جو محل اعتماد نہیں ہو سکتیں۔

انوار لباس فاطمہؑ

ان بزرگوارونکی حالت ظاہری کو دیکھکر دل نہ کڑھاؤ۔ نور ایمان کی روشنی میں یہ دیکھو کہ ان کے لباس۔ اور ان کے پارچہ جات جنہیں ان بزرگواروں نے مس کر دیا تھا۔ ان میں کتنی نورانیت آگئی تھی کہنہ ردا اگر زینت عرش تھی تو بوسیدہ پیراہن حُلّۂ عظمت و رفعت۔ کہ دنیا کا کوئی لباس جس کے برابر نہیں رکھا جا سکتا۔

صاحب مناقب قمطراز ہیں کہ ایکمرتبہ جناب سیّدہ نے زید یہودی کی زوجہ کے پاس کچھ پارچہ رہن رکھ کر جو قرض لئے۔ جب وہ یہودی اپنے گھر آیا۔ تو در و دیوار کو منوّر دیکھا۔ اپنی زوجہ سے پوچھا کہ آج ہمارے گھر میں یہ نورانیت کیسی ہے۔ زوجہ نے جوابدیا کہ یہ انوار لباس فاطمہؑ کی برکت سے ہیں۔ یہودی نے جب یہ واقعہ سُنا۔ اور اس کا اثر اپنی آنکھوں سے دیکھا تو معہ زوجہ کے مشرف باسلام ہُوا۔ اور اس کے ساتھ اسّی یہودی ایمان لائے۔

حلہ ہائے بہشت

یہ مقدس بزرگوار بظاہر مفلس تھے۔ لیکن فی الحقیقۃ کون و مکان پر انکی حکومت تھی۔ اور دونوں جہان ان کے زیر تصرف تھے۔ جنت کی نعمات ان کے لئے یہیں موجود تھیں۔ جب مصلحت ہوتی تھی اسوقت اس کا اظہار بھی ہوتا تھا۔

ایکمرتبہ یہودیوں کے ہاں شادی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ سے آکر عرض کی کہ آپ پر ہمارا حق ہمسائگی ہے۔ ہم امیدوار ہیں کہ ہمارے ہاں محفل شادی میں اپنی لخت جگر فاطمہؑ کو روانہ فرمایئے رسول اللہ نے فرمایا کہ اس کا اختیار ان کے شوہر علیؑ کو ہے۔ وہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس خواستگار ہوئے۔ اور مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت متمول ہے۔ طرح طرح کے لباس وزیورات سے ہماری عورتیں مزین ہونگی۔ فاطمہؑ اگر آئینگی تو انہیں پھٹے حالوں سے۔ اور یہاں آنے سے انکو شرمندہ ہونا پڑیگا جناب امیرؑ نے یہودیوں کی درخواست قبول کی۔ ادھر خادم قدیم۔ جبرئیل زیورات وحلہ ہائے بہشت لیکر تشریف لائے۔ جنہیں جناب فاطمہؑ نے زیب بدن فرمایا۔ اور محفل زنانِ یہود میں تشریف فرما ہوئیں زنانِ یہود نے جب وہ زیور و لباس دیکھا تو بیتاب ہوکر دوڑیں۔ زمینِ ادب کو بوسہ دیا۔ اور ان میں سے ایک جماعت مشرف باسلام ہوئی۔

اس قسم کا واقعہ ملا حسین کاشفی نے بھی تحریر کیا ہے۔ زنانِ قریش نے مکہ میں آپکو شادی میں طلب کیا تھا۔ اور وہاں بھی ان عورتوں کو سوائے حسرت و افسوس کچھ ہاتھ نہ آیا تھا۔

عطائے فاطمہؑ

اِن بزرگواروں کی عطا اور داد و دہش کے افسانے آجتک مشہور ہیں اور جبتک دنیا رہے گی اس شہرت میں کمی نہ آئیگی۔

دنیا میں بہت سے فسانے جود و سخا کے سُنے گئے۔ بڑے بڑے نامور سخاوت کے شیدائی گذر چکے لیکن اہلبیتؑ کی سخاوت میں کچھ عجیب راز تھا۔ کہ جس نے تمام اسخیا کی شہرتوں کو پیچھے ہٹا کر

[illegible]

دنیا سے ناکام سدھار گئے۔ اور عطائے اہلبیتؑ کے افسانے سخاوت کے آسمان پر اسی طرح مہر و ماہ بن کر چمک رہے ہیں۔ خدا جانے ان جَو کی روٹیوں میں کیا تاثیر تھی۔ کہ سورۂ ہل اتیٰ ان کے لئے مخصوص ہوگیا۔

ایکروز رسول اللہؐ نمازِ عصر پڑھکر مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کہ ایک محتاج ضعیف و فاقہ کش عرب حاضر خدمت ہوا۔ اور فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ آپ نے بلال کو اشارہ کیا کہ اسے دروازۂ فاطمہؑ پر لے جاؤ۔ بلال نے حکم کی تعمیل کی۔ اس مرد عرب نے دروازے پہ جاکر پکارا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْبَیْتِ النُّبُوَّۃ۔ میں ایک بڈھا عرب ہوں۔ فقر و فاقہ نے گھر سے نکالا ہے۔ نہ کھانے کا سامان ہے نہ پہننے کا۔ مجھپر احسان فرمایئے۔ خدا آپ پر رحم کرے۔

یہ وہ دن تھا کہ اہلبیتؑ پر تین دن کا فاقہ گذر چکا تھا۔ جناب سیدہؑ بھی خالی ہاتھ تھیں آپ نے چمڑے کا وہ ٹکڑا جسے بچھاکر حسنینؑ سوتے تھے۔ اعرابی کو بھجوادیا۔ اعرابی نے عرض کیا اے بنتِ رسول اللہؐ میں تو اسوقت بھوکا ہوں۔ پوست گوسفند سے دوزخ کی آنچ کیونکر بجھالوں آپ کے گلے میں ایک گردن بند تھا۔ جو دختر حمزہؓ نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ آپ نے وہ گلے سے نکالکر اعرابی کو دیدیا کہ جا اسے فروخت کرکے اپنی حاجت روائی کر۔ اس کی عوض میں اس سے بہتر چیز خدا تجھے کرامت فرمائیگا۔ اعرابی وہ گلوبند لئے ہوئے خدمت پیغمبرؐ میں آیا۔ اور عرض کیا کہ بارگاہِ فاطمیہؑ سے یہ عطیہ ملا ہے۔ اور اسے بیچنے کا حکم دیا ہے۔ یہ دیکھکر رسول اللہؐ کی آنکھوں سے موتیوں کی لڑیاں نِکلیں۔ اُدھر عمار یاسرؓ اُٹھے اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہؐ مجھے اسکی خریداری کا اذن ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر دونوں جہان اسکی خریداری میں شریک ہوجائیں۔ تو خداوند عالم انکو عذاب آتش سے محفوظ رکھے گا۔ عمارؓ نے اعرابی سے اسکی قیمت پوچھی۔ اس نے کہا کہ گوشت روٹی اس مقدار میں کہ جس سے پیٹ بھر جائے۔ ایک بردیمانی تن ڈھانکنے کے لئے اور ایک دینار زادِ راہ کیواسطے عمارؓ کو غنیمت خیبر سے کچھ حصہ ملا تھا۔ اور وہ ابھی باقی تھا۔ اعرابی سے کہنے لگے کہ میں بیس دینار دو سو درہم اور ایک بردیمانی تجھے دوں گا۔ کھانا کھلاؤں گا۔ اور اپنے اونٹ پر تجھے وطن پہنچادوں گا۔ اعرابی عمارؓ کی سخاوت پر متعجب ہوگیا۔ غرض عمارؓ نے

... ایک غلام کے ہاتھوں جسے مالِ غنیمت خیبر سے خرید
کیا تھا۔ خدمتِ رسولؐ میں روانہ کیا۔ اور کہا کہ میں تجھ کو بھی اور اس گردن بند کو بھی حضرت کی نذر
کرتا ہوں۔ رسولؐ اللہ کی خدمت میں جب غلام پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہؑ کے پاس جاؤ۔ اُ
تو انہیں کا مملوک بھی ہے۔ وہ غلام جس کا نام سہم تھا۔ خدمتِ سیدہؑ میں حاضر ہوا۔ سیدۂ
عالم نے وہ گلوبند اس سے لے لیا۔ اور فرمایا۔ کہ تو راہِ خدا میں آزاد ہے۔ غلام یہ سُنکر ہنسنے لگا
سیدۂ دوجہان نے سبب خندہ پوچھا۔ تو عرض کیا کہ مجھے اس گلوبند کی برکت پر ہنسی آئی کہ اس
نے بھوکے کو سیر کیا۔ ننگے کو کپڑا پہنایا۔ فقیر کو غنی کیا۔ بندہ کو آزاد کر دیا۔

طعامِ جنت

اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ان بزرگواروں کے لئے مائدہ جنت آیا ہے۔ اسمیں ذرا بھی
اہلِ ایمان کو تعجب نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جو کامل الایمان ہیں۔ وہ تو ان چیزوں کو اٰلِ بیت محمدؐ کے
لئے بہت معمولی چیزیں سمجھتے ہیں۔

ایکروز خانۂ اہلبیتؑ میں کچھ سامانِ خور و نوش نہ تھا۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے ایک دینار
قرض لیا اور بازار کو روانہ ہوئے۔ راہ میں مقداد کو دیکھا۔ گرمی کا موسم۔ دھوپ کا وقت۔ دریافت
فرمایا کہ اسوقت کیوں نکلے ہو۔ وہ شرما کر ٹال نے لگے۔ آپ نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ تمہیں
یہ لازم نہیں۔ کہ ہم سے اپنا حال چھپاؤ۔ اسوقت مقداد نے کہا۔ کہ ناداری نے گھر سے نکالا ہے
اور اپنے عیال کو بھوک کے سبب سے تڑپتے ہوئے چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سنکر علےؑ مرتضیٰ کی مبارک
آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ اور فرمایا کہ بھائی اسوقت میرے گھر سے باہر نکلنے کا بھی سبب
یہی ہے۔ میں نے ایک دینار قرض لیا ہے۔ مگر میں تمہاری حاجت روائی کو مقدم سمجھتا ہوں
دینار تو مقداد کے حوالے کر دیا۔ اور خود مسجد میں تشریف لے آئے۔ ظہر سے لیکر مغرب تک مسجد
میں ہی رہے۔ جب رسولؐ اللہ نمازِ مغرب سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت علیؑ مرتضیٰ سے فرمایا کہ آج
ہم کھانا تمہارے ساتھ کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا بسر و چشم۔ غرض دونوں بزرگوار داخلِ خانہ
کے

پس پشت رکھا ہوا ہے۔ جسمیں سے بھاپ اٹھ رہی ہے۔ جناب سیدہ نے جب پدر بزرگوار کو دیکھا۔ اٹھکر سلام کیا۔ اور پھر وہ خوان سامنے لاکر رکھدیا۔ جناب رسول اللہ نے حضرت امیرؑ کیطرف دیکھکر فرمایا۔ یہ تمہارے اس دینار کا عوض ہے۔ جو تم نے مقداد کو عطا کیا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ پھر ارشاد کیا کہ زکریا جب مریمؑ کے پاس محراب عبادت میں جاتے تھے۔ تو ان کے پاس غیب سے آئی ہوئی روزی ملتی تھی۔

غیرتِ فاطمہؑ

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیرت جسکو ایمانی غیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ جناب فاطمہؑ سے زیادہ کہیں نہیں مل سکتی۔ جس کے ایمان کا اعلان رسول اللہ نے باین الفاظ فرمایا ہو کہ اِنَّ ابنتی فاطمۃ ملاء اللہ قلبھا وجوارحھا ایمانًا ویقینًا۔ میری بیٹی فاطمہؑ کے قلب اور اعضا کو خدا نے ایمان و یقین سے بھر دیا ہے۔ تو اسکی غیرتِ ایمانی کا اندازہ ہم کیا کر سکتے ہیں لیکن اس غیرت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بعض قصے جو آپکی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ اور جن سے آپکا غیور ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ آنکھ بند کر کے قبول کر لئے جائیں۔

مثلاً ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جعفر طیارؓ نے ایک لونڈی امیرؑ المومنین کو ہدیہ دی تھی۔ ایکروز سیدہ نے دیکھا کہ امیرؑ المومنین کا سر اس کے آغوش میں ہے۔ جس پر سیدہؑ نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس کنیز کیطرف رغبت فرمائی ہے۔ امیرؑ المومنین نے اس سے برأت چاہی لیکن جناب فاطمہؑ اجازت لیکر رسول اللہ کی خدمت میں پہنچیں۔ ادھر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ فاطمہؑ کی شکایت علیؑ کے باب میں قابل قبول نہیں ہے۔ غرض رسول اللہ نے سیدہ سے فرمایا کہ پلٹ جاؤ۔ اور علیؑ سے جاکر کہو۔ میں تمہاری مرضی کے تابع ہوں۔ آپ اسی وقت پلٹ آئیں۔ امیرؑ المومنین نے فرمایا۔ کہ تم نے میرے حبیب سے میرا شکوہ کیا۔ اب میں نے یہ کنیز راہِ خدا میں آزاد کی۔ اور وہ چار سو درہم جو بچے ہوئے ہیں۔ وہ میں نے فقرائے مدینہ پر خیرات کئے۔ ادھر رسولؐ اللہ کو وحی ہوئی۔ کہ علیؑ سے کہدو تم نے فاطمہؑ کی خوشنودی کے لئے کنیز آزاد کر دی۔ ہم نے تجھے جنت و دوزخ کا مختار کر دیا۔

یہ قصہ شانِ عصمت و طہارت کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ اور قطعی بے اصل معلوم ہوتا ہے۔ بعض شیعہ مؤلفین نے بھی اسے حضرت سیدہ کے حالات میں درج کر دیا ہے۔ لیکن یہ اندراج عدم تدبّر کا نتیجہ ہے۔ اس قصہ سے ہرگز جناب فاطمہؑ کی غیرتِ ایمانی پر روشنی نہیں پڑتی۔ بلکہ حمیّتِ جاہلیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ علیؑ و فاطمہؑ دونوں اس سے بری ہیں۔

فاطمۂ زہرا کا خواب

اسی طرح اور کئی قصے حضرت کیطرف کتب شیعہ میں پائے جاتے ہیں۔ جن کا ماخذ یقیناً کتب اغیار ہوں گی۔ چنانچہ ایک قصہ حضرت کے خواب کا بیان کیا جاتا ہے۔

ایکمرتبہ جناب سیدہؑ نے شب کو خواب دیکھا۔ کہ جناب رسولخداؐ ان سب بزرگواروں کو لیکر مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اور ایک مقام پر بیرون مدینہ ایک بھیڑ خرید کر اسے ذبح کیا اور اس کے کباب لگائے۔ سب نے اسے نوش کیا۔ اور نوش کرتے ہی سب مر گئے۔ آپ یہ خواب دیکھکر پریشان ہوئیں لیکن رسول اللہ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ غرض صبح کو یہی واقعہ درپیش ہوا۔ جناب رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کو ہمراہ لیا۔ بیرونِ مدینہ ایک شاداب مقام میں پہنچ کر ایک بھیڑ ذبح کی۔ اس کے کباب لگائے۔ جب کھانے کا ارادہ کیا۔ تو جناب سیدہ رونے لگیں اور رسول اللہ کے استفسار پر آپ نے اپنے خواب کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ مجھے خوف ہے۔ سب ہلاک نہ ہو جائیں۔ یہ سُنکر رسول اللہ اٹھے۔ اور دو رکعت نماز ادا کر کے مناجات کی۔ فوراً جبرئیل نازل ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک شیطان ہے جس کا ڈھا نام ہے۔ ایسے خواب پریشان مومنین کو وہی دکھلایا کرتا ہے۔ اور حضرت زہرا کی پریشانی کا سبب بھی وہی ہے۔ اگر سوتے وقت آدمی معوذتین اور سورۂ قل ہو اللہ احد پڑھ لیا کرے۔ تو اس کے شر سے محفوظ رہیگا۔ اس کے بعد جبرئیل نے اس شیطان کو حاضر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ فاطمہؑ کی پریشانی کا سبب تو ہی تھا۔ اس نے اقرار کیا۔ رسول اللہ نے تین مرتبہ اس پر تھوک دیا۔ جس سے تین زخم اس کے چہرے پر نمودار ہوئے۔

یہ بے سر و پا قصہ معاشرت اہلبیت کے خلاف ہے۔ یہ شعار سیلانی طبیعتوں کے ہوتے ہیں

صاحب تفسیر قمی نے اس قصے کو سبب نزول آیہ انما النجویٰ من الشیطان
قرار دیا ہے۔ صاحب انوار نعمانیہ اسے نقل کر کے بغرض صحت اسکی تاویل کرتے ہیں لیکن تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب اسکی اصل ہی کچھ نہیں۔ علاوہ ازین کہ یہ قصہ معاشرت اہلبیت کے خلاف ہے۔ نصوص قرآنیہ کے بھی قطعاً مخالف ہے۔ نص قرآنی ہے کہ تخویف شیطانی اس کے اولیا تک ہی محدود ہے۔ خود شیطان اقرار کر رہا ہے۔ لاغوینّہم اجمعین الّا عبادک منہم المخلصین میں ضرور بالضرور سب کو اغوا کروں گا۔ مگر تیرے بندوں میں سے جو مخلصین ہیں وہاں تک میری رسائی نہیں۔ پس شیطان کی مجال نہیں کہ صاحبانِ عصمتِ مطلقہ وطہارتِ کاملہ کے قریب جاسکے۔ اسکی جولانیاں اس کے دوستوں ہی تک محدود ہیں۔ پس صرف یہ دیکھکر کہ یہ قصہ کسی شیعہ تفسیر میں لکھا ہوا ہے اسے قبول کرلینا عدم تدبّر وتعمق نظر کی دلیل ہے۔

صاحبِ دارالسلام اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ ولم اجدہ مسنداً فیما عندی من الکتب المعتبرۃ وکیف کان ففی ھذہ الاخبار اشکال عظیم فان الشیطان کیف یتمکن علی تلک النفوس المقدسۃ ویتسلّط علیھا وانما سلطانہ علی الذین یتولونہ ومناماتھم فی مرتبۃ الوحی وتتحد معہ تارۃً وفی بعضھم مطلقا۔ یعنی میرے پاس جو کتب معتبرہ موجود ہیں۔ میں نے ان میں اس روایت کو نہیں پایا۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے۔ درآنحالیکہ ان اخبار میں اشکال عظیم ہے۔ اس لیے کہ شیطان ان نفوس مقدسہ پر کیونکر متمکن ہو سکتا ہے۔ اور کیونکر ان پر قبضہ کرسکتا ہے۔ اس کا تسلّط تو اس کے دوستوں پر ہی ہوتا ہے۔ اور ان بزرگوں کے خواب تو وحی کے مرتبے میں ہیں۔ اکثر بالکلیہ وحی سے متحد ہوتے ہیں۔ اور بعض کے وحی ہونے میں تو مطلق شبہہ نہیں ہے۔ پھر اس فاضل یعنی حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی نے علامہ مجلسی کی تاویلات کا ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے اس روایت کے متعلق فرمائی ہیں۔ خیر

علمِ فاطمہؑ

جتنے اوصاف حمیدہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ فی الحقیقۃ فرع ہیں علم کی اور علم ان سب کی

صبر ہو یا شکر۔ تسلیم ہو یا رضا۔ زہد ہو یا عبادت۔ سب کی اصل علم ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فروعات کی معرفت بھی اصل کے عرفان تک لیجاتی ہے۔ اور جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے اخلاق حسنہ سے جو مقام عمل میں آئے۔ ان کے علم پر استدلال ہو سکتا ہے۔ لیکن ضرورت ہے کہ خود نفس علم کے متعلق بھی کچھ نصوص کا ذکر کریں۔

اہل علم کو معلوم ہے کہ آیہ تطہیر جن بزرگوں کی شان میں ہے۔ ان میں سے جناب فاطمہ زہرا بھی ہیں۔ اس آیت کے متعلق مسلمانوں میں ایک عجیب قصہ ہے۔ کچھ لوگ اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ ازواج رسولؐ کے حق میں ہے! اور ایک جماعت کثیر اس طرف ہے کہ اس کا تعلق ازواج سے نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر بہت کچھ کتب لکھی جا چکی ہیں۔ اور فریقین نے بہت کچھ دماغ سوزی سے کام لیا ہے۔

لیکن خوب یاد رکھو کہ اصول تحقیق کو ان مناقشات سے تعلق نہیں ہوا کرتا۔ وہ بہت سیدھا اور صاف ہوا کرتا ہے۔ پہلے مفہوم آیت پر غور کرو۔ مفہوم آیت یہ چاہتا ہے۔ کہ جن افراد پر آیت صادق آسکتی ہے وہ قطعاً رجس سے دور ہونے چاہئیں۔ پھر رجس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اب جس قسم کا بھی رجس ہوگا۔ وہ کلیتہً ان افراد سے دور رہیگا۔ تمام اقسام رجس کی تشریح ضروری نہیں اس کے بھی اصول کو دیکھ لو۔ جس پر نظر کرنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ رجس یا خلقی ہے یا خُلقی۔ باقی جسقدر اقسام رجس ہیں۔ وہ سب انہیں سے نکلیں گے۔ پس جو بزرگوار کہ اس آیت کے ماتحت لئے جائیں گے۔ انکو خَلقاً و خُلقاً مطہر ماننا پڑے گا۔ ہاں ایسے بزرگواروں کا وجود یقیناً تسلیم کرنا بھی پڑے گا کیونکہ مفہوم آیت ان کے وجود کا مقتضی ہے۔ اگر ایسا وجود پایا ہی نہ جائے تو آیت مہمل قرار پائیگی جسے کوئی مسلمان قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میرے خیال میں مسلمانوں میں ایسا تو کوئی نہ ہوگا جس نے جناب فاطمہؑ کو اس آیت کے مفہوم سے خارج کیا ہو۔ اور اگر کسی نے کوشش بھی کی ہے۔ تو اسکی کوشش کبھی عند المسلمین مقبول نہیں ہوئی۔ گویا جناب فاطمہؑ تو باتفاق مسلمین اس آیت کے ضمن میں داخل ہیں۔ اور یہ مضمون اب کسقدر وسیع ہو گیا ہے۔ کہ اہلبیتؑ کا نام لیتے ہی پنجتن کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔ اور پنجتن میں جناب فاطمہؑ

نہیں۔ اس کے تصفیہ کا آسان طریقہ یہ ہے۔ کہ اگر ازواج میں یہ صفتِ طہارت موجود ہے یعنی وہ خلقاً و خُلقاً اور ظاہراً و باطناً پاکیزہ و مطہّر ہیں۔ تو ضرور اس آیت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ و اِلّا فلا۔

بہر طور یہ مسلّمہ امر ہے کہ جناب فاطمہؑ کے لئے تطہیر کامل تسلیم کرنی ہی پڑیگی۔ اس امر کو مدِ نظر رکھکر اب اہلِ نظر کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ کہ جہل کیا چیز ہے۔ آیا از قسم رجس ہے یا از قسم طہارت نہیں نہیں جہل صرف رجس نہیں بلکہ سرچشمۂ ارجاس و نجاسات ہے۔ پس جہل کی نفی یقیناً کرنی پڑیگی اور جب جہل کی نفی ہوگئی تو لامحالہ علم کا اثبات لازم آئیگا۔

بعض منطقیوں کا خیال ہے۔ کہ علم و جہل ایکدوسرے کی ضد ہیں نقیض نہیں ہیں اور ضدّین کی شان یہ ہے۔ کہ ایک کی نفی سے دوسرے کا اثبات نہیں ہوتا۔ جیسے کہ سیاہ و سفید ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر ہم کسی چیز کی نسبت کہیں۔ کہ وہ سیاہ نہیں ہے۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ سفید ہے۔ بلکہ ممکن ہے زرد ہو۔ ممکن ہے سُرخ ہو۔ اسی طرح جیسے ہمنے یہ کہا کہ فلاں شخص جاہل نہیں ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا۔ کہ وہ عالم ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ نہ عالم ہو نہ جاہل بلکہ کوئی تیسری شکل رکھتا ہو۔ جیسے کہ خود حضرت منطقی۔

یہ خیالاتِ واہی صرف عدم تدبر سے پیدا ہوتے ہیں۔ عقلمندوں نے ان مزخرفات کو کبھی قبول نہیں کیا۔ اور نہ یہ خیال صلاحیتِ قبولیت رکھتے ہیں۔ ضد اور نقیض کا فرق بیان کرتے ہوئے علم وجہل کو ضدّین قرار دینا خود ایک تحکم محض اور بلا دلیل دعوےٰ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ایکدوسرے کی نقیض ہیں۔ جن کا اجتماع بھی محال ہے۔ اور ارتفاع بھی۔ اگر کوئی معترض نکلے گا تو اطمینان کر دیا جائیگا۔

المختصر جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا سے جب ہمنے حسب مفہوم آیۂ تطہیر جہل کی نفی کر دی تو ہمیں سے آپکا علم ثابت ہو گیا۔ اور یہ معلوم ہو گیا۔ کہ جسقدر تاکید جہل کی نفی میں ہوگی۔ اسی قدر تاکید اثبات علم کے لئے ہو جائیگی۔ لیکن ہم اسی بحث پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ احادیث معصوم سے تمسک کرتے ہیں۔ جن سے آپ کے علم کا پایہ معلوم ہوگا۔ اور یہ بھی واضح ہو جائیگا۔ کہ علوم انبیائے سابقین سے انکا علم بدرجہا زیادہ ہے۔

بحارالانوار جلد سابع - عن الصادق عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام قال

قال رسول اللہ انا میزان العلم و علیؑ کفتاہ و الحسنؑ والحسینؑ حبالہٗ وفاطمہؑ

علاقتہٗ والائمۃ من بعدھم یزنون المحبین والمبغضین الناصبین الخ

حضرت صادق علیہ السلام اپنے آبائے طاہرین سے روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ میں علم کی میزان ہوں۔ اور علیؑ اس کے دونوں پلڑے ہیں۔ حسنینؑ اسکی رسیاں ہیں اور فاطمہؑ اسکی ڈنڈی۔ اور ان کے بعد جو آئمہ ہوں گے۔ وہ دوستوں اور دشمنوں کو تولیں گے۔

اس حدیث مقدس میں لطائف تو بکثرت ہیں لیکن ہمیں صرف اتنا دکھانا ہے کہ جناب فاطمہؑ زہرا کو اس میزان علمی سے کتنا زبردست علاقہ ہے۔ گویا خود اس کا علاقہ (ڈنڈی) قرار پائی ہیں۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما ولدت فاطمہ علیہا السلام اوحی اللہ الی ملکٍ فانطق بہ لسان محمد صلے اللہ علیہ و آلہ فسماھا فاطمۃ ثم قال انی فطمتک بالعلم و فطمتک من الطمث ثم قال ابوجعفر علیہ السلام واللہ لقد فطمھا اللہ بالعلم و عن الطمث فی المیثاقِ (کافی مولد فاطمہؑ و علل الشرایع)

حضرت ابوجعفر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب فاطمہؑ پیدا ہوئیں تو خدا نے ایک فرشتہ پر وحی کی۔ اور اس نے رسول اللہ کی زبان پر جاری کیا۔ آپ نے ان کا نام فاطمہؑ رکھا۔ پھر ارشاد باری ہوا۔ میں نے تجھے علم سے مخصوص اور نجاست نسوانی سے دور کیا ہے جفرت باقر فرماتے ہیں۔ کہ قسم خدا کی بروز میثاق ہی علم آپکی گھٹی میں پڑ چکا تھا۔ اور آپ تمام نجاساتِ نسوانیہ سے مبرّا و منزّہ تھیں۔

یہ حدیث بھی آپکی منزلت علمیہ پر بہت صراحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے۔

مصحف فاطمہؑ

آپ ... کی ... مصحف ... ہے جو مصحف فاطمہؑ کہلاتا ہے۔ اور کتب شیعہ میں

اس کا ذکر بکثرت موجود ہے۔

عن حماد بن عثمان قال سمعت اباعبداللہ علیہ السلام یقول تظہر الزنادقة فی سنة ثمانیة وعشرین ومائة لانی نظرت فی مصحف فاطمة قال فقلت وما مصحف فاطمة فقال ان اللہ تبارک وتعالٰی لما قبض نبیہ دخل علی فاطمة من وفاتہ من الحزن مالا یعلمہ الا اللہ فارسل الیہا ملکا یسلی عنہا غمہا و یحدثہا فکشت ذلک الی امیر المومنین علیہ السلام فقال لہا اذا احسست بذلک وسمعت الصوت فقولی لی فاعلمتہ فجعل یکتب کلما سمع حتی اثبت من ذلک مصحفا قال ثم قال اما انہ لیس شیٔ فی الحلال والحرام ولاکن فیہ علم ما یکون (اصول کافی کتاب الحجة)

حماد ابن عثمان سے منقول ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سنا آپ فرماتے تھے۔ کہ سنہ ۱۲۸ھ میں زندیق ظاہر ہوں گے۔ اس لئے کہ میں نے مصحف فاطمہؑ میں دیکھا ہے، راوی نے پوچھا کہ مصحف فاطمہؑ کیا ہے۔ فرمایا جب رسول اللہ نے انتقال فرمایا تو سیدہ طاہرہ کو بے انتہا ملال ہوا جسکو خدا ہی جان سکتا ہے۔ پس خدا نے ایک فرشتہ انکی تسلی کے لئے بھیجا وہ آپ سے باتیں کرتا تھا۔ آپ نے امیرؑ المومنین کو اسکی خبر دی۔ امیرؑ المومنین نے فرمایا کہ جب تم اسے محسوس کرو اور اسکی آواز سنو۔ تو مجھ سے کہنا۔ چنانچہ سیدہ عالم نے انہیں خبر کی پس امیر المومنین نے جو کچھ سنا اسے قلمبند کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک کتاب بن گئی۔ پھر حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ اس مصحف میں حلال وحرام کے احکام نہیں ہیں۔ بلکہ اس میں علم ما یکون ہے۔ یعنی جو کچھ ہونیوالا ہے، اسکی خبر ہے۔

اس مصحف سے آپکا عالمۂ علم ما یکون ہونا ثابت ہے۔ اور سابقہ حدیثوں سے عالمۂ علم ماکان۔ پس آپ علم ماکان و ما یکون کی برداشت کرنیوالی ہیں۔ یعنی جو کچھ گذر چکا اور جو کچھ گذرے گا آپکا علم اس پر محیط ہے۔

وحی فاطمہؑ

اسی حدیث مصحفِ فاطمہؑ سے آپکا صاحب وحی ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں مصحف فاطمہؑ کا ذکر جناب صادق نے ابوبصیر سے اس طرح فرمایا۔

وانّ عندنا المصحفُ فاطمۃ وما یدریہم ما مصحف فاطمۃ قال مصحفٌ فیہ مثل قرانکم ھذا ثلثُ مراتٍ واللہ ما فیہ من قرآنکم حرفٌ واحدٌ انما ھو شیٔ املاھا اللہ واوحی الیہا الحدیث (اصول کافی)

حضرتؑ نے فرمایا کہ ہمارے پاس بیشک مصحف فاطمہؑ ہے اور یہ لوگ کیا سمجھیں کہ مصحفِ فاطمہؑ کیا چیز ہے مصحف فاطمہؑ تمہارے قرآن سے تین گنا ہے۔ اور قسم خدا کی تمہارے قرآن میں سے اسمیں ایک حرف بھی نہیں۔ بیشک وہ ایک چیز ہے کہ جسے خدا نے فاطمہؑ پر ظاہر کیا ہے اور فاطمہؑ کیطرف وحی کی ہے۔

اس مصحف فاطمہؑ پر آئمہؑ نے فخر ظاہر کیا ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث سے معلوم ہوا اور اسی مصحف کی نسبت جناب امیر المومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ ولقد اعطیت زوجتی مصحفا فیہ من العلم ما لم یسبقھا الیہ احدٌ خاصتہً من اللہ ورسولہ (بصائر) میری زوجہ کو خصوصیت کے ساتھ خدا و رسولؐ کیطرف سے ایک مصحف عطا کیا گیا ہے جسمیں وہ علم ہے کہ کسی شخص نے اس علم میں میری زوجہ پر سبقت نہیں کی۔

ان لفظوں کے بھی جو معنی ہیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

علم جناب سیّدہؑ کے بارے میں اسقدر احادیث ہیں۔ کہ ان کا ایک جگہ جمع کرنا بجائے خود ایک ضخیم کتاب چاہتا ہے۔ ہم انہیں حدیثوں پر بس کرتے ہیں۔ ہاں اہل ایمان کی روشنی قلب کیلئے صرف ایک حدیث کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔ اصل حدیث جو صاحب چاہیں جلد عاشر بحار الانوار یا دیگر کتب مثل نزہتہ الابرار وغیرہ میں ملاحظہ کرلیں۔

حارثہ بن قدامہ سے روایت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھ سے سلمانؓ نے بیان کیا اور سلمانؓ نے

امیر المومنین کے ساتھ تھا۔ آپ جناب سیدہ کے پاس تشریف لائے۔ سیدہ نے آپکو دیکھتے ہی فرمایا
کہ قریب آئیے میں آپکو امور گذشتہ و آئیندہ کی اطلاع دوں۔ یہ سنتے ہی امیر المومنین واپس ہوئے
اور رسول اللہ کے پاس تشریف لائے۔ رسول اللہ نے فرمایا یا علیؑ قریب آؤ۔ جب آپ اطمینان سے
قریب بیٹھ گئے۔ تو رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ تم بیان کرتے ہو یا میں بیان کروں۔ آپ نے فرمایا یا
رسول اللہ آپکا ہی ارشاد احسن ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ تم فاطمہؑ کے پاس گئے تھے۔ اور اس نے تم
سے ایسا ایسا بیان کیا۔ تم اسے سنکر واپس ہوگئے۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ ہاں فاطمہؑ کا نور ہمارے نور سے
ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے؟ علیؑ مرتضےٰ نے سجدۂ شکر کیا (یعنی جانتا ہوں) پھر
امیر المومنین وہاں سے چلے۔ عمار کہتے ہیں۔ میں بھی ساتھ ساتھ ہوا۔ آپ سیدہ کے پاس تشریف لائے
میں بھی حاضر خدمت تھا۔ جناب سیدہ نے فرمایا کہ آپ میرے پدر بزرگوار کے پاس تشریف لے گئے
تھے! اور میرا قول آپ نے وہاں نقل کیا۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہوا۔ اسوقت سیدہ گویا ہوئیں اے ابوالحسنؑ
خداوند عالم نے میرا نور خلق کیا! اور اشجار جنت میں سے ایک شجر کو وہ نور ودیعت فرمایا۔ وہ شجر اس
ودیعت سے چمک اٹھا۔ پس جب میرے پدر بزرگوار (شب معراج) داخل جنت ہوئے۔ تو خداوند عالم
نے ان پر وحی فرمائی کہ اس شجر کا پھل لے لو۔ اور اس کا ذائقہ چکھو۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پس خداوند عالم
نے مجھے پدر بزرگوار کی پشت میں ودیعت رکھا! اور آپ نے یہ ودیعت خدیجہؓ کے سپرد کی۔ ان سے
میں پیدا ہوئی۔ اور میں وہی نور ہوں۔ جو کچھ گذرا ہے۔ جو کچھ نہیں گذرا۔ اور جو کچھ گذریگا۔ میں سب جانتی ہوں
اے ابوالحسنؑ مومن نور خدا سے دیکھتا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ! یہ حدیث کیا ہے۔ سرمہ چشم اہل بصیرت ہے۔ اس سے آپکی منزلت علمیہ کافی
اور بہت کافی معلوم ہوسکتی ہے! اور ہر مومن جان سکتا ہے۔ کہ آپکا علم سوائے اس خانوادۂ طہارت کے
اور تمام انبیا و رسل سے افضل و اکمل و اشرف تھا۔

اہل ایمان کے لئے ایک اور نکتہ اس مقام پر بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ علم کی کیفیت معلوم
کرنے کے لئے جب ہم ارشادات آئمہؑ پر نظر ڈالتے ہیں تو امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد نظر آتا ہے۔
"العلم نور" علم ایک نور ہے! اور خداوند عالم جس کے دل میں چاہتا ہے! اسے ڈالدیتا ہے جب
علم کی شان ہمکو معلوم ہوگئی۔ تو اب ہم آسانی کہہ سکیں گے۔ کہ جناب سیدہ خود حقیقت علمیہ میں اس لئے کہ

نور ہیں۔ پس جو مخدرہ خود حقیقت علمیہ اور میزان علمیہ کی قائم رکھنے والی ہے اُس کے علم کا اندازہ
کوئی شخص کیونکر کر سکتا ہے۔ فاطمہؑ ایک دریائے علم ہے جس کے قطرے علوم انبیا ہیں۔ اور ان
تمام بزرگوں کے علوم کی یہی حالت ہے سہ

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

عبادت و معرفت

علم جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے معلوم ہو جانے کے بعد اب بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے
کہ آپکی معرفت کیسی ہوگی اور اس کے ساتھ ہی عبادت کیطرف بھی تصور بڑھ جائیگا بس مختصر یہ ہے
کہ جو عبادت و معرفت ایک واجب بالغیر ہستی کے لئے تصور میں آسکتی ہے (حالانکہ وہ تصور سے
باہر ہے۔) اس کا جلوہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا میں موجود ہے۔ اور حضرت کی عبادت
کے متعلق چند احادیث کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

علل الشرائع میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے۔ آپ سے راوی نے پوچھا کہ آپ کو زہرا
کیوں کہتے ہیں۔ فرمایا اس لئے کہ جب آپ محراب عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو آسمان والوں
کی نظر میں آپ کا نور اس طرح چمکتا تھا۔ جیسا کہ اہل زمین کی نگاہ میں کواکب کا نور۔

اسی قسم کا مضمون یعنی روشنی روئے انور کا ذکر اس سے پہلے بھی احادیث میں بیان کیا جا چکا
ہے۔ محراب عبادت میں خاص طور سے نور کی تابندگی اسمیں بھی عجیب اسرار ہیں۔

اسی مضمون کی ایک حدیث ابان بن تغلب سے علل الشرائع میں مروی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ
میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سوال کیا۔ کہ فاطمہ زہرا کا نام زہرا کیوں رکھا گیا۔ فرمایا اس
لئے کہ ان کا نور دن میں تین دفعہ امیر المومنین کے لئے چمکتا تھا۔ اول نماز صبح کیوقت جبکہ لوگ اپنے
فرشِ خواب پر ہوتے تھے۔ یہ نور اس طرح روشن ہوتا تھا۔ کہ مدینے کے گھروں میں اسکی تجلی پہنچتی تھی
اور دیواریں سفید ہو جاتی تھیں۔ اہلِ مدینہ رسول اللہ کی خدمت میں دریافت کرنے کے لئے آتے تھے

عبادت میں کھڑی ہیں۔ ۔۔۔ نورِ زرد سے محراب روشن ہے۔ ۔۔۔ کہ یہ جو پھر ہو

نے دیکھا ہے۔ وہ نور فاطمہؑ ہے۔ دوسرے دوپہر کیوقت جبکہ آپ نماز کیلئے کھڑی ہوتی تھیں۔ تو ایک نور زرد حضرت کے چہرے سے نکلتا تھا۔ جس سے تمام مدینہ کے حجرے اور اہل مدینہ کے لباس وغیرہ زرد نظر آتے تھے۔ جب رسول اللہ کی خدمت میں دریافت کرنے کے لئے آتے تھے۔ تو پھر آپ خانۂ فاطمہؑ کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ وہاں آکر معلوم ہوتا تھا۔ کہ اسوقت نور زرد چہرۂ فاطمہؑ سے ساطع ہے اور تمام محراب بھی زرد ہو رہی ہے۔ تیسرے جبکہ آفتاب غروب ہوتا تھا۔ تو حضرت کا چہرہ فرحتِ شکرِ خدائے عزّ وجل کے سبب سے سُرخ ہوجاتا تھا۔ اور یہ سُرخی تمام مدینے پر چھا جاتی تھی۔ پھر جب حضرت رسالتؐ پناہ سے سوال ہوتا تھا تو آپ سائلین کو منزل فاطمہؑ کیطرف بھیجدیتے تھے وہ آکر دیکھتے تھے۔ کہ آپ بیٹھی ہیں۔ خدا کی تسبیح و تمجید میں مصروف ہیں اور چہرۂ انور سے سُرخ شعاعیں نکل رہی ہیں۔ جس سے وہ اندازہ کرتے تھے۔ ان انوار کی تابندگی حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیدائش تک رہی۔ اب وہ نور ہم آئمہ اہلبیتؑ میں یکے بعد دیگرے تا روز قیامت گردش کنان رہیگا

اوقات مختلفہ میں الوان مختلفہ کا ظہور یہ بھی عالم اسرار کی ہی کیفیت ہے۔ ہم لوگ اس کی اصلیت پر مطلع نہیں ہوسکتے۔ بس اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ عبادت کیوقت آپکی محویت اس درجہ تھی کہ لمعات جلال وجمال الٰہی آپکو گھیر لیتے تھے! اور یہ کیفیت اسدرجہ ظاہر ہوتی تھی۔ کہ سب لوگ اسے محسوس کرتے تھے۔ یا یوں کہو کہ آپکا نور ذاتی خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں اپنی اصلی تجلیاں دکھاتا تھا۔ خدا جانے کیا راز ہیں۔ کیا اسرار ہیں۔ اور یہ نورانی مخلوق کیا کیفیتیں لئے ہوتے ہے۔

ایک اور حدیث سے کچھ اسکی توجیہ معلوم ہوتی ہے۔ رسول اللہ ایک حدیث طویل کے ضمن میں فرماتے ہیں۔ کہ فاطمہؑ میری وہ روح ہے۔ جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے جب وہ خدائے عزّ وجل کے سامنے محراب عبادت میں کھڑی ہوتی ہے۔ تو اس کا نور ملائکہ آسمان کیلئے اس طرح روشن ہوتا ہے۔ جیسے اہل زمین کے لئے کواکب کا نور۔

اسوقت خداوند جل وعلا ملائکہ سے فرماتا ہے۔ کہ دیکھو میری کنیز خاص سیّدہ کو دیکھو وہ میرے سامنے کھڑی ہے۔ میرے خوف سے اس کا بند بند کانپ رہا ہے۔ وہ قلب سلیم کے ساتھ میری عبادت

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نور زرد خوف کے سبب سے تھا۔ اور سفید و سرخ اطمینان قلب کے سبب سے۔ نور کی یہ درخشندگی نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی ظاہر ہوتی تھی جس سے آپکی کثرتِ عرفان پر استدلال کیا جاسکتا ہے! اور یہ عرفان اس خانوادۂ عصمت وطہارت کے سوائے اور کسی نبی و وصی کو حاصل نہ تھا۔

مومنین و مومنات کیلئے دعا

امام حسن علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ کہ مینے اپنی مادر گرامی کو دیکھا ہے کہ شب جمعہ محراب عبادت میں کھڑی ہوئیں۔ رکوع وسجود ہوتے رہے۔ یہانتک کہ عمود نور صبح ظاہر ہوا۔ میں نے اس تمام وقت میں سُنا کہ وہ مومنین و مومنات کے لئے دعا کرتی رہیں۔ اور اپنے لئے کوئی دعا نہیں کی۔ جب میں نے استفسار کیا۔ تو فرمایا یا بُنیّ الجار ثم الدار۔ بیٹا پہلے ہمسائے کی خبر لو پھر اپنے گھر کو دیکھو۔

یہ الفاظ زبان سے نکالنے بہت آسان ہیں۔ لیکن ان پر عمل سوائے اہلبیتؑ عصمت وطہارت کے اور کہیں نظر نہیں آتا۔

یہی مضمون حضرت کاظم علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے بھی مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیّدہ کی دعاؤں کا جزو اعظم مومنین و مومنات کے لئے وقف ہوتا تھا۔ خوشا حال ان لوگوں کا جن کے لئے فاطمہؑ زہرا دعا فرمائیں۔ اور نہایت متبرک ہیں وہ نفوس جو اس بارے میں فاطمہؑ زہرا کی تاسّی کریں۔

فی الحقیقۃ یہ دعائیں ہمارے لئے تعلیم ہیں جس سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایک مومن کا دوسرے مومن پر کیا حق ہے! اور ہمسایوں کے حقوق کی رعایت کسقدر ضروری ہے۔

پائے اقدس پر ورم

جناب رسوؐل اللہ کے حالات میں آپکی عبادتوں کا ذکر موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پائے مقدّس عبادت میں کھڑے کھڑے ورم کرجاتے تھے۔ محبت کی دنیا میں طالب کی محنت [illegible] پہنچ گئی تھی کہ خود مطلوب کو "بس" کہنے کی ضرورت تھی طٰہٰ۔ ما انزلنا

علیک القرآن لتشقی آتے تھا کب تک اور نے حق کیطرف ہدایت کرنیکے ہم نے قرآن اس
لئے نہیں نازل کیا کہ اتنی مشقتیں برداشت کرے۔ اللہ! اللہ! یہ کیا عبادت ہے۔ کہ معبود بھی
جس سے بےچین ہوا جاتا ہے۔ یہی کیفیت فاطمہؑ زہرا کی عبادت کی تھی۔ بلکہ کل معصومین کی عبادتوں
کا یہی حال تھا۔

جناب امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ دنیا میں کوئی فاطمہؑ زہرا کے برابر عبادت گذار
نہ ہوگا۔ عبادت الٰہی میں کھڑے کھڑے ان کے پاؤں ورم کر جاتے تھے۔

خوفِ خدا

جس مخدرہ کے علم کی وہ شان ہو۔ عبادت و ریاضت کا یہ رنگ ہو۔ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ
اس کے قلب میں خوفِ خدا کے لئے جگہ نہ تھی۔ تھی اور ایسی تھی کہ خدا اسکی شہادت دیتا ہے۔
انّما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ جو بندے کہ صاحب علم حقیقی ہیں وہی خدا سے خوف
کرتے ہیں۔ پھر جناب فاطمہؑ کے علم میں کیا شک ہے۔ اور جب علم میں شک نہیں تو خوف میں کیا
شک ہو سکتا ہے۔

منقول ہے کہ جب آیہ انّ جھنّم لموعدھم اجمعین لھا سبعۃ ابواب لکل باب منھم
جزءٌ مقسوم۔ (بالتحقیق جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے اسکے سات دروازے ہیں اور ہر
دروازے کے لئے گناہگاروں کا حصہ مقرر ہے) نازل ہوا تو رسول اللہ زار زار رونے لگے اصحاب
کو دریافت حال کی جرات نہ ہوئی کسی نے سیدہ طاہرہ کو آکر اسکی اطلاع کی۔ آپ اسوقت چکی پیستی
تھیں اور فرما رہی تھیں۔ وما عند اللہ خیرٌ وابقی۔ (خدا کے پاس جو چیز ہے وہ بہتر اور باقی
رہنے والی ہے) جب آپ نے پدر بزرگوار کے رونے کا حال سنا تو کھڑی ہو گئیں۔ بوسیدہ اور پیوند دار
ردا اوڑھ لی جسے دیکھکر سلمانؓ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس حالت سے آپ خدمت رسالتمآب
میں تشریف لائیں۔ اور سبب گریہ استفسار فرمایا۔ آپ نے نزولِ آیت کا ذکر کیا۔ اس آیت کو
سُن کر آپ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو فرمایا ویل ہے اس شخص پر اور پھر ویل ہے افسوس
ہے اس شخص پر

آیت سے بعض دیگر اصحاب پر طاری ہوئی۔

جناب فاطمہؑ کا آیت کو سنکر جھوٹ بولنے والے کی حالت پر افسوس کرنا بتا رہا ہے۔ کہ ان جہنمیوں سے مراد جھوٹے لوگ ہیں۔ آہ! آجکل بھی بلائے کذب ہے۔ جو قسم قسم کے لباس میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ دنیا کو اس نے گھیر لیا ہے۔ اور کوئی تدبیر اس سے خلاصی کی نظر نہیں آتی العظمۃ للہ۔ پناہ! خدا کی پناہ!

طہارتِ فاطمہؑ

حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ کی طہارت کے باب میں اس سے پہلے بھی اشارات ہو چکے ہیں۔ خود آیۂ تطہیر موجود ہے۔ لیکن اہل ایمان کے ازدیاد بصیرت کے لئے ایک حدیث نقل کر دیجاتی ہے۔ صدوق علیہ الرحمہ کتاب امالی میں حضرت رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بحالتِ جنابت مسجد میں جائے۔ مگر میں اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنینؑ اور جو میرے اہلبیت میں سے ہو۔ (آئمہ علیہم السلام کی طرف اشارہ ہے) اس امر کے مجاز ہیں۔

اس حدیث سے ان بزرگوارونکی طہارت کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ ان بزرگواروں کا جُنب ہونا ہرگز ہماری جنابت سے مشابہت نہیں رکھتا اس میں کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ ہم بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔ کہ ہم اپنے نفوس پر ان نفوس طاہرہ کو قیاس نہیں کر سکتے۔ انکی صورتیں ضرور ہم جیسی ہیں۔ لیکن ان کی سیرت قطعاً ہم سے الگ ہے۔

غضبِ فاطمہؑ

یاد رکھئے کہ نفوسِ مقدسہ مظہر صفاتِ الٰہیہ ہوتے ہیں۔ اور جو سدرۃ المنتہائے تقرب پر فائز ہوا کرتے ہیں۔ ان کے ہر فعل کو خداوند عالم اپنی طرف منسوب کیا کرتا ہے جیسا کہ آیہ

نہیں پھینکی۔ جبکہ پھینکی بلکہ وہ خدا نے پھینکی ہے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ کے اس فعل کو خداوند عالم نے اپنا فعل قرار دیا ہے۔ یا یُوں کہو کہ ان کے جملہ افعال میں ان کے نفس کا لگاؤ قطعاً نہیں ہوتا۔ پس اس لحاظ سے یہ افعال ان کے نہیں ہوتے۔ بلکہ اسی کے کہلائیں گے۔ جسکی ذات و صفات کے یہ آئینے ہیں۔

احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ کہ خدا کی ذات غیظ و غضب اور مسرت و سرور سے بری ہے۔ بلکہ اس کے کچھ دوست ہوتے ہیں۔ کہ ان کا غیظ و غضب خدا کا غضب ہے اور انکا سرور خدا کا سرور اُنہیں احبا اللہ میں سے جناب فاطمہ علیہا السلام ہیں۔

حضرت سلمانؓ فارسی سے منقول ہے۔ کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ کہ جس شخص نے فاطمہؑ سے محبت کی۔ وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ اور جس نے اسکو غضبناک کیا۔ وہ دوزخ میں جلیگا اے سلمانؓ فاطمہؑ کی محبت سو موقعوں پر کام آنیوالی ہے۔ جن میں آسان مقام یہ ہیں۔ موت۔ قبر۔ میزان۔ حشر۔ صراط۔ حساب و کتاب۔ پس جس سے میری بیٹی راضی ہوگی۔ میں اس سے راضی ہوں گا۔ اور جس سے میں راضی ہوں گا۔ اس سے خدا راضی ہوگا۔ اور جس پر میری بیٹی غضبناک ہوگی اس پر میں غضبناک ہونگا۔ اور جس پر میں غضبناک ہوں گا۔ اس پر خدا غضبناک ہوگا۔ ویل ہے اس کے لئے جو اس پر ظلم کرے۔ اور اس کے شوہر علیؑ پر ظلم کرے۔ اور ویل ہے اس کیلئے جو اس کی ذریت پر ظلم کرے اور اس کے شیعوں پر ظلم کرے۔

نیز عیون الرضا میں مروی ہے قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و آلہ ان اللّٰہ تعالیٰ لیغضب لغضب فاطمۃؑ و یرضیٰ لرضاھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ بتحقیق خداوند عالم غضب فاطمہؑ سے غضبناک ہوتا ہے۔ اور اسکی رضامندی سے راضی ہوتا ہے۔

حدیث مشہور کہ فاطمہؑ میری پارۂ جگر ہے جس نے اسے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی فریقین میں مشہور و معروف ہے۔ ان احادیث سے جو بیان کی گئیں کہ فاطمہؑ کا غضب واقعاً خدا کا غضب ہے اور اسکی رضا خدا کی رضا۔ گویا جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اس منزلت تقرب پر فائز ہیں کہ ان کا فعل خدا کا فعل ہے۔

خدّام فاطمہؑ

جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے کمالات ذاتیہ کے متعلق جو کچھ بیان ہوتا چلا آرہا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے ماسلف ہرگز ان کے مدمقابل نہیں ہوسکتے۔ ان پر نظر کرتے ہوئے کون شخص ہے جو نہ کہہ اٹھیگا۔ کہ ایسے نفس مقدس کی خدمت کون ومکان کیلئے باعث فخر ہے اور ملائکہ ارض وسما اگر اسکی خدمت میں حاضر ہوں تو قطعاً تعجب کی بات نہیں ہے۔

"ایک صوفی بزرگ نے حضرت سیدہ کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ اور اسمیں ایک فقرہ طعناً لکھا ہے کہ شیعی قول کے بموجب آپ کے پاس حضرت جبرئیل بھی آیا کرتے تھے"۔ اس دوست کو معلوم ہونا چاہئے کہ صاحبانِ حقائق جو شیعہ مسلک رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو اہلبیت عصمت و طہارت کے پاس جبرئیل کا آنا کچھ ان کے لئے باعثِ فخر وطرۂ امتیاز نہیں۔ ہاں یہ فخر جبرئیل کے لئے ہے۔ جبرئیل کا آنا کیا معنی۔ وہ ہمیشہ سے اسی گھر کے خادم ہیں۔ اور نعمتِ عرفان اسی دروازہ سے انہیں عطا ہوئی ہے۔ بلکہ نعمتِ وجود انہیں کے طفیل میں ملی ہے۔

اکثر روایات میں وارد ہے۔ کہ دیکھا گیا ہے آپ آرام کر رہی ہیں۔ اور چکی خود بخود چل رہی ہے، جیسا کہ سابق میں گذرا۔ یا حسنین کا جھولا خود ہی ہل رہا ہے۔ اور ساتھ ہی کوئی لوریاں دیتا ہوا سنائی دیتا ہے۔

اِنَّ فی الجنّۃ نھراً بلبن
لعلی ولزھرا وحسینٍ وحسن

یہ تمام خدمتیں ملائکہ ادا کرتے تھے۔ کتاب مدینۃ المعاجز میں حضرت ابوذر رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا کہ ایکمرتبہ اسرافیل نے جبرئیل پر اپنا فخر ظاہر کیا۔ اور کہا کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ جبرئیل نے پوچھا کیونکر؟ وہ بولے اس لئے کہ میں حاملانِ عرش میں سے ہوں۔ میں صور پھونکنے والا ہوں اور میں خدا کے نزدیک سب سے مقرب ہوں۔ جبرئیل نے کہا کہ نہیں میں تم سے بہتر ہوں۔ اس لئے کہ میں وحی الٰہی کا امین ہوں۔ میں انبیا کے پاس خدا کا پیام لیجانیوالا ہوں نیز

نے اپنا مخاصمہ خدا کے سامنے پیش کیا۔ خداوند عالم نے وحی کی کہ خاموش ہو جاؤ۔ میں نے ایک
ایسی مخلوق پیدا کی ہے۔ جو تم دونوں سے بہتر ہے۔ عرض کیا خداوندا وہ کونسی مخلوق ہے۔ جو
ہم سے بہتر ہے۔ حالانکہ ہماری خلقت نور سے ہے۔ ارشاد باری ہوا اچھا ٹھہرو۔ اور پھر حجاب
قدرت کو وحی کی۔ جس سے وہ منکشف ہو گئے۔ اب دونوں فرشتوں نے ساقِ عرش پر لکھا ہوا
دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمدٌ و علیٌ و فاطمۃُ و الحسنُ و الحسینُ خیرُ خلق اللہ
فقال جبرئیل یا ربّ اسئلک بحقہم علیک ان تجعلنی خادمہم قال اللہ
تعالیٰ قد فعلت فجبرئیل خادم اھل البیت و انہ لخادمنا خدا کے سوا کوئی
خدا نہیں۔ اور محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ صلوات اللہ علیہم بہترین مخلوق ہیں۔ یہ دیکھکر
جبرئیل نے عرض کیا۔ خداوندا انہیں کے حقوق کا واسطہ جو تجھ پر ہیں۔ مجھے ان کا خادم بنا
دے۔ ارشاد باری ہوا کہ ہاں ہمنے بنا دیا۔ پس اب جبرئیل اہل البیت کے یعنی ہمارے خادم ہیں
ایک اور حدیث میں ہے کہ معصومؑ نے فرمایا ھو من خدامنا و خدامِ محبینا جبرئیل
ہمارے اور ہمارے محبوں کے خادم ہیں۔

ان کلمات مقدسہ سے معلوم ہو گیا کہ خدا ان فاطمہؑ زہرا میں کیسے کیسے روحانین
داخل ہیں۔

رسول اللہ کا فاطمہ زہراؑ سے برتاؤ

وہ برتاؤ جو جناب رسول اللہ کا اپنی اس پارۂ جگر کے ساتھ تھا ضرور اس کا مستحق ہے۔ کہ
اہلِ نظر اسطرف متوجہ ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ کی اور بھی بیٹیاں تھیں لیکن یہ خصوصیت
جو فاطمہ زہراؑ سے آپکو تھی۔ کسی سے نظر نہیں آتی۔ ضرور ہے کہ فاطمہ زہراؑ میں کوئی ایسی ذاتی
خصوصیت ہو۔ کہ وہ تعظیم رسولؐ کی مستحق قرار دیجائیں۔ رسول اللہ کا قاعدہ تھا۔ کہ جب جناب
سیدہ تشریف لاتی تھیں۔ تو آپ تعظیم فاطمہؑ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے! ور معصومہ کا ہاتھ اپنے
ہاتھ میں لیکر پیشانی اقدس و انور کو بوسہ دیتے تھے۔ اور اپنے مقام پر فاطمہؑ کو جگہ دیتے تھے۔
سبحان اللہ رسول اللہ کا تعظیم فرمانا اوصاف ذاتیہ فاطمہؑ ...

ادھر جناب فاطمہ زہرا کا یہ عالم تھا۔ کہ جب رسول اللہ بیت الشرف فاطمہ زہرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ تو خود جناب سیّدہ دروازہ کھولتی تھیں۔ اور استقبال کر کے صدر مقام پر بٹھاتی تھیں۔ جب حضرت خیر البشرؐ سفر کو تشریف لے جاتے تھے۔ تو اخیر میں حضرت سیّدہ سے رخصت ہوتے تھے۔ گویا شمس رسالت کی سیر یہیں سے شروع ہوتی تھی۔ اور جب سفر سے تشریف لاتے تھے۔ تو سب سے پہلے بیت الشرف جناب سیّدہ میں آتے تھے۔ اور اپنی صاحبزادی سے ملکر پھر دوسروں کی ملاقات کیطرف توجہ فرماتے تھے۔

شرافت مکانِ فاطمہؑ

یہ تو معلوم ہے کہ مکان فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا خانۂ رسولؐ سے متصل تھا ایک دیوار درمیان میں حائل تھی۔ اور اسمیں بھی ایک کھڑکی لگی ہوئی تھی۔ اس مکان کا دروازہ مسجد نبوی میں تھا۔ اور اس گھر کے رہنے والوں کو مسجد میں آنے کی ہر وقت اجازت تھی۔ بلکہ یُوں کیوں نہ کہیے۔ کہ اسی گھر کے سبب سے مسجدؐ "مسجد" کہلائی۔ اور یہی گھر قبلہ و کعبۂ اہل نظر تھا۔ مگر ہم اس گھر کی شرافت کے متعلق ایک حدیث کا خلاصہ نقل کرتے ہیں جس سے اہل ایمان کو بصیرت تامہ حاصل ہو گی۔

بحار الانوار جلد سابع میں عبد اللہ بن عجلان سے روایت ہے کہ مینے حضرت باقر علوم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا۔ حضرت نے فرمایا۔ کہ علیؑ و فاطمہؑ کا مکان رسول اللہ کے حجروں میں سے ایک حجرہ تھا۔ ان کے مکان کی چھت عرش رب العالمین تھا۔ اور ان کے گھر کے اندر ایک شگاف تھا۔ جو عرش تک کھلا ہوا تھا۔ یہی شگاف جس سے نور عرش متصل تھا نزد بانِ وحی تھا۔ ملائکہ ان کے پاس صبح و شام وحی لیکر آتے تھے۔ اور اس سلسلۂ وحی میں ایک لحظہ کا بھی انقطاع نہ تھا۔ ملائکہ کا یہ عالم تھا کہ ایک فوج آتی تھی اور ایک جاتی تھی۔ خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کے سامنے سے حجاب آسمان اٹھا دیئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ عرش کا معائنہ کرتے تھے۔ خدا نے انکی نگاہ میں عجیب قوت دی تھی اور خداوند عالم نے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ صلوات اللہ علیہم کی نگاہ میں یہ قوت عطا فرمائی تھی کہ وہ عرش کو دیکھتے تھے۔

اللہ سے مسقف تھے۔ اور ان میں ملائکہ اور روح کے لئے نردبان تھے۔ اور ہر وقت افواج ملائکہ کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اور آئمہ میں سے کسی امام کا گھر ایسا نہیں ہے جسمیں ملائکہ کے آنے کے زینے نہ ہوں۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ تنزل الملائکۃ و الروح فیہا باذن ربہم بکلِ امرٍ سلام۔ نازل ہوتے ہیں۔ اسمیں ملائکہ و روح اپنے پروردگار کے اذن سے ہر امر سالم کے ساتھ۔" راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کیا "من کل امرٍ" حضرت نے فرمایا نہیں "بکلِ امرٍ" میں نے عرض کیا کیا یہ تنزیل ہے؟ (اسکی صورت نزولی اسی طرح ہے؟ (تاویل تو نہیں)، فرمایا ہاں یہ تنزیل ہے۔

اس حدیث سے اہل ایمان معلوم کریں گے۔ کہ خانہ فاطمہ زہراؑ کی کیا شرافت ہے جسکی چھت عرش خداوند عالم ہے۔ اور اہلبیتؑ کے تمام گھروں کی یہی حالت ہے۔ فی الحقیقۃ یہ مکین ہی ایسے ہیں۔ جن سے مکان کو یہ شرف ملا۔ اسی حدیث سے ان سب بزرگواروں کا صاحبِ وحی اور مہبط ملائکہ و روح ہونا بھی معلوم ہوا۔ اسی کتاب مستطاب میں اسی حدیث کے متصل تفسیر "تنزل الملائکۃ والروح" میں حضرت صادق علیہ السلام سے ایک حدیث طویل منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا والروح روح القدس وھو فی فاطمۃ علیہا

روح القدس اور فاطمہؑ

السلام کہ روح سے مراد روح القدس ہے اور وہ فاطمہ علیہا السلام میں ہے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب فاطمہؑ صاحبِ روح القدس بھی ہیں۔ صاحبِ وحی بھی۔ اور مہبط ملائکہ بھی۔

آیاتِ قرآنیہ بشانِ فاطمہؑ

اگر آپ نگاہِ ایمان سے دیکھیں گے۔ تو آپکو معلوم ہوگا۔ کہ اہل بیت رسولؐ کا وجود مقدس خود کتاب اللہ ہے۔ اور یہی بزرگوار کتاب اللہ ہیں۔ اور حقیقۃ کتاب انہیں کا قلبِ انور ہے۔ ان کے سبب سے کتاب کتاب ہوئی۔ اور ان کے سبب سے

کہ کتاب اللہ کی ان آیات کا تعلق انہیں بزرگواروں سے ہے۔ اگر مدح ہے تو انکی اور ان کے
دوستونکی مدح ہے۔ اگر مذمت ہے تو انکی مذمت ہے جو ان کے دشمن ہیں۔ اگر احکام و فرائض
ہیں تو وہ انہیں کی زبان سے جاری ہوتے۔ اگر وعظ و نصائح ہیں تو وہ انہیں کی سیرت
کی تصویریں ہیں۔ لیکن ہم تبرکاً پانچ آیتیں اسمقام پر نقل کرتے ہیں۔

آیت اوّل۔ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرَاھِیْم۔ بیشک اس کے شیعوں میں سے ابراہیمؑ ہے،
تفسیر کتاب معالم الزلفیٰ میں عبداللہ بن ابی اوفی سے منقول ہے۔ کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ جب
خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو خلق فرمایا تو انکی آنکھوں کے سامنے سے حجاب اٹھا دیئے اسوقت
ابراہیمؑ نے عرش پر نظر کی۔ تو ایک نور جلوہ گر دیکھا۔ سوال کیا کہ خداوندا یہ کس کا نور ہے۔ ارشاد
باری ہوا کہ یہ محمدؐ کا نور ہے۔ جو میرا صفی ہے۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا خداوندا اس کے پہلو میں دوسرا
نور بھی ہے۔ یہ کس کا ہے۔ جواب ملا یہ نورِ علیؑ ہے۔ جو میرے دین کا ناصر ہے۔ عرض کیا الٰہی ان
دونوں کے پہلو میں تیسرا نور بھی دیکھ رہا ہوں۔ ندا آئی اے ابراہیمؑ یہ فاطمہؑ کا نور ہے جو اس کے
باپ اور اس کے شوہر سے متصل ہے۔ اس نے اپنے محبوں کو دوزخ سے چھڑا لیا۔ التماس کیا الٰہی
میں ان سے دو نور اور متصل دیکھ رہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ یہ حسنینؑ کے نور ہیں۔ جو اپنے جد و پدر و مادر
سے ملحق ہیں۔ پھر گذارش کیا۔ نو نور اور ہیں۔ جنہوں نے ان پانچوں نوروں کا حلقہ کر لیا ہے صدا
آئی کہ یہ ان ائمہ کے انوار ہیں۔ جو انکی اولاد سے ہونگے۔ عرض کیا خداوندا ان کے نام کیا ہیں ارشاد
ہوا (۱) علیؑ ابن الحسینؑ (۲) محمدؑ بن علیؑ (۳) جعفرؑ ابن محمدؑ (۴) موسےٰؑ ابن جعفرؑ (۵) علیؑ ابن موسےٰؑ
(۶) محمدؑ ابن علیؑ (۷) علیؑ ابن محمدؑ (۸) حسنؑ ابن علیؑ (۹) م۔ ح۔ م۔ د۔ ابن الحسنؑ القائمؑ المہدیؑ
عرض کیا خداوندا ان انوار کے گرد میں بیشمار انوار دیکھتا ہوں۔ جن کا حساب تو ہی جان سکتا ہے۔ ارشاد
ہوا اے ابراہیمؑ یہ ان کے شیعوں اور ان کے محبوں کے انوار ہیں۔ التجا کی کہ خداوندا ان کے شیعوں کی
شناخت کیا ہے۔ ارشاد ہوا۔ (۱) اکیاون رکعت نماز پڑھنا۔ (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر رکعت
میں باواز بلند کہنا (۳) رکوع سے پہلے قنوت (۴) سجدۂ شکر (۵) دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا اس
وقت ابراہیمؑ نے عرض کیا۔ کہ خداوندا مجھے بھی ان کے شیعوں میں سے قرار دے۔ جواب ملا کہ ہم نے
تجھے قرار دیا۔ پس خدا نے نازل فرمایا۔ تحقیق ان کے شیعوں میں سے ابراہیمؑ ہے جبکہ وہ اپنے پروردگار

کے پاس جب یتیم ٹھیرایا

اس آیت سے جناب سیدہ کا تعلق ظاہر ہے۔

(۲) اذا استسقیٰ موسیٰ لقومہ الخ "جبکہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا"
تفسیر امام حسن عسکری میں منقول ہے۔ کہ جب بنی اسرائیل کو میدان تیہ میں پیاس لگی۔ اور پانی کا کہیں نشان نہ پایا تو سب روتے ہوئے حضرت موسیٰ کے پاس آئے۔ اور فریاد کی کہ ہمیں پیاس نے ہلاک کر ڈالا ہے۔ اسوقت موسےٰ نے درگاہِ خدا میں عرض کی کہ خداوندا بحق محمدؐ سید الانبیاء وبحق علیؑ سید الاوصیا وبحق فاطمہؑ سیدۃ النساء وبحق الحسنؑ سید الاولیا وبحق الحسینؑ سید الشہداء وبحق ذریت طاہرہ خمسہ نجبا اپنے ان بندوں کو پانی پلادے۔ اسوقت خدا نے موسیٰ پر وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔ حضرت موسےٰ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور اس پتھر سے بارہ چشمے ظاہر ہوئے۔ اس آیت کا تعلق بھی حضرت سیدہؑ سے ظاہر ہے۔

(۳) لایرون فیہا شمسًا ولا زمہریرا۔ سورہ ہل اتیٰ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اہل جنت جنت میں نہ سورج کی تپش دیکھیں گے۔ اور نہ زمہریری سردی۔
بحار الانوار میں بطریق مخالفین نقل کیا ہے۔ کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ اہل جنت جب وہاں ساکن ہو جائیں گے۔ تو ایک نور ملاحظہ کریں گے جس سے تمام جنت چمک اٹھے گی۔ اہل جنت کہینگے کہ خداوندا تونے وعدہ کیا ہے۔ کہ جنت میں سورج کی روشنی نہوگی۔ اسوقت ندا آئے گی کہ یہ نہ سورج کی روشنی ہے۔ اور نہ قمر کا نور۔ بلکہ علیؑ و فاطمہؑ نے ایک چیز کو دیکھکر تعجب کیا ہے۔ اور ہنسے ہیں۔ پس یہ ان دونوں کا نور ہے۔

(۴) قال اللّٰہ تعالیٰ فی بیوتٍ اذن اللّٰہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ۔ یہ آیت سورہ نور کا جزو ہے۔ "ان گھروں میں جن کے لئے خدا نے اذن دیا ہے۔ کہ وہ بلند مرتبہ ہوں۔ اور ان میں اس کا ذکر کیا جائے۔" بحار الانوار جلد سابع صفحہ ۹۹ میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم مسجد رسول اللہ میں تھے۔ کہ ایک قاری نے آیت مذکورہ کی تلاوت کی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کونسے گھروں کا ذکر ہے۔ قال بیوت الانبیاء واومی بیدہ الی منزل فاطمۃ علیہا السلام۔ آپ نے فرمایا انبیا کے گھر ...

کیطرف اشارہ فرمایا۔

اسی کتاب میں انس بن مالک اور بریدہ سے منقول ہے۔ وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اسوقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ یہ کونسے گھروں کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ انبیا کے گھروں کا۔ پس حضرت ابوبکر اٹھے۔ اور خانہ علیؑ و فاطمہؑ کیطرف اشارہ کرکے بولے کہ یا رسول اللہ یہ گھر انہیں گھروں میں سے ہے۔ قال نعم من افضلہا رسول نے فرمایا ہاں یہ ان گھروں کے افضل گھروں میں سے ہے۔

(۵) قولہ تعالیٰ لابلیس " استکبرت ام کنت من العالین " خداوند عالم نے ابلیس سے فرمایا کہ تو نے جو بزرگی چاہی اور تکبر کیا کیا تو بھی بلند مرتبہ لوگوں میں سے تھا۔

تفسیر بحارالانوار جلد سابع میں ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ ہم رسول اللہ کیخدمت میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خبر دیجے کہ وہ عالین (بلند مرتبہ) کون ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ میں اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ۔ ہم سرادق عرش میں تھے۔ خدا کی تسبیح کرتے تھے۔ اور ملائکہ نے ہماری تسبیح کو سنکر خدا کی تسبیح کی۔ یہ آدم سے دو ہزار برس پہلے کا ذکر ہے۔ جب خداوند عالم نے آدم کو خلق فرمایا۔ تو ملائکہ کو اس کے سجدے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم بھی ہماری ہی وجہ سے دیا گیا تھا۔ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا مگر ابلیس اس سجدے سے منکر ہوا۔ اسوقت خدا نے ابلیس سے فرمایا کہ جسے میں نے اپنے ید قدرت سے خلق کیا ہے۔ اسے تو نے کیوں سجدہ نہ کیا۔ تو نے بڑا بول بولا۔ کیا تو بھی عالین میں سے تھا یعنی ان خمسۂ نجبا میں سے تھا جن کے نام سرادق عرش میں مکتوب ہیں۔ پس ہم خدا کے وہ دروازے ہیں جن میں سے خدا کیطرف آیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہی سبب سے ہدایت یافتہ لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ پس جس نے ہمیں دوست رکھا۔ اسے خدا نے دوست رکھا۔ اور جس نے ہم سے دشمنی کی خدا نے اس سے دشمنی کی۔ اور اسے داخل جہنم کر دیا۔ اور ہمیں وہی دوست رکھتا ہے جس کا مولد پاک ہو یعنی حلال زادہ ہو۔

ان آیات کے علاوہ آیۂ تطہیر (جس کا مختصر ذکر پہلے گذرا) آیۂ قربیٰ۔ آیۂ مباہلہ و دیگر

جنابِ فاطمہؑ کا مہر اور نچھاور

سابقاً بیان ہو چکا ہے۔ کہ بظاہر تو مہر جناب سیدہ زرہ حطمہ کی قیمت تھی جو چار سو درہم تھی لیکن روحانیوں کے نزدیک مہر جناب سیدہ اتنا کچھ ہے جس کا تصوّر ہمارے ذہن سے باہر ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق چند ارشاداتِ معصومؑ درج کئے جاتے ہیں۔

کتاب امالی صدوق و بحار الانوار جلد عاشر و دیگر کتب میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ امیرؑ المومنین نے فرمایا۔ کہ ایک روز ام ایمن خدمت رسولؐ اللہ میں حاضر ہوئیں ان کی چادر میں کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ کہ یہ کیا چیز ہے۔ عرض کیا کہ فلاں عورت کی شادی تھی۔ سسرال والوں نے اس پر نچھاور کیا تھا۔ میں نے بھی اسمیں سے اٹھا لیا یہ کہکر رونے لگیں اور سبب گریہ دریافت کرنے پر عرض کیا۔ کہ آپ نے فاطمہؑ کی شادی کی مگر ان پر کچھ نثار نہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ام ایمن جھوٹ نہ بولو۔ خداوند عالم نے اشجار جنت کو حکم دیا تھا۔ کہ وہ اہل جنت پر زیورات۔ حلے۔ یاقوت موتی۔ زمرد۔ اور استبرق نچھاور کریں اہلجنت نے انہیں اسقدر لوٹا۔ کہ تم نہیں جان سکتے۔ اور خداوند عالم نے فاطمہؑ کے مہر میں "طوبیٰ" کو قرار دیا ہے۔ اور اسے علیؑ کے گھر میں نصب فرمایا ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جنابِ فاطمہؑ نے رسولؐ اللہ کی خدمت میں عرض کی کہ کیا آپ نے اسی مہر خسیس دنیا پر مجھے تزویج کیا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے ہرگز تجھی تزویج نہیں کیا بلکہ خدا نے کیا ہے۔ اور تیرا مہر دنیا کا خمس مقرر کیا ہے۔ جبتک زمین و آسمان قائم ہیں۔

حضرت باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا۔ اے محمدؐ میں نے علیؑ کیطرف سے فاطمہؑ کے لئے دنیا کا خمس اور جنت کا ثلث قرار دیا۔ اور زمین کے چار دریا ان کے لئے مقرر کئے گئے۔ (۱) دریائے فرات (۲) دریائے نیل (۳) دریائے نہروان (۴) دریائے بلخ۔ اے محمدؐ تم علیؑ سے فاطمہؑ کی شادی پانچسو درہم پر کر دو تاکہ یہ تمہاری امت کے لئے سنت قرار پا جائے۔

حضرت رسولؐ اللہ سے سوال کیا گیا۔ کہ فاطمہؑ کا مہر زمین پر تو ہمیں معلوم ہوا لیکن ان کا مہر آسمانی

ضرورت ہے۔ فرمایا آسمان میں ان کا مہر دنیا کا خمس ہے۔ پس جو زمین پر چلے اور وہ فاطمہؑ واولادِ فاطمہؑ کا دشمن ہو۔ تو وہ بطریقِ حرام چل رہا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔

اِس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں۔ کسی میں خمسِ دنیا کا ذکر ہے۔ کسی میں رُبعِ دنیا کا۔ کسی میں کل دنیا کا۔ اور سب اپنے اپنے محل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

• مسئلہ خمس کو جسقدر مسلمانوں نے برباد کیا ہے۔ شاید کسی مسئلے کو نہ کیا ہوگا۔ حالانکہ یہ مہرِ فاطمہؑ ہے۔ اور حق مخصوص ہے اولادِ فاطمہؑ کا۔ شیعہ مسلمانوں کو تو اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

خدا کیطرف سے فاطمہؑ کیلئے سوغات

اس سے قبل ہم طعام جنت کا آنا جناب سیدہ کیلئے نقل کر چکے ہیں۔ مگر جی یہ چاہتا ہے کہ اسکے متعلق کچھ اور بھی لکھا جائے۔ جس سے اہل ایمان کے دل مسرور ہوں۔

مدینۃ المعاجز اور بحار الانوار جلد عاشر میں صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ ایکروز رسول اللہ بیت الشرف سیدہ میں تشریف لائے۔ اور کہا کہ اے فاطمہؑ آج کے دن تمہارا باپ تمہارا مہمان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے پدر بزرگوار حسنینؑ نے کھانا طلب کیا۔ مجھے انکی گرسنگی دفع کرنے کے لئے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ مگر جناب رسول اللہ۔ علیؑ و حسنینؑ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اسوقت فاطمہؑ متحیر تھیں کہ کیا کروں۔ رسول اللہ نے جانب آسمان نظر اٹھائی جبرئیل نازل ہوئے۔ اور کہا کہ حق تعالےٰ علی اعلےٰ آپکو سلام کہتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ سے پوچھو۔ کہ اسوقت جنت کے کونسے میوے کی آرزو ہے۔ پیغمبر خدا نے ان بزرگواروں سے پوچھا انہوں نے حیا سے کچھ جواب نہ دیا اسوقت امام حسینؑ گویا ہوئے اے پدر بزرگوار (امیر المومنینؑ) اے مادر گرامی۔ اے برادر (حسنؑ) کیا آپ مجھے اذن دیتے ہیں کہ آپکی طرف سے میں طلب کروں۔ سب نے کہا شوق سے جو تم چاہو طلب کرو۔ ہم اس پر رضامند ہیں۔ اسوقت صاحبزادے نے اپنے نانا سے التماس کیا۔ کہ آپ جبرئیل سے کہدیجے کہ ہم خرمائے تازہ چاہتے ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا خدا اس خواہش کو پہلے سے جانتا ہے فاطمہؑ! تم گھر میں جاؤ۔ اور جو چیز رکھی ہوئی ہے لے آؤ۔ آپ داخل حجرہ ہوئیں۔ ایک طبق بلورین دیکھا

خوان اٹھاکر لائیں۔ تو رسول اللہ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا عرض کیا خدا کی جانب سے ہے اور وہ جسکو
چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ یہ فقرہ مریمؑ بنت عمران نے حضرت زکریاؑ کے استفسار پر
کہا تھا۔ غرض رسول اللہ کھڑے ہوئے۔ خوان لیکر سامنے رکھ لیا۔ اور بسم اللہ کہکر ایک رطب اٹھاکر
حسینؑ کے منہ میں دیا اور فرمایا هنیئًا مریئًا لك یا حسینؑ اے حسینؑ تمھیں گوارا ہو گوارا ہو
پھر دوسرا رطب اٹھاکر حسنؑ کے منہ میں رکھا اور فرمایا هنیئًا مریئًا لك یا حسنؑ۔ پھر تیسرا
رطب اٹھاکر جناب فاطمہؑ کو کھلایا اور ارشاد کیا هنیئًا مریئًا لك یا فاطمہؑ پھر چوتھا رطب اٹھاکر
امیر المومنینؑ کو کھلاتے ہوئے فرمایا هنیئًا مریئًا لك یا علیؑ پھر پانچواں رطب بھی اٹھاکر علیؑ کو
کھلایا اور کہا هنیئًا مریئًا لك یا علیؑ پھر رسول اللہ کھڑے ہوگئے۔ اور پھر تشریف فرما ہوئے
اور بعد ازاں سب نے ملکر وہ رطب تناول فرمائے جب سب بزرگوار کھاچکے تو وہ خوان آسمان
کیطرف بلند ہوکر غائب ہوگیا۔ اسوقت جناب فاطمہؑ نے عرض کیا۔ کہ اے پدر بزرگوار آج مجھے آپ کے
افعال نے تعجب میں ڈال دیا۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ نور نظر من! بات یہ ہے کہ جب میں نے پہلا
رطب اٹھاکر حسینؑ کو کھلانا چاہا۔ تو اسرافیل و میکائیل کیطرف سے صدائے تہنیت بلند ہوئی۔ میں نے
بھی انکی موافقت کی۔ جب دوسرا رطب حسنؑ کے لئے اٹھایا تو جبرئیل و میکائیل تہنیت دے رہے
تھے۔ میں نے بھی وہی کلمات زبان پر جاری کئے۔ جب تیسرا رطب تمہارے لئے اٹھایا۔ تو حوروں کی
تہنیت کی آواز آئی۔ وہی صدا میں نے بلند کی۔ جب میں نے چوتھا رطب اٹھایا۔ اور علیؑ کو کھلایا تو حق سبحانہ تعالےٰ
کی آواز سنی۔ جو علیؑ کی تہنیت کے لئے بلند ہوئی تھی۔ پھر میں نے دوسرا رطب بھی علیؑ کو دیا (اسی اشتیاق
میں کہ پھر یہ دلربا آواز سنوں) اور پہلی ہی آواز پھر سنی۔ پھر میں اس آواز کی تعظیم کیلئے کھڑا ہوگیا
اسوقت میں نے سنا کہ حق سبحانہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے محمدؐ اگر تم علیؑ کو قیامت تک اسی طرح ایک
ایک خرما کھلاتے رہو تو ہم برابر هنیئًا مریئًا کہتے رہیں گے۔

کتاب ثاقب المناقب سے نقل ہے۔ کہ جابر انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس
ایک ترنج جنت سے تحفۃً آیا۔ جسکی خوشبو سے اہل مدینہ مہک اٹھے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے حجرہ ام سلمہ
میں وہ ترنج طلب کیا۔ اور اس کے پانچ ٹکڑے کئے۔ ایک آپ نے خود تناول کیا۔ ایک علیؑ کو

بھی حق ہے آپ نے فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے۔ یعنی جبریل یہ تحفہ لیکر آئے تھے۔ اور ارشاد باری یہ تھا
کہ اسے میں خود کھاؤں اور اپنی عترت کو کھلاؤں۔

مفضل بن عمر نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ کہ ایکمرتبہ رسول اللہ
صحن مسجد مدینہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اور مہاجرین و انصار اس بزرگوار کو گھیرے ہوئے تھے
ناگاہ مسجد میں ایک پارۂ ابر داخل ہوا۔ کہ اسمیں سے کبھی آواز تند نکلتی تھی۔ اور کبھی صدائے نرم یہ
دیکھکر رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ اے ابوالحسن ہمارے پاس خدا کیطرف سے ہدیہ آیا ہے۔ یہ کہکر آپ نے
ہاتھ بڑھایا۔ ناگاہ سب نے دیکھا کہ دست مبارک میں ایک جام چمک رہا ہے۔ کہ جسکی چمک سے آنکھیں
خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔ اور ایک خوشبو مسجد میں پھیل رہی ہے۔ اور وہ جام فصیح عربی میں خدا کی حمد و ثنا
کر رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ کہ سلام ہو آپ پر اے حبیب اللہ اے صفوۃ اللہ اے رسول مختار
اور تمام ادیان و ملل سے افضل۔ سلام ہو آپ کے وصی پر جو خیر الوصیین ہے۔ اور آپکا بہترین بھائی
ہے۔ اور طالبانِ نور کیلئے نور ہے۔ مقتدیوں کے لئے روشن چراغ ہے۔ اور سلام ہو اسکی زوجہ پر
جو فاطمہؑ ہے۔ بہترین زنانِ عالمین ہے۔ چمکنے والوں میں چمکنے والی ہے۔ بتول ہے اور آئمہ راشدین
کی مادر مطہر ہے۔ اور سلام ہو آپ کے سبطین۔ نورین۔ قرۃ عینین۔ حسنؑ و حسینؑ پر۔ یہ کلمات تمام
حاضرین نے سنے۔ اور رسول اللہ حمد و ثنائے خالق میں محو تھے۔ حتیٰ کہ وہ جام گویا ہوا۔ یا رسول اللہ
مجھے خدا نے آپکی طرف۔ علیؑ کیطرف۔ آپکی بیٹی فاطمہؑ کیطرف اور حسنینؑ کیطرف بھیجا ہے۔ آپ مجھے
اب علیؑ کے ہاتھ میں لوٹا دیجے۔ چنانچہ رسول اللہ نے وہ جام علیؑ کو دیا۔ امیر المومنین نے اسے دست
مبارک میں لیکر بوسہ دیا۔ اور سونگھا اور فرمایا مرحبا ہے اس تحفہ تقرب پر جو خدا کے رسول اور اس کے
اہلبیتؑ کے لئے آیا ہے۔ آپ حمد باری میں مشغول تھے۔ اور وہ جام بھی تسبیح و تہلیل کر رہا تھا کہ اس
نے آواز دی یا رسول اللہ علیؑ سے کہدو کہ مجھے فاطمہؑ اور حسنینؑ کے حوالے کریں چنانچہ امیر المومنین
اس جام کو لیکر کھڑے ہوتے۔ اس جام سے نورانی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اور خوشبو نے اس کی
سب کو مست کر رکھا تھا۔ پس امیر المومنینؑ وہ جام لیکر داخل بیت الشرف ہوئے اور اسے
فاطمہؑ و حسنینؑ کے حوالے کیا۔ ان بزرگواروں نے باری باری اس جام کو لیا۔ بوسے دیئے سونگھا
[illegible] پھر وہ جام رسول اللہ کے پاس پہنچا دیا

کیا۔ اسوقت ایک شخص کھڑا ہوا کہنے لگا۔ یا رسول اللہ خدا کے پاس سے جو ہدیہ آتا ہے۔ وہ آپ آپ اور اپنے اہلبیتؑ کیلئے مخصوص کر لیتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اے شخص تو کس دلیری سے گفتگو کرتا ہے۔ کیا تو نے اس جام کا قول نہیں سنا پھر کیوں اس شے کا سوال کرتا ہے جو تیرے لئے نہیں۔ وہ شخص پھر گویا ہوا یا رسولؐ اللہ کیا آپ مجھے اس کے لینے۔ بوسہ دینے اور سونگھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تجھ پر وائے ہو۔ یہ چیز تیرے لئے نہیں ہے پھر عرض کیا کہ اچھا مجھے چھونے کی ہی اجازت دیدیجئے۔ رسول اللہ نے ارشاد کیا۔ کہ افسوس ہے اس موقعہ اصرار پر اچھا اٹھا اسے لے۔ اگر تو نے اسے ہاتھ میں لے لیا۔ تو محمدؐ کو خدا کا سچا رسولؐ نہ سمجھنا اس شخص نے جام کیطرف ہاتھ دراز کیا۔ مگر نہ پہنچ سکا۔ جام ہوا میں بلند ہوگیا۔ اور کہتا تھا یا رسولؐ اللہ جھوٹے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اسوقت رسولؐ اللہ نے ارشاد کیا اے شخص تو کسقدر خدا اور رسولؐ کے سامنے جرأت کرتا ہے۔ اے ابوالحسنؑ اٹھو۔ اس جام کو لو۔ اور اس سے کہو کہ خدا کا ایک اور پیغام تجھے ہمیں پہنچانے کے لئے ملا تھا۔ جسے تو بھول گیا۔ اس جام سے آواز آئی کہ اے رسولؐ اللہ کے بھائی بالکل صحیح ہے مجھے خدا نے حکم کیا ہے۔ کہ آپ حضرات کی خدمت میں عرض کروں کہ خدا نے مجھے آپکے شیعوں میں سے ہر مومن و مومنہ کے لئے وقف کیا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ اسکی وفات کے وقت موجود رہوں۔ تاکہ وہ موت سے متوحش نہ ہو آپکی طرف نظر کرنے سے اسے تسکین ملے۔ اور میں اس کے سینے پر نازل ہوں۔ اور اپنی خوشبو سے اسے بیہوش کر دوں۔ یہانتک کہ اسکی روح قبض ہو جائے۔ اور اسے خبر بھی نہ ہو۔

معانی الاخبار میں مروی ہے کہ رسولؐ اللہ کیخدمت میں جبرئیل چالیس درہم حنوط (کافور) لیکر حاضر ہوئے۔ آپ نے اس کے تین حصے فرمائے۔ ایک حصہ اپنے لئے رکھا۔ ایک علیؑ کو عطا فرمایا اور ایک فاطمہؑ کو صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

جناب زینبؑ بنت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے کہ ایکدن صبح کو میرے پدر بزرگوار نے رسولؐ اللہ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ بعد ادائے نماز رسولؐ اللہ نے فرمایا یا علیؑ تمہارے ہاں کچھ کھانے کا بندوبست ہے عرض کیا یا رسولؐ اللہ آج تین دن اسی طرح گذر چکے ہیں۔ کہ کچھ مہیا نہیں ہوا۔ رسولؐ اللہ گویا ہوئے۔ آؤ فاطمہؑ کے پاس چلیں۔ غرض گھر میں پہنچے تو دیکھا کہ فاطمہؑ کی اور بچوں کی حالت غیر ہے

جناب فاطمہ نے ... ہوئیں اور نماز ادا کی۔ ایک آواز خفیف نے حضرت کو متوجہ کیا۔ کیا دیکھتی ہیں کہ ایک کاسۂ بزرگ ثرید اور گوشت سے بھرا ہوا ہے لیکر جناب رسول اللہ کی خدمت میں آئیں۔ جناب امیرؑ نے سیدہ کی جانب تعجب سے دیکھا اور پوچھا۔ سیدہ نے جواب دیا کہ یہ خدا کی جانب سے ہے وہ جسکو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ رسول اللہ یہ سنکر مسکرائے اور کہا شکر ہے خدا کا جس نے میرے اہلبیت میں زکریا و مریم کی نظیر قائم کی۔ اسی اثنا میں ایک سائل دروازے پر آیا۔ رسول اللہ نے اسے دھتکار دیا۔ اور کہا کہ دور ہو۔ اور اہلبیت سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ اے علیؑ یہ ابلیس ہے۔ طعام جنت کیلئے آیا ہے۔ غرض سب بزرگوں نے اسے نوش کیا اور پھر وہ کاسہ غائب ہو گیا۔

کنیزانِ فاطمہؑ کا مرتبہ

آقا کی شرافت کا اثر غلام میں ضرور ہو گا۔ بشرطیکہ اسمیں قابلیت بھی ہو۔ اور وہ ظرف بھی رکھتا ہو۔ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اثر لینے کی استعداد بھی ہو۔

حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا کی خدمت میں جن عورتوں کو خصوصیت حاصل ہو گئی تھی اُن پر بھی خدا کیطرف سے ہدیئے نازل ہوتے تھے۔ اور بارگاہِ ایزدی میں ان کی دعا فوراً مستجاب ہوتی تھی۔

مناقب ابن شہر آشوب میں بروایت مالک ابن دینار منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے راہِ مکہ میں ایک ضعیفہ کو دیکھا۔ جو ایک نہایت ہی لاغر جانور پر سوار تھیں جسمیں دو قدم چلنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ لوگوں نے اس ضعیفہ سے کہا کہ تم سفر سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اور اپنے گھر لپٹ جاؤ اس نے نہ مانا۔ آخر ایک بیابان میں پہنچکر اس کا جانور چلنے سے رہ گیا۔ میں نے اس ضعیفہ کو سرزنش کی۔ اس نے آسمان کیطرف سر اٹھا کر کہا لا فی بیتی ترکتنی ولا الی بیتک حملتنی فو عزتک وجلالک لو فعل بی ھذا غیرک لما شکوتہ الا الیک خداوندا نہ تو تو نے مجھے میرے گھر میں رہنے دیا۔ نہ اپنے گھر میں پہنچایا۔ تیرے عزت و جلال کی قسم اگر کوئی دوسرا میرے

کہتا ہے کہ ہم نے دیکھا ایک شخص بیابان سے مہار ناقہ تھامے تیز قدم آرہا ہے۔اسنے ہی ضعیفہ سے
کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔ وہ سوار ہو گئیں۔ ناقہ لیکر چلا گیا۔ پھر ہمنے اسے مکہ میں طواف خانہ کعبہ کرتے
ہوتے دیکھا۔میں نے اس سے قسم دے کر پوچھا کہ تو کون ہے۔اور کہاں سے آتی ہے۔اس نے کہا کہ میں
شہرہ بنتِ امسکہ بنتِ فضہؓ ہوں۔

کتاب خرائج میں منقول ہے کہ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے بعد ام ایمن نے قسم کھائی کہ
میں اب مدینہ میں نہ رہونگی۔ یہ مخدرہ مدینے سے نکلی۔اور مکہ کی راہ لی۔ راہ میں اسقدر تشنگی غالب ہوئی
کہ ہلاکت کا خوف ہُوا۔ دستِ دعا بلند کئے۔اور عرض کیا خداوندا میں فاطمہؑ زہرا کی خادمہ ہوں۔ مجھے
پیاس ہلاک کئے ڈالتی ہے۔اسوقت خداوند عالم نے ایک ڈول پانی کا آسمان سے نازل فرمایا جسے
پی کر سات برس تک کھانے اور پینے کی احتیاج نہ ہوئی۔گرمی کی شدت میں لوگ انکی آزمائش کرتے
تھے۔مگر کبھی انہیں پیاس کی شدت نہ ہوتی تھی۔

معجزہ فاطمہؑ

معجزہ اصل میں اس قوتِ تصرّف کا نام ہے۔جو کسی عبدِ خاص کو تقربِ خداوندی کے سبب
سے حاصل ہوتی ہے۔اور وہ حسبِ مصلحت جب چاہتا ہے۔اس کا اظہار کرتا ہے۔

جسقدر احادیث اسوقت تک بیان ہو چکی ہیں۔ان سے کافی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔کہ جناب
فاطمہؑ کو ایسا تقرب خداوندی حاصل تھا جس سے فوق ممکن نہیں ہے۔یہیں سے اہل عقل نتیجہ نکال
سکتے ہیں۔کہ آپکو کون و مکان پر کسقدر حکومت حاصل ہوگی۔اور آن کا تصرّف کسقدر بڑھا ہُوا ہوگا۔

شروعِ زمانہ رسالت میں جب کفار کا رسولؐ اللہ پر چاروں طرف سے ہجوم تھا۔تو ایک روز
چند کافر ملکر خدمتِ رسالتؐ پناہ میں آئے۔اور کہنے لگے کہ آپ پیغمبری کا دعوےٰ کرتے ہیں۔اور
سب پیغمبروں سے اپنے آپکو افضل قرار دیتے ہیں۔ یہ سب پیغمبر معجزات دکھاتے تھے۔آپ بھی دکھائیے
(ان لوگوں کو معلوم ہوتا ہے یہودیوں نے سکھا پڑھا کر بھیجا تھا) چند آدمیوں نے کہا کہ ہمیں مثل نوحؑ
علیہ السلام طوفان دکھا دو۔کچھ لوگوں نے کہا کہ ابراہیمؑ پر آگ سرد ہو گئی تھی آپ بھی یہ معجزہ دکھائیے۔

کہ عیسٰی کی مانند کوئی معجزہ ظاہر کرو۔ وہ لوگوں کو بتا دیتے تھے۔ کہ کل تم نے کیا کھایا ہے اور کیا ذخیرہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بشیر و نذیر ہوں۔ اور بہترین معجزہ قرآن لایا ہوں۔ اگر تمہیں کوئی معجزہ دکھایا گیا اور تم ایمان نہ لائے۔ تو پھر عذاب تم پر مستحق ہوجائیگا۔ پھر باذن اللہ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ جو طالب معجزہ نوحؑ ہے۔ وہ کوہ بوقبیس پر جاکر قدرتِ خدا کا تماشہ دیکھے اور جب تم لوگ وہاں ہلاکت کے قریب پہنچو۔ تو علیؑ سے اور ان کے بیٹوں سے نجات طلب کرنا طالبان معجزۂ ابراہیمی سے فرمایا کہ تم بیابانِ مکہ میں جاؤ۔ اور ابراہیمؑ کا معجزہ دیکھو۔ جب نوبت بجان پہنچے تو اسوقت ہوا میں ایک عورت نظر آئیگی۔ اس سے پناہ کے طالب ہونا۔ طالبانِ معجزۂ موسٰیؑ سے فرمایا کہ تم لوگ خانۂ کعبہ کے نزدیک جاکر ٹھہرو۔ جب معجزۂ موسٰیؑ ظاہر ہو تو بہ برکتِ حمزہؓ نجات ہوگی۔ اور ابوجہل وغیرہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو جب یہ تینوں گروہ پلٹ کر آئیں تو تمہیں معجزہ عیسٰیؑ دکھایا جائے گا۔

پہلا گروہ کوہ ابوقبیس پر پہنچا۔ ناگاہ دامنِ کوہ سے پانی جوش کھانے لگا۔ اور بغیر ابر کے بارش ہونے لگی۔ سیلاب بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر میں پانی پہاڑ تک پہنچا۔ اور ان لوگوں کے گلے تک پہنچگیا اسوقت امیرؑ المومنین معہ دونوں صاحبزادوں کے بالائے آب نظر آئے۔ ان لوگوں نے پناہ مانگی۔ ان میں سے بعض کا ہاتھ امیرؑ المومنین نے پکڑا اور بعض کا صاحبزادوں نے۔ پہاڑ کے نیچے لے آئے وہاں پانی کا کہیں نشان نظر نہ آیا۔ امیرؑ المومنین انہیں لئے ہوئے خدمتِ پیغمبر میں آئے۔ وہ لوگ رو رو کر کہتے تھے۔ کہ ہمنے معجزۂ نوحؑ کو دیکھ لیا۔ ہمکو علیؑ اور ان کے صاحبزادوں نے نجات دی۔ مگر وہ دونوں صاحبزادے اب نظر نہیں آتے۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ بہترین جوانانِ بہشت ہیں حسنؑ و حسینؑ ہیں جو میرے بھائی علیؑ سے پیدا ہوں گے۔ اور یہ دنیا ایک دریائے خوفناک ہے۔ اس سے نجات دینے والے علیؑ اور اس کے فرزند ہیں۔

دوسری جماعت بیابانِ مکہ میں پہنچی۔ وہاں جاتے ہی دیکھا کہ آسمان سے آگ برسنے لگی۔ زمین شق ہوئی اور اسمیں سے بھی شعلے نکلنے لگے۔ آگ نے بیابان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ قریب تھا کہ سب کے سب جل بھن کر رہ جائیں۔ اسوقت ایک بی بی ہوا میں معلق نظر آئی۔ اور اسکی چادر

جائے گی۔ سب نے ایک ایک تار ہاتھ میں لے لیا۔ اس بی بی نے سب کو ہوا پر اٹھا لیا۔ نہ کوئی تار ٹوٹا اور نہ آگ کی حرارت نے کچھ اثر کیا۔ اور انہیں ان کے گھروں میں پہنچا دیا۔ وہ سب حضرتؐ کی خدمت میں آئے۔ زار زار روتے تھے! اور حضرتؐ کی صداقت کی گواہی دیتے تھے۔ پھر ان لوگوں نے پوچھا کہ یہ بی بی کون ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ کہ یہ میری نور نظر فاطمہؑ ہے جس وقت وہ عرصۂ محشر میں آئیگی۔ گوشۂ چادر اس کا آویزاں ہوگا! اور ہزاروں دوستانِ فاطمہؑ ایک ایک تار چادر کا پکڑ کر حرارت محشر سے نجات پائیں گے۔

اسی طرح بقیہ خواہش بھی کفار کی پوری کیگئی۔ ہمارا مقصود اس کے درج کرنے سے جو ہے وہ ظاہر ہے یعنی تصرفات فاطمیہؑ کا اندازہ اہل ایمان بہت اچھی طرح سے کر سکتے ہیں۔

فاطمہ شامیہ

منشی محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی نے حضرت سیدہؑ کے حالات زندگی اپنے طریق پر جمع کئے ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب میں واقعہ درج کیا ہے۔ ہم بھی اسے ناظرین کی تفریح طبع کے لئے درج کرتے ہیں۔

فاطمہ شامیہ ملک شام کے ایک امیر کی لڑکی تھی۔ نہایت دیندار۔ عبادت گذار کتب مقدسہ کی عالمہ اور علم نجوم میں کامل! انہیں معلوم ہوا کہ خاتم النبیینؐ کی ولادت کا زمانہ قریب ہے۔ تو مکے میں آئیں۔ حضرت عبداللہ سے ایکدن ملاقات کی۔ انکی پیشانی میں نور رسالتؐ کی درخشندگی دیکھکر نکاح کی خواہش کی! انہوں نے کہا کہ اپنے والد کی بلا اجازت میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ دنوں بعد جب حضرت عبداللہ کی شادی جناب آمنہؓ سے ہوگئی۔ اور وہ نور منتقل ہو گیا تو پھر حضرت عبداللہ فاطمہ شامیہ کے ہاں پہنچے اور نکاح کی خواہش کی! اس نے جواب دیا کہ وہ نور جس کے اشتیاق میں نکاح کی درخواست کی گئی تھی! اب آپ کے پاس نہیں رہا۔ وہ دوسرے کی تقدیر کا ہو چکا۔

اسی فاطمہ شامیہ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی ذکاوت و فراستِ خداداد کا حال سنا تو آپ سے

پیش کیا ... بہت ... کے نہایت تپاک اور گرمجوشی سے ان کا

خیر مقدم کیا۔ اور جب وہ تحائف آپ کے سامنے فاطمہ شامیہ نے پیش کئے۔ تو حضرت زہرا نے ان سے اجازت لیکر وہ سارے اسلام کیخدمت کیلئے دیدیئے۔ اور کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے ان مسلمانوں کی نذر کر دیئے۔ جو اسوقت خدمتِ اسلام میں سرگرم رہتے تھے۔ فاطمہ شامیہ پیغمبرزادی کے اس ایثار اور سیر چشمی پر عش عش کرنے لگیں۔ آپکو سینے سے لگا لیا۔ اور جبتک زندہ رہیں ہمیشہ جناب زہرا کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔

تعلیم دعا

جن بزرگوں کو اہلبیت عصمت وطہارت سے توسل ہو گیا تھا۔ انہیں کیا کیا نعمتیں حاصل نہیں ہوئیں۔ سب ہی کچھ مل گیا۔ اور حضرت سلمانؓ نے تو اس گھر سے وہ فیض حاصل کیا کہ باید و شاید۔ یہی پہلے ایرانی تھے۔ جنہوں نے نہ صرف اپنے ایمان کا تمغہ حاصل کیا بلکہ اپنی قوم کیلئے بھی بہت کچھ ایمانی تمغے اکٹھے کر گئے۔ اور رسول اللہ نے فرمایا لوکان الایمان بالثریا لتنالہ رجال الفرس اگر ایمان ثریا پر بھی چلا جائے گا۔ تو بھی اہل ایران اسے حاصل کرینگے یعنی دنیا بھر میں کہیں ایمان کا نشان نہ ہو۔ مگر ایران میں ضرور اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہیگا۔ ہمارا تو خیال ہے کہ یہ حضرت سلمانؓ کی برکت ہے جو سرزمینِ ایران کو یہ شرف نصیب ہوا۔

حضرت سلمانؓ کو جو جو اسرار و حقائق اہلبیتؑ سے ملے ہیں انکو کون جان سکتا ہے ہاں وہی جان سکتا ہے۔ جو سلمانؓ کی طرح ایمان کے دسوں درجے طے کر جائے۔

حضرت زہراؑ نے سلمانؓ کو ایک دعا تعلیم کی۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ ایکہزار سے زیادہ آدمیوں کو بخار آتا تھا۔ جن جنکو یہ دعا تعلیم کی۔ سب اسکی برکت سے صحتیاب ہو گئے۔ دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ النُّوْرِ بِسْمِ اللّٰہِ النُّوْرِ النُّوْرِ بِسْمِ اللّٰہِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ هُوَ مُدَبِّرُ الْاُمُوْرِ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ النُّوْرَ مِنَ النُّوْرِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ النُّوْرَ مِنَ النُّوْرِ وَاَنْزَلَ النُّوْرَ عَلَی الطُّوْرِ فِیْ کِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ

بقدرٍ مقدّرٍ وعلى النبي محبوبٍ الحمد لله الذي هو بالعز مذكورٌ وبالفخر مشهورٌ وعلى السراء والضراء مشكورٌ وصلى الله على سيدنا محمدٍ وآله الطاهرين۔

یہ دعا آج بھی وہی اثر رکھتی ہے بشرطیکہ قلب صاف ہو اور دعا کرنیوالا آداب دعا سے واقف اور طریق تقویٰ کا سالک ہو۔ ظاہر ہے کہ اس نورانی دعا کے سامنے نار تیت نجار ہرگز نہیں ٹھیر سکتی

تکلّم بقرآن

اسی سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب زہرؑا کی کنیز خاص جناب فضّہ کا واقعہ ذکر کیا جائے جس سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ یہ بزرگوار جو منزل قرآن تھے۔ ان سے متوسّل ہونیوالا اتنی قدرت رکھتا تھا کہ اپنی تمام ضروریات قرآن سے ہی پوری کرتا تھا اور سوائے الفاظِ قرآن کوئی لفظ ان کی زبان پر جاری نہ ہوتا تھا۔ فی الحقیقت یہی لوگ اہل قرآن بلکہ روحِ قرآن تھے۔

استاذ المحدثین ابوالقاسم قشیری بیان کرتے ہیں کہ ایکمرتبہ ایک شخص قافلہ حج سے صحرا میں علیحدہ ہو گیا۔ وہاں اسے ایک ضعیفہ ملی۔ اس نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا قُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ سلام کرو۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ اس نے سلام کر کے پوچھا اس صحرا میں کیا کرتی ہو۔ جواب دیا مَنْ يَهْدِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ جسے خدا ہدایت کرتا ہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ راستہ بھول گئی ہے۔ پھر پوچھا کہ تم انسان ہو یا قوم جنات سے اس نے جواب دیا یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ اے بنی آدم تم (جمعہ کے دن) آرائش کرو۔ پوچھا کہاں سے آتی ہو۔ کہا يُنَادُوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ۔ وہ مقام دور و دراز سے (حج کیلئے) بلائے جاتے ہیں۔ سوال کیا کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الخ۔ مستطیع لوگوں پر حج واجب ہے پوچھا قافلے سے کب جدا ہوئی لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ ہم نے زمین و آسمان کو چھ دن میں خلق فرمایا ہے۔ اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ چھ دن قافلے سے جدا ہوئے گذر گئے۔ پھر سوال کیا۔ کھانے کی خواہش ہے؟ کہا مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

صالحہ جلد جلد چلو۔ تو اس نے جواب دیا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا خدا نے کسی نفس کو اس کی
وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ اس نے کہا کہ اچھا میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا
لَوْ کَانَ فِیْہِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر زمین و آسمان میں سوائے خدا کے اور معبود ہوتے تو
زمین و آسمان کے انتظام میں خلل پڑ جاتا۔ اس شخص نے سمجھ لیا۔ کہ یہ زن صالحہ عورت و مرد کا ایک
جگہ جمع ہونا موجب فساد جانتی ہے۔ اور اس سے کراہت کرتی ہے۔ خود پیادہ ہو گیا اور اپنی سواری
کا اونٹ خالی کر کے کہا کہ آپ سوار ہو جائیے۔ وہ سوار ہوتی اور کہا سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا
هٰذَا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارا مسخر کیا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ جب ہم قافلے میں پہنچے تو میں نے
پوچھا کہ تمہارا کوئی عزیز اس قافلے میں ہے۔ انہوں نے جواب دیا یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً
فِی الْاَرْضِ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ۔ یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ
ان چاروں آیتوں سے معلوم ہوا۔ کہ جو نام ان آیات میں موجود ہیں۔ ان سب کے ہمنام اس کے عزیز
قافلے میں ہیں۔ چنانچہ جب یہ نام لیکر آواز دی تو چار نوجوان قافلے سے نکلکر ہماری طرف آئے میں نے
اس بی بی سے پوچھا کہ ان سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔ وہ بولی اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا مال اور اولاد زندگی دنیا کی زینت ہیں۔ جب وہ نوجوان قریب آئے تو یہ آیت تلاوت
کی قَالَتْ یَا اَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ دختر
شعیب نے کہا اے بابا اس (موسیٰ) کو اجیر مقرر کر لو۔ کیونکہ بہترین اجیر وہی ہے جو قوی اور
امین ہو۔ وہ نوجوان اس کا مطلب سمجھ گئے۔ اور کچھ مال بطور اُجرت میرے سامنے رکھا ضعیفہ
بولی وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ خداوند عالم جس کے لئے چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے۔ یہ سُنکر
ان نوجوانوں نے اور اس مال میں اضافہ کیا۔ میں نے چلتے ہوتے پوچھا کہ یہ بی بی کون ہے انہوں نے
جواب دیا کہ یہ ہماری مادر گرامی فضہؓ خادمہ فاطمہ زہراؑ ہیں۔ انہوں نے بیس سال سے سوائے
کلام خدا کے اور کسی لفظ سے تکلم نہیں کیا۔

یہ تبحر ان بزرگوں کو نصیب ہو جاتا تھا۔ جو اہلبیت عصمت و طہارت سے متمسک
ہوتے تھے۔ اور ان کے دروازے کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنا لیتے تھے۔

تسبیح فاطمہؑ

کتب فریقین میں لکھا ہے کہ جناب سیدہؑ کو جب کاروبار میں بیحد تکلیف ہونے لگی تو آپ نے حسب ارشاد علی مرتضیٰؑ اپنے پدر بزرگوار سے ایک لونڈی طلب کی جس پر حضرت نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ میں تمکو ایسی چیز تعلیم کرتا ہوں جو خادمہ سے بہتر ہے۔ وہ یہ کہ جب سونے لگو تو ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر۔ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیا کرو۔

اس روایت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے۔ کہ حضرت نے جناب سیدہؑ کیلئے لونڈی مہیا نہیں کی۔ بلکہ انہیں کلمات کی تعلیم پر اکتفا کی۔ اسمیں شک نہیں کہ ان کلمات کے مقابلے میں لونڈی غلام کیا چیز ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اسکے چند ہی روز بعد رسول اللہ نے ایک لونڈی انہیں عطا کی جس کا نام فضہؓ رکھا گیا۔

راقم کو یاد پڑتا ہے کہ صاحب مشارق الانوار نے جناب فضہؓ کے چند مخصوص حالات کا ذکر کیا ہے۔ جن کا تحمل اچھے پڑہے لکھوں سے نہیں ہو سکتا۔ افسوس اس وقت وہ کتاب سامنے موجود نہیں ہے۔

بعض کتب مناقب میں تسبیح فاطمہؑ کی شان نزول یہ ہے کہ جب لوگوں نے جناب سیدہؑ کے عقد کی خواستگاری کی تو آپ نے جوابدیا کہ آجکی شب جس کے گھر میں ستارہ اُترے گا اسی سے فاطمہؑ کا عقد کیا جائیگا۔ یہ خبر مدینے میں پھیل گئی۔ اور وہ رات عجب چہل پہل میں گذری۔ تمام لوگ اپنے اپنے کوٹھوں پر جاگ رہے تھے۔ قریب سحر ایک ستارہ آسمان سے زمین پر اترتا ہوا نظر آیا۔ جناب سیدہؑ بھی بیدار تھیں۔ اُدہر وہ ستارہ آسمان سے جدا ہوا اور ادھر آپکی زبان سے نکلا "اللہ اکبر" اس کلمہ کی تکرار برابر رہی یہاں تک کہ ستارہ خانہ علی ابن ابیطالب علیہم السلام میں نازل ہوا اور ساکن رہا۔ اس عرصے میں آپکی زبان سے علی الاتصال کلمہ "الحمد للہ" جاری رہا۔ پھر اس ستارہ نے جانب آسمان صعود کیا۔ اسوقت آپ نے زبان پر "سبحان اللہ" جاری فرمایا۔ یہانتک کہ ستارہ نظروں سے غائب ہو گیا۔

الحمد للہ اور حالتِ قعود میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ - یہی تسبیحِ فاطمہ کے نام سے موسوم ہے اور اسی کو دیندار مسلمان بعدِ نماز بہترین تعقیب سمجھتے ہیں۔

اِس مقام پہ یہ شبہہ بالکل بیفائدہ ہوگا - کہ ستارے جسقدر ہیں وہ سب کے سب ہماری ہی زمین کیطرح کُرے ہیں - جن کا رقبہ بہت کچھ ہے - پس ایک ستارہ جسکا رقبہ اقلاً اگر زمین کی مثل ہی مان لیا جائے - تو گھر میں کیونکر سما سکتا ہے! اس قسم کے شبہات عدمِ ایمان کے نتائج ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ ستارے سے مخصوص کرّہ ہی سمجھ لیا جائے - بلکہ ایک روشن اور چمکدار چیز کو بھی اس کی درخشندگی کی بنا پر ستارا کہا جاتا ہے۔

جنابِ فاطمہؑ اور غزوۂ اُحد

ہجرت کے تیسرے سال یعنی جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کی شادی سے ایکسال بعد ماہِ شوال میں غزوۂ اُحد واقع ہوا - جسکی مختصر کیفیت یہ ہے - کہ اس سے پہلے غزوۂ بدر میں جب کفارِ قریش ہزیمت اٹھا کر بھاگے - تو اس ہزیمت کا اثر ان کے دلوں سے نہ مٹا تھا خیال تھا انہوں نے اپنی عورتوں کو رونے سے منع کر دیا تھا - کہ مبادا آنسوؤں کے چھینٹے غیظ و غضب کی آگ کو بجھا دیں اپنے حلیف قبیلوں کو امداد کے لئے اُبھارا اور تین ہزار سوار دو ہزار پیادے اور دیگر سامانِ جنگ لیکر مدینہ پر چڑھ آئے! ور عورتوں کو ساتھ لائے - تاکہ وہ ہزیمتِ بدر کے متعلق اشعار گا گا کر آتشِ انتقام کو بھڑکاتی رہیں - اِدھر سے خدا کا رسُول سات سو جانفروشوں کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کو نِکلا - بیرونِ شہر کوہ اُحد کے متصل طرفین کا مقابلہ ہوا۔

رسُول اللہ نے اس پہاڑ کی ایک گھاٹی پر مسلمانوں کی ایک جماعت کو متعین کر دیا تھا کیونکہ اُدھر سے دشمن کے ناگہانی حملے کا اندیشہ تھا - اور یہ حکم ان لوگوں کو دیدیا کہ فتح ہو یا شکست تم اپنے مقام سے نہ ہلنا - غرض لڑائی شروع ہوئی - مجاہدینِ اسلام نے آستینیں الٹ لیں - نیزے رسیدے ہوئے - تلواریں علم ہوئیں - اور شیرانِ نیستانِ شجاعت کفار کی صفوں کو صاف کرنے لگے جناب امیرالمومنین کی ضربِ یداللّٰہی نے سروں کا ڈھیر لگا دیا - جناب حمزہ جس طرف نکل گئے - صفیں
[illegible]

لالچ اور طمع یہ ایسے دو دشمن ہیں۔ کہ ان سے نجات پانا فی الحقیقت جہادِ اکبر ہے۔ فتمند مسلمان لوٹ پر جھکے۔ اُدہر وہ جماعت جو درّہ کوہ پر تعینات تھی۔ اس نے دیکھا کہ واہ وا یہ مال تو سب لُٹ جائیگا۔ ہم یونہی ہاتھ خالی رہ جائیں گے! انہوں نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی۔ سردار (عبداللہ ابن جبیر) نے لاکھ لاکھ سمجھایا مگر ایک نہ سنی۔ اُدھر گھاٹی کے دوسری طرف خالد ابن ولید اپنی فوج لئے پڑا تھا! اور موقعہ کی تاک میں تہا۔ اس نے جب دیکھا کہ یہ تو اپنی لوٹ مار میں مصروف ہیں۔ ایکبارگی کمین گاہ سے فوج لیکر آگئے! اور لوٹنے والوں کو تلواروں پر رکھ لیا۔

قاعدہ کلیہ ہے کہ بے خبری میں جب دشمن آگرتا ہے۔ تو اچھی سے اچھی فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں۔ یہی حالت مسلمانوں کی ہوئی! اُدھر ہزیمت خوردہ کفار نے جب دیکھا کہ خالد اپنے منصوبے میں کامیاب ہوکر فوج کا ستھراؤ کر رہا ہے۔ تو وہ بھی اس سے آملے۔ اب رہے سہے مسلمانوں کے اوسان گم ہوگئے! اور جس کے جسطرف سینگ سمائے۔ بھاگ نکلا۔ رسول اللہ آوازدے رہے تھے۔ کہ اے لوگو میں خدا کا رسول ہوں۔ مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے مگر کوئی نہ سنتا تھا۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم میدانِ جنگ میں کھڑے تھے۔ کہ ناگاہ تقریباً سو صنادیدِ قریش ہم پر حملہ آور ہوئے۔ ہم سے صبر نہ ہوسکا۔ ہم بھاگ نکلے! اسوقت علیؓ بے دھڑک دشمنوں میں اس طرح گھس گئے۔ جیسے شیر گلہ گوسفند پر گرتا ہے۔ مگر جب ہمکو دیکھا کہ ہم بھاگے جارہے ہیں تو بآواز بلند فرمایا۔ تمہارے چہرے زشت ہوجائیں۔ کیا جہنم کا ہی ارادہ کرلیا ہے۔ یہ فرما کر ہم پر حملہ کیا۔ اسوقت ایک عریض تلوار ان کے ہاتھ میں تھی جس سے خون ٹپکتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ تم نے عہد کو توڑ ڈالا۔ تم ان سے زیادہ قتل کے لائق ہو! اسوقت مینے دیکھا کہ انکی دونوں آنکھیں اس طرح روشن تھیں جیسے زیت کے دو پیالے جنمیں آگ روشن ہو۔ یا دو پیالے جنمیں خون بھرا ہوا ہو۔ ہمیں خوف ہوا۔ کہ اب یہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔ مینے بڑھکر کہا۔ اے ابوالحسن خدا

... پھیر کر کفار کیطرف حملہ آور ہوتے۔

ادھر خالد نے جب دیکھا کہ حضرت رسول اللہ کھڑے ہیں اور چند ہی آدمی ان کے ساتھ ہیں تو چلایا کہ تمہارا مطلوب یہیں ہے۔ اسے زندہ نہ چھوڑو۔ چنانچہ کفار نے حضرت پر پتھروں، تیروں اور تلواروں سے حملہ کرنا شروع کیا۔ اصحاب جو رکاب ظفر انتساب میں تھے۔ انہوں نے جان نثار کی کچھ بھاگ نکلے۔ رسول اللہ ایک گڑھے میں گرے۔ غشی حضرت پر طاری تھی۔ اور شیطان نے باواز بلند اُحد پر پکار دیا۔ کہ محمدؐ قتل ہو گئے۔

امیر المومنین نے کفار کی صفوں کو درہم وبرہم کر کے اب رسول اللہ کیطرف رُخ کیا اور دشمن جوان پر نرغہ کئے ہوئے تھے انہیں مار ہٹایا۔ پھر رسولؐ اللہ کی حفاظت کی۔ گروہ در گروہ رسولؐ پر حملہ کر کے آتا تھا اور امیرؑ المومنین ضرب یداللّٰہی سے اسے پسپا کرتے تھے۔ اِدھر بھائی اپنے بھائی کی حفاظت میں جان لڑا رہا تھا۔ اُدھر ملائکہ مابین آسمان وزمین ندا دے رہے تھے۔

لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

بقولِ صاحب مدارج النبوۃ اسی جنگ میں نادِ علیؑ کا نزول ہوا۔

میدانِ جنگ میں جو خبرِ قتل رسولؐ اللہ پھیلی تھی اس کا اثر مدینے میں بھی پہنچگیا جناب سیدہؑ بیتاب ہو کر گھر سے نکل آئیں۔ اور میدانِ جنگ کیطرف قدم بڑھایا۔ عوراتِ مدینہ نے جب شہزادی کو دیکھا۔ تو گرد حلقہ کر لیا۔ اور اس طرح آپ راہیٔ میدان ہوئیں۔ رستے میں ایک عورت ملی جس کا نام ہند تھا۔ وہ ایک اونٹ پر اپنے عزیزوں کی لاشیں رکھے ہوئے میدان سے آرہی تھی۔ شہزادی نے اس سے اپنے پدر بزرگوار کا حال دریافت فرمایا۔ اس نے عرض کیا کہ رسول اللہ خیریت سے ہیں۔ اور میدانِ جنگ میں موجود ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ اب جنگ کی کیا حالت ہے ہند نے عرض کیا کہ آپ کے شوہر اور قوتِ بازوئے نبیؐ کی بدولت فتح نصیب ہوئی اور کفار پسپا ہو گئے۔ آپ نے یہ خوشخبری سنکر ہند کو دعائے خیر دیکر پوچھا کہ اس اونٹ پر کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ اس پر میرے بھائی اور شوہر اور بیٹے کی لاشیں ہیں جو رسولؐ اللہ کی نصرت میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اسمیں شک نہیں کہ انکی موت نے کلیجے میں ناسور ڈال دیئے لیکن جب

جنابِ رسولِ اللہ نے دیکھا کہ سیّدہ طاہرہ تشریف لا رہی ہیں۔ تو اٹھکر استقبال کرکے سینے سے لگایا۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کو اس حال سے دیکھا کہ آپ زخمی ہیں! اور دندانِ مبارک پر ضرب پہنچی ہے خون جاری ہے اِس حالت نے آپکو مضطر کر دیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ گریہ سیّدہ نے رسولِ اللہ کو بھی رُلا دیا۔ اور آپ نے تسلّی دیکر فرمایا کہ بیٹا خدا کا شکر لازم ہے۔ میرے قتل کی خبر اُڑی تھی! اور تم نے مجھے زندہ پایا۔ اس عرصے میں علیؑ مرتضےٰ پانی لیکر آئے۔ جناب فاطمہ زہرا نے اپنے پدرِ بزرگوار کے زخموں کو دھویا اور ایک ریشمی کپڑا جلاکر اسکی راکھ زخموں میں بھر دی جس سے خون بند ہو گیا۔ اس کام سے فرصت ہوئی تو امیرالمومنین نے اپنی تلوار جناب سیّدہ کے حوالے کی! اور رسولِ اللہ نے فرمایا۔ بیٹیا اس تلوار کو لو اسے صاف کر دو۔ آج تمہارے شوہر نے اِسلام کو قائم کر دیا۔

غرض رسولِ اللہ نے اب میدان میں شہدا کی لاشوں کو دفن کیا۔ جناب حمزہؓ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے! اور شہداؓ کی لاشوں کو دفن کرنے کے بعد آپ اپنی صاجزادی کو لئے ہوئے وارد مدینہ ہوئے۔

ولادتِ امام حسن علیہ السلام

سنہ ۳ھ میں بماہِ شوّال غزوۂ احد واقع ہوا ہے! اور اس سے ایکماہ قبل رمضان کی پندرہویں کو جناب امام حسن علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پیدا ہو چکے تھے۔

اسماء بنتِ عمیس کا بیان ہے۔ کہ جب امامِ حسنؑ پیدا ہوئے تو مینے ایک زرد کپڑے میں لپیٹکر آپ کو رسولِ اللہ کے آغوش میں دیا۔ آپ نے زرد کپڑا علیٰحدہ کر دیا۔ اور فرمایا سفید کپڑا اُڑھاؤ۔ مینے سفید کپڑا اُڑھایا۔ آپ نے ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اس کے بعد فرمایا کہ حکمِ خدا یہ ہے۔ کہ میں اس کا نام شبّر رکھوں۔ جو ہارون کے بیٹے کا نام تھا کیونکہ علی کو مجھ سے وہی نسبت ہے۔ جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ چنانچہ آپکا نام شبّر رکھا گیا۔ جس کا ترجمہ عربی میں حسن ہے۔ آپ سے پہلے عرب میں کسی کا نام حسن نہیں تھا ... ارشادِ رسول

حسنؑ و حسینؑ اسمار جنت میں سے ہیں۔
آپ کے فضائل و مناقب سے کتب فریقین آراستہ ہیں۔ آپ سر سے لیکر سینے تک بالکل رسول اللہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

ولادتِ امام حسین علیہ السّلام

ہجرت کے چوتھے سال ماہِ شعبان کی تیسری تاریخ کو خامس آلِ عبا نے اس دارِ محن میں قدم رکھا جس کے کارنامے قیامت تک یادگار زمانہ رہیں گے۔ جسنے اسلام کو جلا نہیں دی بلکہ از سرِ نو زندہ کر دیا۔ اور اپنے عملیات سے بتا دیا کہ استبداد اور ظلم کے پردے مظلومیت کی پوشیدہ مقراض سے چاک کئے جاتے ہیں۔
آپکی مدتِ حمل چھ ماہ بیان کی جاتی ہے۔ اس بارے میں آپ حضرتِ یحییٰ کی نظیر تھے۔ محققین کے نزدیک حمل کی مدتِ مقررہ (نو ماہ) طبقۂ انبیا و اوصیا کے لئے ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ انکا تعلق عالمِ خلق یعنی تدریج سے نہیں ہے۔ بلکہ وہ مخلوقِ عالم امر ہیں۔ ان کے حالات جو عام طبقۂ انسانی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ صرف اسلئے ہیں۔ کہ ہم ان سے مانوس رہیں۔ ولو جعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً وللبسنا علیہم ما کانوا یلبسون۔ اگر ہم انہیں فرشتہ گردانتے تو پھر بھی انسانی شکل میں ہی بناتے۔ اور ان پر وہی چادر (انسانی) اُڑھاتے۔ جو اور اوڑھتے ہیں۔
آپکی پیدائش کے وقت رسول اللہ نے آپ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ اور حسبِ وحی الٰہی آپکا نام شبیر رکھا گیا۔ جو ہارونؑ کے دوسرے بیٹے کا نام تھا جس کا ترجمہ عربی میں حسینؑ ہے۔
آپ کے القابِ کثیرہ اہلِ اسلام میں مشہور و معروف ہیں۔
آپکی ولادت پر جتنی خوشی جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کو تھی۔ اُتنا ہی غم بھی تھا۔ اور اس واقعہ کی تصویر ہر ایک بزرگ کی نظر میں پھر رہی تھی جو آپ پر میدانِ کربلا میں گذرنیوالا تھا۔

رسول اللہ کو ان دونوں صاحبزادوں سے جسقدر لگاؤ تعلق تھا اس سے مسلمانوں اور دیندار مسلمانوں کے قلوب آشنا ہیں۔ انہیں کیخاطر رسول اللہ اپنا خطبہ قطع کرکے منبر سے اُتر آتے تھے۔ رسول اللہ سجدۂ خالق میں ہیں۔ اور حسینؑ پُشتِ اقدس رسول اللہ پر سوار ہو گئے ہیں حکم الٰہی ہوتا ہے۔ کہ جبتک حسینؑ اپنی خوشی سے نہ اُتریں۔ سجدے سے سر نہ اٹھانا۔ سُبحان اللہ یہ راز و نیاز بھی عجیب ہیں۔ من عشقتہٗ فقد قتلتہٗ ومن قتلتہٗ فدِیتہٗ علیّ ومن کانت دِیتہٗ علیّ فانا دیتہٗ۔ جس سے ہم عشق کرتے ہیں۔ اسے قتل کیا کرتے ہیں۔ اور جسے ہم قتل کرتے ہیں۔ اسکی دیت ہمارے ذِمّے لازم ہے۔ اور جسکی دیت ہمارے ذِمّے لازم ہوتی ہے اس کی دیت ہم خود ہیں۔ لمولفہ

عجب کام تو نے کیا اے حسینؑ
خدا خود ترا خونبہا ہو گیا

جناب فاطمہ زہراؑ کا بھی ان صاحبزادوں پر عجیب ہی پیار تھا۔ یُوں تو کونسی ماں ہے جسے اپنے بچّوں سے محبت نہ ہو گی۔ لیکن جناب سیّدہؑ کی تو حالت ہی عجیب تھی۔ یہ شمع تھے وہ پروانہ تھیں۔ یہ پھول تھے وہ عندلیب تھیں کسی آن نظر سے اوجھل ہونا گوارا نہ تھا۔ ان تعلقات کو اہل نظر دیکھتے تھے۔ اور ایمان کی دوربین سے دیکھتے تھے۔ ان کے قلب کی حالت ہی اور ہو جاتی تھی۔ غالباً اسی لئے دعبل نے اپنے مشہور مرثیے میں واقعۂ جانگزا کیطرف فاطمہ زہراؑ کو ہی مخاطب کیا ہے۔ اور اس طرح مخاطب کیا ہے۔ افاطِمُ قومی یابنۃَ الخیرِ فانْدُبی۔ اے فاطمہؑ اٹھو۔ اے خیر مجسّم کی بیٹی اٹھو اور آنسو بہاؤ۔

حسنینؑ کا ایک واقعہ

ملّا حسین واعظ کاشفی روضۃ الشہدا میں رقمطراز ہیں جسکا ماحصل یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع امیر المومنینؑ کے ایک غزوے میں تشریف لیگئے تھے۔ ایکروز امام حسینؑ گھر سے باہر نکلے کمسنی کا زمانہ تھا۔ ایک باغ میں پہنچکر سبزہ زار کی سیر میں محو تھے۔ جو خود انکی حقیقۃ کا

میں چھپا دیا۔ جناب سیدہؑ پہلے تو منتظر رہیں۔ جب دن چھپنے کا وقت قریب آیا۔ تو حسنؑ سے
فرمایا کہ بیٹا جاؤ تمہارے چھوٹے بھائی اب تک نہیں آئے انہیں بلا کر لاؤ۔ امام حسنؑ حسب ارشاد
مادرِ گرامی گھر سے نکلے۔ مدینہ کی گلیوں میں دیکھا نہ پایا۔ باہر نخلستان میں پہنچے۔ اور چاروں طرف
پکارنے لگے۔ ایک ہرن نظر آیا۔ آپ نے اس سے کہا اے ہرن! تو میرے بھائی حسینؑ کو
جانتا ہے۔ اور انکو کہیں دیکھا ہے؟ وہ بقدرتِ خدا و باعجازِ حسنؑ گویا ہوا۔ کہ آپ کے بھائی
کو صالح بن رقعہ یہودی نے چھپا رکھا ہے۔ آپ اس یہودی کے مکان پر تشریف لائے
اسے آواز دی۔ وہ باہر نکلا۔ دیکھا کہ چشم و چراغِ نبوت دروازے پر کھڑا ہے۔ آپ نے کہا
اے یہودی میرے بھائی کو جلد لیکر آ۔ ورنہ اپنی والدہ سے شکایت کرونگا۔ جنکی بددعا سے ایک
یہودی بھی باقی نہ رہیگا۔ اپنے والدِ گرامی سے شکوہ کرونگا جنکی تلوار کسی یہودی کو باقی نہ رکھے
گی۔ اپنے جدِ نامدار سے گلہ کرونگا۔ جنکی دعا سے تمام یہود فنا ہو جائینگے۔

حقیقت کا اثر دلوں پر بجلی کیطرح گرا کرتا ہے۔ یہودی کانپ اٹھا۔ اور کہنے لگا آپ کی
والدہ گرامی کون ہیں؟ فرمایا فاطمہؑ دختر پیغمبرؐ خدا۔ پوچھا! پدر بزرگوار کون ہیں۔ فرمایا علیؑ مرتضےٰ
قاتل المشرکین۔ دریافت کیا آپ کے جدِ امجد کا نام کیا ہے؟ فرمایا محمد مصطفےٰ۔ یہودی اس
کلام سے متاثر ہو کر عرض کرنے لگا۔ کہ میں آپ کے برادر عالیقدر کو ابھی حاضر کرتا ہوں۔ لیکن
پہلے مجھے کلمہ ایمان کی تلقین فرمائیے۔ آپ نے اسے کلمہ پڑھایا۔ وہ بصدق دل مسلمان ہوا۔ شہزادے
کو لیکر آیا اور دونوں شہزادوں پر اشرفیاں نثار کیں۔ اور امام حسنؑ اپنے بھائی کو لئے ہوئے مادر
بزرگوار کی خدمت میں آئے۔

دوسرے دن یہودی نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو مسلمان کیا۔ اور سب کو لئے ہوئے
خانۂ سیدہؑ پر حاضر ہو کر عفو تقصیر چاہی۔ سیدہؑ نے فرمایا کہ میں معاف کرتی ہوں لیکن انکے
پدر بزرگوار علیؑ مرتضےٰ سے بھی معافی خواہ ہونا۔ جب علیؑ مرتضیٰ اور پیغمبرؐ خدا جہاد سے واپس
ہوئے۔ تو صالح مولائے کُل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کیفیت عرض کرکے عفو تقصیر کا
خواستگار ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم معاف کرتے ہیں لیکن یہ پیغمبرؐ کے لاڈلے ہیں ان سے
معافی چاہنا ضروری ہے۔ وہ خدمت پیغمبرؐ میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسکی خطا معاف کرکے

فرمایا کہ یہ برگزیدگانِ خدا ہیں۔ خدائے تعالیٰ غضب کر... جواب ... صالح ہوگیا

تھا جنگل میں نکل گیا۔ اور سترہ دن تک تضرّع وزاری کے ساتھ توبہ وانابت میں مشغول رہا۔
غفور الرحیم نے اپنے رسوؐل پر وحی نازل کی کہ صالح کو واپس بلالو ہمنے اسکے گناہ معاف کئے
اور دوستوں کی فہرست میں اس کا نام داخل کرلیا۔

بظاہر ایک بزرگ نے جو اسے دوسرے کے حوالے کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلب
یہ تھا کہ اس کا ایمان مکمل اور کامل ہوجائے۔

ولادت حضرت زینب و اُم کلثوم سلام اللہ علیہما

ان صاحبزادوں کی ولادت کے بعد وہ صاحبزادیاں حضرت کے شکم مطہر سے پیدا ہوئیں۔
جن کے نام زینبؑ و ام کلثومؑ ہیں۔ انکی ولادت نے بھی تمام کنبے کو سوگوار بنا دیا خصوصاً حضرت
زینب کی جب ولادت ہوئی۔ تو رسوؐل اللہ مدینے میں تشریف فرما نہ تھے۔ آپ کے نام کی تجویز
حضرت کے تشریف لانے پر ملتوی رکھی گئی۔ جب آپ تشریف لائے۔ تو آپ نے صاحبزادی
کا نام زینبؑ رکھا۔ اور اس کے ساتھ ہی گریہ فرمانے لگے۔ جب سببِ گریہ دریافت کیا گیا تو حضرت
نے واقعات آیندہ کی خبر دی جسے سُنکر تمام کنبہ بے چین ہوگیا۔

صاحبِ قاموس کا بیان ہے کہ لفظ زینَب زَنَب سے نِکلا ہے۔ جسکے معنی فربہی کے ہیں
(یہ بابِ سمع سے ہے) اور ازنب بروزنِ احمر کے معنی زیادہ فربہ کے ہیں۔ اسی لئے عورت
کو زینب کہتے ہیں۔ اور زینب لغتِ عرب میں اس درخت کو بھی کہتے ہیں۔ جسکا پھل خوشبودار
اور دیکھنے میں خوشنما ہو۔ یا اس لفظ کی اصل "زینُ اب" ہے۔ جس کے معنی ہیں "باپ کی زینت"۔

صاحبِ قاموس کی دوسری اور تیسری توجیہ قابلِ قبول ہے۔ کوئی شک نہیں کہ آپکی اولاد
نے دنیا کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اسی طرح آپ اپنے پدرِ بزرگوار کی بھی زینت ہیں۔ جیسا کہ
بعض کتابوں میں آپکا نام "زین ابیہا" "اپنے باپ کی زینت" ہے۔

ان صاحبزادیوں کا نکاح علے الترتیب جناب عبداللہ ابن جعفر طیار رضؓ اور عون ابن جعفر ابن ابی

سے ہوا۔ بعض حضرات مورخین کا یہ التباس کہ جناب ام کلثوم بنتِ فاطمہؑ کا نکاح حضرت خلیفۂ ثانی سے ہوا۔ نہایت مکروہ التباس ہے۔

بعض اعلام کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت ام کلثومؑ حضرت فاطمہؑ کی دوسری صاحبزادی نہیں بلکہ حضرتِ زینبؑ کی کنیت امِ کلثوم ہے۔ یہ بحث سیرتِ زینبیہ کے لئے چھوڑ دیجاتی ہے۔

باب ہشتم

رحلتِ رسولؐ

حجۃ الوداع

زمانہ پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ اور وہ بلائیں جو پردۂ قضا و قدر میں پوشیدہ تھیں۔ اہلبیتؑ سے قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ آج فاطمہ زہراؑ مدینے میں شہزادی تھیں۔ باپ سر پر سلامت تھا۔ بڑے بڑے اکابر قریش فاطمہؑ کے دروازے پر جبہ سائی کرنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔ اکابر مہاجرین و انصار کا فرض تھا۔ کہ فاطمہؑ کے دروازے پر آئیں۔ تو "السلام علیکم یا اہل بیتِ النبوۃ" کہکر سلام کریں۔ خود رسول اللہؐ نے اس سلام کی بنیاد قائم کر دی۔ کیونکہ بعد نزول آیۂ تطہیر بقولے چھ ماہ اور بقولے چالیس دن تک فاطمہؑ کے دروازے پر آتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ "السلام علیکم یا اہلبیتِ النبوۃ" گویا عملی طور سے آپ بتا رہے تھے کہ آیۂ تطہیر کا مورد کون بزرگوار ہیں رسولؐ کی نگاہوں میں جو فاطمہؑ زہرا کی تعظیم تھی۔ وہ کس سے مخفی تھی۔ مسلمانوں کو خواہ دل سے خواہ شرما شرمی سے اس پر کاربند ہونا ہی پڑتا تھا۔ اہلبیتؑ گو اس زمانے میں بلحاظِ ظاہری کچھ امارت و ثروت میں زندگی بسر نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہم کہہ چکے ہیں کہ انکی زینتیں۔ فضلاتِ زمین (طلا و نقرہ) اور فضلاتِ حیوان (ریشم و سنجاب وغیرہ) سے نہیں تھیں۔ بلکہ انکو مزین کرنیوالے جواہرات

ہی تھے - لیکن پھر بھی یہ زمانہ یہی تھا کہ ظاہری رسول کا زمانہ ان کیلئے بادشاہت کا
زمانہ تھا۔

اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ کہ رسولؐ اللہ اپنے صاحبزادے کو کاندھے پر چڑھائے ہوئے ہیں گیسوئے مبارک بجائے مہار ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں۔ اے حسینؑ تمہارا مرکب کتنا اچھا ہے۔ رسولؐ اللہ فوراً جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ بھی تو کہو راکب کتنا پیارا ہے۔

کبھی عید آتی ہے اور حسنینؑ لباسِ نو کی فرمائش کرتے ہیں۔ تو رضوانِ جنّت صاحبزادوں کے لئے لباس لیکر درِ دولتِ فاطمہؑ پر حاضر ہو جاتا ہے۔ اور حسنینؑ لباسِ جنّت سے مزیّن ہوکر رسولؐ کے کاندھے پر سوار عیدگاہ کو جاتے ہیں۔

کبھی رسولؐ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ حسنؑ و حسینؑ میرے باغ کے دو پھول ہیں۔ جو ان کا دوست ہے میں اس کا دوست ہوں۔ اور جو ان کا دشمن ہے۔ میں اس کا دشمن ہوں۔ ان کلمات کو سُنکر رسولؐ کے زمانے میں تو کسی کی مجال نہ تھی کہ فاطمہؑ کو یا حسنینؑ کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ سکے۔ مگر افسوس کہ یہ محفل سب قریب ختم تھی۔ یہ واقعہ درہم برہم ہونیوالا تھا۔ یہ مجلس سنسان ہونیوالی تھی۔ شمع روشن تھی مگر اسکی اُداسی کہہ رہی تھی کہ اب بُجھنے کا زمانہ قریب ہے۔ رونقوں میں اداسیوں کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔ اور فرحت و سرور میں غم و غصّہ کے تلخ گھونٹ کا ذائقہ آنے لگا تھا۔ منادی ندا کر رہا تھا۔ کہ اب یہ واقعات فسانے ہو جائیں گے۔ یہ صحبتیں مٹینگی۔ مگر اوراقِ زمانہ پر ثبت ہوکر خون کے آنسو رُلوائینگی۔ یہ درِ دولت جس پر امیدواروں کا ہجوم ہے۔ اب اس پر خاک اڑنے کے دن آرہے ہیں۔ وہ بارگاہ جس کے پردے نظارگیوں کے نگاہوں کے تارے ہیں۔ اب اسمیں ہُو کا عالم ہوگا۔ کُشتگانِ بدر و اُحد کا انتقام اب رسولؐ کی آلؑ سے لیا جائے گا اور ان کے فضائل و مناقب کے اظہار سے جو آگ دلوں میں بھڑکتی تھی۔ اب اس کے شعلے فاطمہؑ کے دروازے پر نظر آئینگے۔

حیرت اور سخت حیرت کا مقام ہے۔ کہ نبی اور بھی گذرے ہیں۔ پیمبر اور بھی ہوئے ہیں۔ اُمتیں پہلے بھی گذر چکی تھیں لیکن غور سے جب دیکھا جاتا ہے۔ تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ جو سلوک رسولؐ اللہ کی آلؑ سے اور رسولؐ ہاشمی کی اُمت

اترجوا امۃ قتلت حسیناً
شفاعۃ جدہ یوم الحساب

بہر طور اب انقلاب اور عظیم الشان انقلاب کا زمانہ قریب آرہا تھا۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ رسول اللہ کے بعد اسلام نے ترقی کی یا تنزل۔ ہم اس سے غرض نہیں رکھتے کہ رسول کے بعد مسلمانوں کے تمدن میں کس قسم کا تغیر ہوا۔ ہم اس سے تعرض نہیں کرنا چاہتے کہ بعد رسول جس اسلام نے ترقی کی۔ وہ کس قسم کا اسلام تھا۔ ہم تو صرف ایک بات۔ ہاں ایک ہی بات کہنا چاہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ کے بعد رسول کی اولاد یا فاطمہؑ کا خاندان اس طرح نکال کر پھینکدیا گیا جیسے دودھ سے مکھی۔ انکو نہ صرف گوشہ نشین کیا گیا۔ بلکہ تلوار، زہر اور آگ یہ چیزیں ان کے لئے مخصوص کر دی گئیں۔ اہل انصاف کو اس مقام پر اب یہ کہنا پڑے گا۔ کہ یا تو رسول اللہ کی اولاد تھی ہی اسی قابل اور اس سے اسی قسم کے جرائم سرزد ہوئے تھے۔ وہ اسی قسم کے سلوک کے مستحق تھے جو انسے کیا گیا۔ یا مسلمانوں نے ہی دین و دیانت سے آنکھیں بند کرلیں۔ رسول اللہ کے تمام احسانات کو فراموش کر دیا۔ اور محض حصول ریاست و سلطنت کو اپنا مقصد زندگی سمجھ بیٹھے۔ معلوم نہیں مسلمانوں کے دلوں میں ان دونوں میں سے کونسا خیال جاگزین ہے۔

غرض اب وہ زمانہ آگیا۔ کہ رسول اپنے کام کو اختتام پر پہنچا کر ہماری نگاہ ظاہری سے غائب ہونیوالے تھے۔ آپ نے تکمیل تعلیم و تہذیب اسلامی کے لئے اس مشہور حج کا ارادہ کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب اس کے بعد رسول اللہ حج نہ کریں گے۔ بیت الحرام کو قدم رسول سے آخری شرف ملنے والا تھا۔ رکن و حطیم اس کے بعد پائے اقدس کو مس نہ کرسکیں گے میزاب رسول کی فرقت میں ہمیشہ آنسو بہائے گا۔ سنگ اسود لب لعلین رسول کے بوسے نہ لے گا۔ اور منا کی سرزمین اب ان قربانیوں سے محروم ہوجائیگی جو محبوب خدا کے ہاتھوں سے اسی سرزمین پر خدا کی درگاہ میں پیش کیجاتی تھیں۔

اس حج میں اطراف و اکناف کے مسلمانوں کو دعوت دیگئی تھی۔ اور جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی۔ وہاں کے مسلمان فریضہ حج بجالانے کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ کوئی
[illegible]

کی یہ کامل نمائش تھی۔

اس سفر میں جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا بھی ہمراہ تھیں۔ گویا رسولؐ اللہ اپنی نورِ نظر کو ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں سے جُدا کرنا نہ چاہتے تھے۔

غرض فریضۂ حج ادا ہوا۔ تمام احکام عملی طور پر مسلمانوں کو بتائے گئے۔ ارکانِ حج ادا ہوئے رسولؐ اللہ نے واپسی کا قصد فرمایا۔ اثنائے راہ میں جب مقامِ خم غدیر پر پہنچے۔ جہاں سے اسلامیوں کا مجمع منتشر ہونے والا تھا۔ آپ نے تمام مجمع کو ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ جو لوگ آگے بڑھ گئے تھے وہ واپس بلائے گئے۔ جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کا انتظار کیا گیا۔

ٹھیک دوپہر کا وقت۔ گرمی کا موسم، دُھوپ کی شدّت، سُورج آتش فشانیوں پر تلاہُوا تھا۔ اور زمین اسکی حرارت کو جذب کرکے تنور کیطرح دہک رہی تھی۔ سائے کا کہیں کوسوں پتہ نہ تھا۔ ایسی جگہ قیام اور ایسے وقت میں قیام ضرور کوئی معنی رکھتا تھا۔ ہاں! وہ اسرار جو سینۂ رسولؐ میں دفن تھے۔ انکی نسبت حکم ہو رہا تھا۔ کہ اب ان کے اظہار کا وقت ہے اور یہی وقت ہے۔ وہ امانت جو سونپی گئی ہے۔ اب اس کے ادا کرنے کا زمانہ آپہنچا۔ اس حکمِ محکم سے تخلف کسی طرح جائز نہیں۔ اس امانت کے ادا کرنے میں اگر کسی کیطرف سے نقصان پہنچنے کا خیال ہے تو یاد رکھو کہ خدا قوی و قادر ہے۔ اور وہ تمہیں ہر قسم کی شرارتوں سے محفوظ رکھیگا۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر یہ امانت ادا نہ ہوئی۔ تو پھر تمام خدمات نسیاً منسیا ہو جائینگی" اِن لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ" اگر تم نے یہ کام نہ کیا۔ تو تم نے خدا کے پیغام کی تبلیغ نہیں کی حاکمِ مطلق کے اسی حکم نے رسولؐ اللہ کو آمادہ کیا۔ کہ یہ رسالت اس شان سے پہنچائی جائے کہ قیامت تک اس کے چرچے زبانوں پر اور اس کے اثرات دلوں پر باقی رہجائیں۔

آپ نے کجاوں کو جمع کرکے ایکدوسرے پر رکھکر منبر بنایا۔ اس پر کھڑے ہوئے۔ شمسِ رسالتؐ کے پہلو میں آفتابِ امامت جلوہ گر تھا۔ پہلے آپ نے حاضرین کے سامنے ایک طویل اور فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ اپنی شان کا پہلا خطبہ تھا اور کہنا چاہیئے کہ یہی آخری خطبہ بھی تھا۔ اس خطبہ کے بعد آپ نے فرمایا اَیُّھَا النَّاس اَلَسْتُ اَوْلٰی مِنْ اَنْفُسِکُمْ اے لوگو کیا میں تمہارے نفوس پر حاکم اور مُتصرف نہیں ہوں۔ قَالُوا بَلٰی سب نے بالاتفاق عرض کیا ضرور بالضرور۔

اگر کوئی مبصرِ ایمان کی روشنی میں دیکھے تو اس کا دل ایسی کیفیتوں سے لبریز ہو جائیگا۔ جن کا اظہار زبان سے ممکن نہیں ہے۔ خیال کرو۔ اور عقل کی روشنی میں اپنی سابقہ حالت پر نظر ڈالو۔ اجسام واجساد کی ابھی نمود نہیں۔ تکوینِ نسن ابھی علمِ الٰہی میں ہے۔ روحین عالم ذر میں تجرد کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ خالق الارواح انکو مخاطب کرتا ہے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا مربّی اور پرورش کرنے والا نہیں۔ قَالُوْا بَلٰی سب اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہاں تو ہی پروردگار ہے وہ نقشِ اوّل تھا۔ اب نقش ثانی کا بھی وہی رنگ ہے۔ وہی نغمۂ دلربائے "اَلَسْت" جسکی یاد آج تک ذرات عالم کو بے چین کئے ہوئے ہے۔ پھر حجاز کی سرزمین میں مظہر الوہیۃ کی زبان سے ادا ہوا۔ وہاں ادعائے ربوبیت تھا۔ یہاں ادعائے ولایت ہے۔ کیا یہ دونوں لفظ حقیقتِ واحدہ نہیں رکھتے۔ کیا معنیٰ ربوبیت میں معنیٰ ولایت مضمر نہیں؟ کیا مفہوم ولایت مفہوم ربوبیت کو چھپائے ہوئے نہیں ہے؟

بعض متکلمین کا قول ہے کہ کلام خدا کے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ کسی جسم سے آواز پیدا کرتا ہے اسی کو کلامِ خدا کہتے ہیں۔ اچھا اسے بھی تسلیم کر لو۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکال لو۔ کہ کلام سے پہلے کسی جسم کا ہونا ضرور ہے جس سے یہ آواز بلند ہو۔ اب کیفیتِ "الست بربکم" پر نظر ڈالو۔ اس آواز کیلئے بھی کوئی جسم ضرور ہوگا جس نے صدا دی ہوگی۔ اگر یہ جسم اولِ مخلوق کا جسم تسلیم کیا جائے۔ تو کونسی قباحت لازم آتی ہے۔ کہدو اور قلبِ مطمئن کے ساتھ کہدو۔ کہ منادی اول بھی محمدؐ تھا جس نے اپنی تربیت اور اس کے ضمن میں خالقِ مطلق کی ولایت مطلقہ کا اقرار لیا۔ اور منادی آخر بھی یہی ہے۔ جو آج اپنی ولایت اور اسی کے ضمن میں ربوبیت کا اقرار لے رہا ہے فہو الاول وھو الآخر وھو الظاہر وھو الباطن۔

بہرطور وہی صدائے "الست" جسے مادی لباس میں آکر روح فراموش کر چکی تھی آج مظہرِ الوہیت نے اسی کی تجدید کی۔ اور وہی نغمۂ ہوش ربا جس نے ایک قہری اقرار وہاں لے لیا تھا آج بھی اسی صدا نے ہوش و خرد پر جال مار کر لوگوں کو فطرتِ اصلیہ کیطرف لوٹا دیا۔ اور اپنی کامل حکومت کا رنگ دکھا کر سب کی زبانوں سے فریادِ "بلیٰ" بلند کرا چھوڑی۔ ولہٗ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون۔ زمین و آسمان اور جتنے ذوی العقول

ان میں ہیں۔ سب کے سب محمدؐ کے سامنے جھکائے گئے خواہ برغبتِ خاطر خواہ باکراہ۔ سب کو اس
کے سامنے جھکنا پڑا۔ اور سب کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے۔ خشعت الاصوات للرحمٰن
فلا تسمع الا ھمسًا۔ تمام آوازیں رحمٰن (اور مظہر رحمٰن) کے سامنے پست ہیں۔ اگر کوئی آواز
سنائی دی بھی تو بہت خفیف جسکی کوئی وقعت نہیں۔

حقیقۃً جب خداوندِ عالم اپنی قدرتِ کاملہ کے جلوے دکھاتا ہے۔ تو پھر کسی ذی روح کی
کیا مجال ہے کہ اس کے سامنے چون وچرا کر سکے! اور جب اسکی حکمت پنجۂ جبر گردنوں پر سے اٹھا
لیتی ہے۔ تو کچھ غوغا بلند ہوتا ہے۔ یہی کیفیت مظاہر الٰہیہ کی ہے۔ کہ جب وہ قوتِ قہریہ کا
استعمال کر کے نفوس پر حکومت کرتے ہیں۔ تو کسی کو سوائے "بلیٰ" کہنے کے چارہ نہیں رہتا۔ بخٍ بخٍ
کی صدائیں بلند ہوتی ہیں لیکن جب حسب اقتضائے مصلحت لوگوں کو ان کے ارادے پر چھوڑ
دیتے ہیں۔ تو پھر انسان کچھ شور مچا لیا کرتا ہے۔

جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ جو خالقِ جلّ وعلےٰ کے مظہرِ اتم تھے۔ اِدھر انکی زبان سے
"اَلستُ بِاَولیٰ بِکُم" نکلا اُدھر نفوس عالم نے بے اختیار ہو کر اقرار کی گردن جھکا دی۔ معاً ہی آپ نے
فرمایا فمن کنتُ مولاہ فھذا علیٌ مولاہ۔ سنو۔ دیکھو۔ توجہ کرو۔ جس کا میں مولا اور حاکم ہوں
اس کا یہ علیؑ بھی مولا اور حاکم ہے۔ جس طرح میری حکومت تمہارے نفسوں پر ہے اسی طرح علیؑ کی
بھی حکومت ہے۔ میری حکومتِ ظاہری کا زمانہ ختم ہوا۔ اب اِسکی حکومت کا زمانہ آگیا ہے تم چاہو
یا نہ چاہو۔ تمہارے قلوب اسکی انگلیوں میں ہیں۔ یہ حکومت زائل ہونیوالی نہیں۔ اسکو کوئی چھین
نہیں سکتا۔ یہ نہ اجماع کی محتاج ہے نہ شوریٰ کی۔ یہ ایک عطیۂ خالقِ مطلق ہے۔ اگر کوئی اس حکومت
کے سائے میں آجائیگا۔ تو خود فلاح پائیگا۔ اور اگر کوئی انکار کریگا۔ تو خود اپنا ہی کچھ گنوائے گا
عالم اور دلی زمانہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ فوجود الامام لطفٌ ونصبہٗ لطفٌ آخر وعدمہٗ
منّا وجود امام ایک لطف باری ہے بحکم آیہ وَابتَغُوا اِلَیہِ الوَسِیلَۃَ (خدا تک پہنچنے کے لئے
وسیلہ ڈھونڈلو) ہر زمانے میں ایسا وجود وہ مقرر کرتا ہے۔ جو اس تک پہنچانے کا ذریعہ ہو سکے۔ اب
رہا اس کا مسندِ ظاہری پر متمکن ہونا۔ اس کا ظہور وعدمِ ظہور ہماری سعادت وشقاوت پر ہے اگر ہم

اس کے احکام علی الاعلان ظاہر ہو سکیں گے۔ اس کے اوامر و نواہی سے دنیا مستفید ہوگی۔ اسکی تعلیم صحیح سے اہل قلوب فائدہ اٹھائینگے۔ اور اگر ہمارے ہی دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ تو ہم اسکے مطیع نہ ہوں گے۔ پس حکومت ظاہری کی تعطیل کا سبب ہم ہی ہوتے ہیں۔ اور اس کے نقصان ہماری ہی ذات کے لئے ہیں۔ امام برحق اور ولی مطلق پر اس سے کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔ کیونکہ امور الٰہیہ کی بنا اختیار پر رکھی گئی ہے نہ کہ جبر پر۔ فافہم و تدبر۔

غرض وہ الفاظ اور اسلامی دنیا میں پیغمبرؐ کے مشہور و معروف الفاظ "من کنت" جب آپ کی زبان سے نکل رہے تھے۔ تو آپ نے علی مرتضےٰؑ کا بازو پکڑ کر بلند کر رکھا تھا۔ اور اسقدر بلند کر رکھا تھا کہ دیکھنے والوں کو سفیدی بغل کی نورانی تحریر نظر آرہی تھی۔

آپ منبر اور کجاووں یا پتھروں کے منبر سے یہ فرماتے ہوئے اترے اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ خداوندا جو اسے دوست رکھے اسے دوست رکھ جو اسے دشمن رکھے اسے دشمن رکھ۔ جو اسکی نصرت کرے۔ اسکی نصرت کر۔ اور جو اسکی برائی چاہے تو اسے مخذول فرما۔

اہل اسلام میں لفظ "مولا" پر بہت کچھ چہ میگوئیاں ہوئی ہیں۔ اور مشاجرات علمیہ کا ایک اچھا خاصہ باب اسی لفظ پر کھل گیا ہے۔ افسوس ع

چون ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ناصر و مددگار اگر لفظ "مولا" کے معنی لئے جائیں۔ تو جب بھی وہی مطلب حاصل ہے۔ اگر دوست اس کے معنی قرار دیئے جائیں۔ جب بھی اصل مطلب میں خلل نہیں پڑتا۔ پھر اس ہڈی چچوڑنے سے فائدہ کیا نکلتا ہے۔ مفہوم کلام یہ ہے۔ کہ جو شان پیغمبرؐ کی تھی۔ وہی شان علی کی تسلیم کرنی پڑیگی۔ والسلام۔ بقول شاہ صاحب جائسی۔

عبث در معنی من کنت مولا میروی ہر سو
علی مولا بآن معنی کہ پیغمبرؐ بود مولے

غرض حجۃ الوداع اور اعلان ولایت شوہر زہرا یہ دو زبردست کام تھے جن سے فرصت

پر مشتمل بحث کرنا رسول اللہ کی سو شمری سے والے کا قصہ ہے۔

حجۃ الوداع سے واپس آکر تقریباً سوا دو مہینے گلِ سرسبدِ رسالت گلشنِ عالمِ اجسام کی زینت رہا۔ اس عرصے میں واقعاتِ مختلفہ ظہور میں آئے۔ جن کا مجموعی طور پر اہلبیتؑ سے زیادہ تعلق ہے جنمیں جنابِ فاطمہؑ داخل ہیں۔ اسی زمانے میں آپ نے باوقاتِ مختلفہ فرمایا انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی اهلبیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلّوا بعدی وانهما لن یفترقا حتی یرِدَا علی الحوض۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑنے والا ہوں ایک کتابِ خدا دوسری میری عترت میرے اہلبیتؑ۔ جبتک تم ان دونوں سے تمسک کرتے رہوگے تو ہرگز ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ اور بیشک یہ دونوں چیزیں باہم جدا نہ ہونگی۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔ اس حکم کی تعمیل اگر اسلام میں دیکھنا چاہو۔ تو "حسبنا کتاب اللّٰہ" کیصورت میں آپکو نظر آئے گی۔

اسی زمانہ میں مشہور واقعہ قرطاس دنیا میں نمودار ہوا یعنی رسولؐ اللہ نے بحالتِ بیماری کاغذ اور قلم دوات طلب فرمایا۔ اور کہا میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھے دیتا ہوں۔ جس پر عمل پیرا ہونا تمہاری فلاح اور نجات کا سبب ہوگا۔

قصّۂ قرطاس

یہ قصہ بھی اسلامی مناظرے کا ایک بہت بڑا باب ہے۔ اصل یہ ہے کہ حضرت عمر اس کے مانع ہوئے۔ اور جن لفظوں میں ممانعت کیگئی۔ ہم انہیں لکھنا بھی ناپسند کرتے ہیں اہلسنت کا یہ خیال ہے کہ حضرت عمر نے جو اس موقعہ پر فرمایا کہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔ یہ ان کا اجتہاد نہایت صحیح اجتہاد تھا۔ شیعہ یہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت عمر کا اجتہاد رسولؐ اللہ کے ارشاد کے مقابلے میں صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور یہ خیال کرنا کہ رسولؐ اللہ بدحواسی کی حالت میں ایسی درخواست کر رہے ہیں رسولؐ اللہ کی انتہائی توہین ہے۔ سُنی صاحبان نے معاملے کا ایک اور بھی منطقی پہلو نکالکر داد تحقیق دی ہے۔ وہ یہ کہ اول تو قرآن تمام و کمال نازل ہوچکا تھا۔ احکام جتنے تھے وہ سب آچکے تھے۔ جس پر آیہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ گواہ ہے۔ پس اب جو رسولؐ اللہ کوئی بات لکھنا چاہتے تھے۔ اور وہ

اگر روکے وہی تھا جن کا ادا کرنا واجب تھا تو حضرت عمر کی اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ رسول اللہ کو ادا فرض سے روک سکتے۔ رسول اللہ نے جو سکوت فرمایا۔ یا تو یہ کہو کہ آپ نے ترکِ واجب کیا اور یا یہ تسلیم کرو کہ وہ کوئی ضروری بات نہ تھی۔ اور حضرت عمر کی رائے اس بارے میں نہایت صحیح تھی۔

شیعہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ارشادِ رسول کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریر کا تعلق ہدایتِ امت سے تھا۔ اسمیں تو شک و شبہ نہیں ہے۔ جیسا کہ کلمہ "اکتب لکم کتابا لن تضلوا" بتا رہا ہے اور اقلاً مدِ مقابل کو اتنا تو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ وہ امور جو ہدایتِ امت کے متعلق ہیں رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اتنا تسلیم کر لینے کے بعد یہ دیکھو کہ کسی نوشتے کے لکھنے سے یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ کسی امرِ جدید کو ہی رسول اللہ لکھنا چاہتے تھے۔ بلکہ بہت ممکن ہے کہ انہیں معاملات کو جن کا امت پر اثر پڑنے والا تھا۔ قیدِ قلم میں لانیوالے ہوں۔ اس میں کونسی قباحتِ عقلی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ خود رسول اللہ نے کیوں سکوت فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ رسول اللہ کا کام تبلیغِ رسالت ہے۔ رسالت کی تبلیغ ہو چکی۔ رسول نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب فرض ان لوگوں کا تھا جن سے خطاب کیا گیا تھا انھوں نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ وہ قلم دوات نہیں لائے۔ انکی عدول حکمی کا اثر رسول کی رسالت پر نہیں پڑ سکتا۔ وہ ہر طرح سے کامل و مکمل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے کیوں نہ ارشاد کی تعمیل کی۔ شیعہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب یہ واقعہ ہوا ہے یعنی رسول اللہ نے قلم دوات طلب کیا ہے۔ تو اسوقت اختلاف رائے ہوا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ قلم دوات لے آؤ۔ کچھ کہتے تھے کہ نہیں اسکی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ حالتِ مرض میں ایسا حکم دے رہے ہیں۔ اسمیں آوازیں بلند ہوئیں۔ اور حاضرین نے لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ کا بھی خیال نہ رکھا۔ اسوقت رسول اللہ نے فرمایا قُومُوا عَنِّي لَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے سامنے باہمی نزاع اور شور و شغب جائز نہیں ہے جس پر انلوگوں کو اٹھکر چلا جانا پڑا۔ اب اگر حضرت علیؑ قلم دوات لیکر آتے تو اس کا فائدہ کیا تھا۔ اگر تحریر لکھی جاتی تو اس تحریر کی نسبت بھی ہم آج یہ لفظ کتابوں میں دیکھتے کہ یہ تحریر زمانہ مرض کی ہے۔ بقائمی ہوش و حواس نہیں لکھی گئی۔ لہذا اسپر عمل جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ فقہائے اسلام نے تو آج بھی رسول اللہ کو اپنے فتووں کا محکوم بنا رکھا ہے۔ خواہ وہ کسی فریق کے ہوں۔

شیعوں کا خیال ہے کہ وہ تحریر حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق تھی یعنی خمِ غدیر میں جن الفاظ کا اعلان رسول اللہؐ نے کیا تھا۔ انہیں باقاعدہ تحریر کرنا چاہتے تھے۔ اہلسنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق رسول اللہ یہ تحریر لکھنے والے تھے۔ جس کے متعلق کچھ روایات بھی پیش کیجاتی ہیں۔

ہم حضرات اہلسنت سے ہی اتفاق کرتے ہوئے یہ ضرور کہیں گے۔ کہ جس شخص نے ابوبکر صاحب کے لئے اس تحریر سے روکا۔ وہ ان کا سخت دشمن تھا۔ اور اُس نے بہت بڑے فساد کی بنیاد رکھ دی۔

خیر۔ اس دعوے کو تو آپ طرفین کے تعصّب پر محمول کر لیجے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایک غیر آدمی جسکو فریقین سے لگاؤ نہ ہو۔ جب اس واقعہ پر غور کریگا۔ تو وہ کیا نتیجہ نکالے گا؟

واقعہ کی صحت میں تو کلام نہیں ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ متواترات اسلامیہ سے ہے اب رہا یہ امر کہ حضرت عمرؓ نے ممانعت کی یا کسی اور نے۔ اس اختلاف کو چھوڑ دیجے۔ صرف اتنا لب لباب لے لیجے۔ کہ ممانعت کیگئی۔ اس ثبوت کے بعد مندرجہ ذیل تنقیحیں قائم کر لیجے۔

(۱) اگر رسول اللہ کوئی تحریر لکھدیتے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ آیا امت کی اسمیں بہتری ہوتی؟ آیا امت میں اس سے فتنہ و فساد پیدا ہوتا؟

تنقیح اوّل کی شق ثانی قابلِ قبول نہیں۔ اس لئے کہ اگر تحریر رسول کو مایہ فساد مانا جائے تو لازم آئے گا کہ جتنے ارشادات رسولؐ نے فرمائے ہیں۔ جن میں سے اوّل نمبر قرآن کا ہے۔ وہ بھی مایۂ فساد قرار دیئے جائیں۔ جسے کوئی مسلمان قبول نہیں کریگا۔

(۲) ممانعت جو تحریر سے ہوئی۔ آیا اس میں کچھ بہتری ظاہر ہوئی؟ اور اگر اس کا نتیجہ بہتر نکلا تو کیا یہ بہتری اس فائدے سے بڑھی ہوئی ہے۔ جو تحریر ہو جانے کیحالت میں مترتب ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عدم تحریر سے کسی فائدہ عمومی کا تصور نہیں ہوتا۔ پس ان تمام تنقیحات کا نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ کہ رسول اللہ کے ارشاد کی اگر تعمیل ہو جاتی۔ تو وہ یقیناً امت کیلئے بہتر بات تھی۔ اور جس شخص نے اس تحریر سے روکا۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ وہ امتِ مرحومہ میں ایک عظیم فتنے کا بانی قرار پا گیا۔ یہ نتیجہ ایک قہری نتیجہ ہے۔ جو واقعات کو جانچتے ہوئے نکالنا پڑیگا۔

اہلِ انصاف سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس واقعہ سے رسول اللہ کے قلب پر کیا اثر کیا ہوگا۔ یہ زمانہ اپنی بیماری کا زمانہ تھا۔ مرض روز بروز شدت پر تھا۔ اور آج اس زہر کا اثر نمودار ہو رہا تھا جو خیبر میں آپکو ایک زنِ یہودیہ نے دیا تھا۔

مرض کے زمانے میں فاطمہ زہراؑ صلوات اللہ علیہا اپنے پدر بزرگوار کے سرہانے بیٹھی رہتی تھیں۔ حسنینؑ کے چہروں پر اب اس مسرت کا خون ہی نہ رہا تھا۔ جواب سے پہلے دیکھا جاتا تھا۔ نانا کے چہرے کو دیکھتے تھے۔ اور کلیجہ مسوس کر بیٹھ جاتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے متعلق تمام گھر کی سرپرستی تھی۔ جناب سیدہؑ ابرِ نو بہار کیطرح آنسو برساتی رہتی تھیں۔ اور رسول اللہؐ صاحبزادی کو تسلی و تشفی دیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ نے صاحبزادی کو بلایا۔ آپ تشریف لائیں تو مرحبا یا بنتی کہکر اپنے پاس دائیں طرف بٹھالیا۔ اور کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں جنہیں سنکر جناب سیدہؑ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ اس کے بعد شاہنشاہِ دو عالمؐ نے پھر کچھ آہستہ سے فرمایا۔ جسے سُنکر سیدہؑ کے چہرے پر مسرت کی جھلک نمودار ہوئی۔ حضرت عائشہ نے سوال کیا کہ ایک ہی وقت میں غم و مسرت کا اظہار کیا معنی رکھتا ہے؟ آپ سے رسول اللہؐ نے کیا فرمایا۔ آپ نے جوابدیا کہ میں حضرتؐ کے راز کو افشا نہیں کر سکتی۔ یہ جواب فی الحقیقۃ ایک زبردست سبق تھا کتابِ اخلاق کا۔ غرض وہ وقت گذر گیا۔ بعد وفاتِ سرورِ کائناتؐ پھر جناب عائشہ نے ایکدن پوچھا آپ نے جوابدیا کہ پہلے آنحضرتؐ نے مجھے اپنے انتقال کی خبر دی جس پر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ دوبارہ فرمایا کہ کیا تم اس امر سے خوشنود نہیں۔ کہ تم سیدۂ زنانِ جنت ہو اور میرے اہلبیتؑ میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی۔ اس خبر نے مجھے مسرور کر دیا۔

روایات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب رسولخداؐ نے بیمار ہونے کے بعد حضرت فاطمہؑ کے ہی حجرے میں قیام فرمایا۔ اور اسی حجرے سے آپکی مقدس روح اعلیٰ علیین کیطرف پرواز ہوئی اس مرض کے دوران میں رسول اللہ کی یہ حالت تھی۔ کہ جب شدتِ مرض سے افاقہ ہوتا تھا اپنے صاحبزادوں کو سینے سے لگا لیتے تھے۔ صاحبزادے جب آنسو بہاتے تھے۔ تو رسول اللہ کی مقدس

روایت ہے کہ ایکروز علالت کے زمانے میں اسقدر روئے کہ ریش مقدس آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ آپ اسقدر کیوں گریہ فرماتے ہیں۔ آپ نے جوابدیا کہ میں اپنی ذریت کے حال پر رو رہا ہوں۔ اور ان مظالم پر آنسو بہا رہا ہوں۔ جو میری امت کے شریر میری ذریت پر روا رکھیں گے۔ گویا میں اپنی بیٹی فاطمہؑ کو دیکھ رہا ہوں۔ کہ میرے بعد اس پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ وہ بابا۔ بابا کہکر چلاتی ہے۔ اور کوئی اسکی مدد نہیں کرتا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ذلت اس کے گھر میں داخل ہوئی۔ اسکی حرمت ضائع کیگئی۔ اس کا حق چھین لیا گیا وہ میراث سے ممنوع و محروم کردیگئی۔ اس کا پہلو مجروح کیا گیا۔ جس سے اس کا بچہ ساقط ہوا۔ جناب سیدہؑ ان کلمات کو سنکر زار زار رونے لگیں۔ آپ نے دلاسا دیا۔ جناب سیدہ نے عرض کیا کہ میں اپنی مصیبتوں پر نہیں روتی۔ بلکہ آپکی جدائی پر آنسو بہاتی ہوں! اسوقت پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اے میری نورِ نظر۔ اے محمدؐ کی بیٹی خوش ہو کہ تم میرے اہلبیتؑ میں سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہوگی بروایتے فرمایا کہ تم میرے بعد ساڑھے بہتر دن سے زیادہ دنیا میں قیام نہ کروگی! اور رحلت سے پہلے تمہارے پاس جنت کے میوے بطور تحفہ آئیں گے۔ اس خبر سے جنابِ فاطمہؑ نے تبسم فرمایا۔

روزِ مصیبتِ کبریٰ

انہیں حالات میں آخر وہ دن آگیا جسدن اہلبیتؑ کے سروں سے ایک ایسے سرپرست کا سایہ اٹھنے والا تھا جس کے اٹھتے ہی اہلبیتؑ کے سروں پر مصیبتوں کے بادل چھا جائینگے یہ دن دوشنبہ کا دن تھا۔ فاطمہؑ کی یتیمی کا دن تھا۔ حسنینؑ کے گریبان چاک ہونے کا دن تھا۔ علیؑ مرتضےٰ کے خاک اڑانے کا دن تھا۔ اسلام کی تباہی کا دن تھا۔ سرورِ کونین کی رحلت کا دن تھا۔ یہ وہ دن تھا جسکے بعد فاطمہؑ کی آنکھوں سے آنسو نہ تھما۔ یہ وہ دن تھا جسکے آتے ہی اہلبیتؑ کی وقعتیں مسلمانوں کی نظروں سے اٹھ گئیں۔ یہ وہ دن تھا جسدن اسلام کی کشتی طوفانِ اختلاف میں پڑنے والی تھی۔ یہ وہ دن تھا جسدن دینِ خدا کے ٹکڑے ہونیوالے تھے۔ مسلمانوں کی بندھی ہوئی مٹھی کھلنے والی تھی۔ اتفاق کی جگہ نفاق کے خاردار درخت لینے والے تھے! اور اتحاد کے

تاجِ تقدس پہنے والے تھے۔ یہ وہ دن تھا جبدن شیطان کے لشکر میں سرور و مسرت کی شراب کا دور چلنے والا تھا۔ یہ وہ دن تھا جسدن مسلمان اپنے نبیؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہونے سے اقوامِ عالم کی نظر میں ذلّت و رسوائی کا لباس پہننے والے تھے۔ یہ وہ دن تھا جس دن وحیِ تنزیلِ قرآن کا سلسلہ ٹوٹنے والا تھا۔ یہ وہ دن تھا کہ مدینے کی گلیاں فیض قدم پیغمبرؐ سے محروم ہونیوالی تھیں۔ یہ وہ دن تھا جسدن اہلبیتؑ کے گھر میں تا قیام قائمؑ صفِ ماتم بچھنے والی تھی۔ اسلام کی زندگی میں یہ ایک عظیم الشان انقلاب کا دن تھا۔ دنیائے ایمان میں کہرام مچ جانے کا روز تھا۔ اور عرب کی شرافت کا وہ تاج ڈھلنے والا تھا۔ جس نے وحشیانِ عرب کو جہالت کی تاریکیوں سے نکالکر علم کے بازار میں لاکر کھڑا کر دیا۔

قیامت کا دن۔ قیامتِ کبریٰ کا دن۔ اور وہ دن جسکی نحوست دنیائے اسلام پر چھا جانے والی تھی۔ شمسِ رسالت غروب ہونے کے قریب تھا۔ تاریکیاں پھیلنے والی تھیں۔ اور زمین و آسمان میں صدائے دلخراش قدماتِ محمدؐ گونجنے والی تھی۔

یہی سورج جو آج چمک رہا ہے اُسدن بھی درخشان تھا۔ مگر تابندگی میں اُداسی ملی ہوئی تھی۔ یہی آسمان جو آج سایہ فگن ہے۔ اُسدن بھی تھا۔ لیکن اس سے اندوہ و ملال اور انتہائی اندوہ و ملال کی بارشیں ہو رہی تھیں۔ یہی چاند۔ یہی ستارے۔ یہی سیارے اُسدن بھی اپنی اپنی درخشندگی اور سیر میں مصروف تھے۔ لیکن روشنی کی کرنوں میں تاریکی مِل جُل رہی تھی۔ اور ہر سیارے کی چال میں وہ بیتابی و بیقراری مضمر تھی۔ جسے رقصِ بسمل کہا جا سکتا ہے۔

رسولؐ اللہ پر غشی کا غلبہ تھا۔ فاطمہؑ سرہانے بیٹھی زار زار رو رہی تھیں۔ حسنینؑ کے ننھے ننھے گریبان چاک تھے۔ اور معصوم چہرے نانا کی طرف تک رہے تھے۔ ایک ایک نگاہ میں ہزار ہزار مایوسیاں تھیں۔ اور ایک ایک نظر میں لاکھ لاکھ اُداسیاں۔ اتنے میں دروازے پر ایک اعرابی نے آواز دی۔ کہ اے اہلبیتِ نبوتؐ۔ مجھے اجازت دیدیجے۔ حاضرِ خدمتِ رسولؐ ہونا چاہتا ہوں۔ اِدہر سے جواب دیا گیا کہ رسولؐ اللہ میں اسوقت ملاقات کی حالت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر اس نے آواز دی۔ کہ مجھے اجازت عطا ہو۔ پھر عذر ناسازیِ طبع

کیا گیا۔ تیسری مرتبہ وہ شخص زور سے چلایا۔ رسول اللہ نے آنکھیں کھولدیں۔ سیدہ کے چہرے کا رنگ پہلے ہی متغیر تھا۔ پوچھا۔ جانِ پدر! کیا ہے۔ اضطراب کیسا ہے؟ عرض کیا۔ بابا جان! ایک شخص دروازے پر کھڑا ہے۔ اذنِ ملاقات چاہتا ہے۔ اور ایسے نازک وقت میں ملنا چاہتا ہے۔ فرمایا۔ اے فاطمہؑ اے نورِ نظر! آنے دو! اسے آنے دو۔ اسے اذن دو یہ تمہارے اذن کا طالب ہے۔ فاطمہؑ جانتی ہو یہ کون ہے؟ یہ عورتوں کو بیوہ کرنے والا ہے یہ بچوں کو یتیم کرنے والا ہے۔ یہ قابض الارواح ہے۔ یہ ملک الموت ہے۔ فاطمہؑ! یہ تمہارے گھر کا شرف ہے۔ کہ بغیر اذن اسکی مجال نہیں کہ یہاں قدم رکھ سکے۔ ورنہ اسے کہیں اذن لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ منزلت خدا نے تمہارے ہی گھر کو عطا کی ہے۔ اب اسے بلالو! جانِ پدر! بلالو۔ وقت آپہنچا۔ اور تمہاری یتیمی کی ساعت سر پر آگئی۔ سیّدہ نے ان جگر خراش کلمات کو سُنا۔ آنیوالے کو اذن دیا گیا۔ وہ حاضرِ خدمت ہوا۔ سلام کیا اور پہلوئے رسول میں بیٹھکر عرض پرداز ہوا۔ کہئے خادم کے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا۔ ٹھیرو۔ ملک الموت ٹھیرو۔ جبرئیل آنے والے ہیں انہیں آلینے دو۔ رسول اللہ نے صاحبزادوں کو سینہ سے لگایا۔ انکی خوشبو سُونگھی۔ پیار کیا۔ صبر و شکر کی تلقین فرمارہے تھے۔ کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ آج جہنم سرد کردیئے گئے۔ تمام آسمانوں میں آرائش کیگئی ہے جنتیں دلہن بن رہی ہیں۔ انبیاء آپ کے استقبال کے لئے اِستادہ ہیں۔ اب آپکی کیا مرضی ہے، آپ نے فرمایا یہ سب خدا کا فضل و احسان ہے۔ میں اب اسکی لقا کا طالب ہوں۔ غرض جبرئیل سرہانے بیٹھے۔ ملک الموت کو اذن دیا گیا۔ وہ اپنے کام میں مشغول ہوا۔ فاطمہؑ دیکھ رہی تھیں حسنینؑ تک رہے تھے۔ علیؑ مرتضےٰ حسرت و یاس کی نگاہیں ڈالی رہے تھے۔ کہ مسند آرائے مملکتِ قدس نے عالمِ قدس کیطرف رجعت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اور ایک ہاتفِ غیبی نے آواز دی۔ السّلامُ علیکم یا اھل بیت النبوۃ و رحمۃ اللہ و برکاتہ کل نفسٍ ذائقۃ الموت و انما توفون اُجورکم یوم القیامۃ۔ اے اہلبیت نبوتؐ تم پر سلام ہو۔ خدا کی رحمتیں اور اسکی برکتیں تم پر نازل ہوں۔ ہر نفس موت

اس واقعہ پر اہلبیت کی جو حالت ہوئی۔ قلم میں قدرت نہیں۔ کہ اس کا نقشہ کھینچ سکے دماغ میں گنجائش نہیں۔ کہ اس کے تصور کا تحمل ہو سکے۔

علی المرتضٰے نے تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا۔ اپنے بھائی کو خود اپنے ہاتھوں سے غسل دیا کفن پہنایا۔ نماز پڑھی۔ اور وہ نورانی جسم جو حاملِ انوارِ رسالت تھا۔ سپردِ خاک کر دیا گیا۔

یہ ایک واقعہ ہے اور کھلا ہوا واقعہ کہ مقتدر اصحاب میں سے کسی کو اپنے رسول کے جنازے پر نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ سوائے سلمان و ابوذر و عمار و مقداد کے جو غریب مسجد میں بیٹھے رو رہے تھے۔ اور کوئی تجہیز و تکفین کیطرف متوجہ نہیں ہوا۔ انصار میں سے ایک قبر کن کا نام بتایا جاتا ہے۔ کہ وہ بے چارہ آگیا تھا۔ چند خاندان کے لوگ تھے جنہوں نے بزرگِ خاندان کی یہ آخری خدمت انجام دی۔ وہ نہ کرتے تو اور کون کرتا۔ وہ پیغمبرؐ کے لاشے کو چھوڑ سقیفہ میں جا نہیں سکتے تھے۔ اب صاحبانِ تاویل اس عدم شرکت کی کچھ ہی تاویل کیا کریں۔ تاویل میں مدِ مقابل بھی آزاد ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وقت گذر گیا بات رہ گئی۔ اور ہمیشہ کے لئے رہ گئی۔ ابتدائے فتنہ انصار کیطرف سے ہو یا مہاجرین کیطرف سے۔ اس فتنے کا ابتدائی نتیجہ تو یہی تھا۔ کہ شرکتِ تجہیز و تکفین پیغمبرؐ کی نوبت نہ آئی۔ گویا پیغمبرؐ سے قطع تعلق ہو گیا۔ قبل اسکے کہ قطع تعلق کا وقت آئے۔ پھر یہ قطع تعلق روز بروز بڑھتا ہی رہا حتیٰ کہ آج بعد المشرقین کی نوبت پہنچگئی۔ ہمارا اسلام اب رسمی اسلام ہے۔ اور ہمارا ایمان رسمی ایمان۔ زبان پر پیغمبرؐ کی نعت ہے۔ اور دل شیطان کی قصیدہ خوانی کر رہا ہے۔ یہ حالت عام طور سے مسلمانوں کی ہے۔ اسمیں کسی کی تخصیص نہیں۔ اس حمام میں سب برہنہ نظر آرہے ہیں

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا

اِلَیْہِ

راجعون

بابِ نہم

پیغمبرؐ کے بعد فاطمہ زہرا کی حالت

فاطمہ زہراؑ کے مرثیے

جس کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ وہی کچھ اسکی حقیقت سے خبردار ہوتا ہے۔ دنیا کی دیکھا دیکھی چار آنسو بہا لینے اور چیز ہیں۔ لیکن انمیں اس خون کی جھلک نہیں ہوتی۔ جو دل سے ٹپکا کرتی ہے۔ یہ خون فاطمہ زہرا کے ہی آنسوؤں میں ملا ہوا تھا۔ یہ ناسور فاطمہ زہرا کے ہی کلیجے میں پڑا تھا۔ جس کا رِسنا تا دمِ مرگ بند نہوا۔

جب رسول اللہ کو حجرۂ خاص میں دفن کر دیا گیا۔ تو جناب سیدہ بیتاب ہو کر قبر مطہر پر پہنچیں قبر مطہر سے خاک اٹھائی۔ منہ پر مل لی۔ اور فرمانے لگیں۔

مَاذَا عَلَی مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدٍ   اَنْ لَا یَشُمَّ مدی الزَّمَانِ غوالیا

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا   صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیا

سنگھائی آپکی تربت کی بو مقدر نے   نظر میں اب گل و ریحان ذرا نہیں آتے

پڑے وہ مجھ پہ مصائب تمہاری فرقت میں   دنوں پہ آن کے پڑتے تو رات ہو جاتے

کبھی دکھے ہوئے دل سے اس طرح فریاد بلند ہوتی تھی۔

اِذَا اشْتَدَّ شَوْقِی زُرْتُ قَبْرَکَ بَاکِیًا   انوح واشکی ما اداک مجاوبی

قبر پر آپ کی زیارت کو   شوق با چشم خون چکان لایا

أيا ساكن الغبراء علمني البكاء | وذكرك انساني جميع المصائب

مکین خاک یثرب۔ رونق دین عرش کے تارے | مجھے رونا سکھادے۔ ہاں سکھادے اشک افشانی

تمہاری یاد کا صدمہ ہے دلبر۔ ایسا صدمہ ہے | کہ جس کے سامنے سارے مصائب ہوگئے پانی

فإن كنت عني في التراب معيّنا | فما كنت عن قلبي الحزين بغائب

طپش کی۔ اضطراب قلب کی حالت یہ پہنچی ہے | کہ اب ہم چین سے بستر پہ اکدم سو نہیں سکتے

چھپایا خاک میں یہ چاند سا چہرہ۔ چھپا تمنے | مگر قلب حزین سے آپ غائب ہو نہیں سکتے

دل کا درد جب زیادہ بیچین کرتا تھا۔ اور کسی پہلو آرام نہ ملتا تھا۔ تو آہوں کا دہوان اسطرح بلند ہوتا تھا۔

نفسي على زفراتها محبوسة | يا ليتها خرجت مع الزفرات

راحت و آرام کے پہلو کہاں؟ | اشک امڈے ہیں لگی ہیں ہچکیاں

دم گھٹا جاتا ہے دم۔ اے ہمصفیر | ہچکیوں کے جال میں جان ہے اسیر

جان نکلے تو یہ حالت ختم ہو | کاش اسیری کی یہ مدت ختم ہو

اسی سوز و گداز میں آپ نے اپنی زندگی کے مختصر دن پورے کئے۔ اور کسی وقت بھی آنسو آپکی آنکھوں سے نہ تھما۔ خود رسول اللہ کی موت کیا کم تھی کہ ان کے انتقال کے ساتھ ہی چاروں طرف سے آفات کا حملہ شروع ہو گیا۔ اپنے پرائے نظر آنے لگے۔ اور وہی آنکھیں جو فاطمہؑ کے سامنے جھکی رہتی تھیں۔ اب انمیں نمایاں کجی کے آثار دیکھے جارہے تھے۔

اس مقدس خاتون کی گریہ و زاری۔ آہ و فریاد اور نالہ و بکا کے واقعات سے کتابیں لبریز ہیں۔ جنہیں دیکھکر پتھر سے پتھر قلب بھی موم ہو جائے۔ ان واقعات کا ایک جگہ جمع ہونا بھی دشوار ہے۔

بلالؓ کی اذان اور سیدہؑ کی بیہوشی

ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں روایت کی ہے۔ کہ جناب رسولخدا کی وفات کے بعد بلالؓ نے اذان دینی موقوف کردی تھی۔ ایکروز جناب سیدہ نے خواہش

کو کس گلدستہ اذان پر کھڑا ہوا۔ جب بلال نے کہا اللہ اکبر جناب سیدہ سے ضبط نہ ہوا بے
اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ جب بلالؓ نے کہا "اشہد ان محمدؐا رسول اللہ" سیدہ
مطہرہؓ نے ایک آہ کھینچی اور بیہوش ہوکر گر پڑیں۔ لوگوں کو خیال ہوا۔ کہ سیدہ نے دنیا سے رحلت
کی۔ بلالؓ سے کہا کہ اذان موقوف کرو۔ بلالؓ خاموش ہو گئے۔ جب سیدہ ہوش میں آئیں تو
بلالؓ سے فرمایا۔ کہ اذان تمام کریں! انہوں نے عرض کیا۔ اے سیدۃ النسا۔ اے رسولؐ کی
یادگار۔ مجھے خوف ہے کہ جب آپ میری اذان سنینگی تو ہلاک ہو جائینگی۔ جناب سیدہ نے
اسے معاف رکھا۔

اندوہِ فاطمہؓ فضہؓ کی زبانی

ورقہ ابن نوفل یزدی بیان کرتا ہے۔ کہ میں ایکسال حج کے لئے گیا۔ اثنائے طواف میں
ایک کنیز گندم گون کو دیکھا کہ خدا کی درگاہ میں نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں دعا کر رہی تھی۔ اے
پروردگار۔ اے خانۂ محترم کے پروردگار۔ اے ملائکہ حافظین کرام کے پروردگار۔ اے زمزم
ومقام ابراہیم کے پروردگار۔ اے ان مقامات مقدسہ کے پروردگار جو عبادت گاہ خاص و
عام ہیں۔ اے بہترین خلق محمدؐ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پروردگار۔ میری التجا
ہے کہ تو مجھے ان سادات طاہرین اور انکی ذریت کے ساتھ محشور کر۔ جن کے چہرے عرصۂ محشر
میں منور ہوں گے۔ جو صاحبانِ یمن و برکت ہیں۔ اے جماعت حاجیان و عمرہ کنندگان آگاہ
رہو کہ میرے آقا اور مالک بہترین نیکوکار اور برگزیدہ ابرار ہیں۔ جن کا مرتبہ تمام حاجیوں
سے بلند ہے۔ اور جن کے ذکر خیر کا نزدیک و دور شہرہ ہے۔ اور وہی لوگ صاحبان مجد و
افتخار ہیں۔

ورقہ کہتا ہے کہ میں نے اس کنیز سے پوچھا کہ تو مجھے دوستانِ اہلبیتؑ سے معلوم ہوتی
ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ جب نام پوچھا تو اس نے بتایا۔ کہ میں فضہ کنیز حضرت زہراؑ ہوں۔
میں نے کہا مرحبا۔ خوشا حال تیرا۔ میں تیرے کلام کا مشتاق تھا۔ میں تم سے ایک سوال کا جواب

کرنا۔ اگر ایسا کرو گی۔ تو خداوند عالم تمہیں اس کا اجر و ثواب بے حساب عطا فرمائیگا۔

بعد طواف جب میں واپس ہوا۔ اور اس بازار سے گذرا۔ تو دیکھا جناب فضہؓ ایک گوشے میں تنہا بیٹھی ہوئی ہیں۔ میں نے بہ نیّتِ ہدیہ انکی خدمت میں کچھ پیش کیا۔ اور کہا اے فضہؓ میری مخدومہ فاطمہ زہراؑ کا جو حال تم نے ان کے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد دیکھا ہے اس سے اطلاع دو۔ یہ سنتے ہی فضہؓ رونے لگی۔ اور کہا اے ورقہ تم نے اس آگ کو بھڑکا دیا۔ جو سینے میں دبی ہوئی تھی۔ سنو! ان کا واقعہ یہ ہے۔ کہ جب جناب رسالتمآبؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی تو اہلبیتؑ میں سب چھوٹے بڑے مغموم تھے۔ سب کے سب گریہ وزاری اور نالہ و بیقراری کر رہے تھے۔ لیکن میری خاتونِ معظمہ کی گریہ وزاری تمام اہل زمین و آسمان سے زیادہ تھی۔ اور ان معصومہؑ کا غم و اندوہ زیادہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ سات دن تک خانہ نشین رہیں۔ مگر ایک پل بھی آنسو بہانے سے فرصت نہ ملی۔ جب آٹھواں دن ہوا تو دردِ پنہاں نے ظہور کیا۔ بیتابانہ شب کیوقت گھر سے باہر نکل آئیں۔ صدائے نوحہ بلند کی ان کی گفتار سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ جناب رسول اللہ کلام فرما رہے ہیں۔ اسوقت تمام خورد و کلان عورتیں اور بچے اپنے اپنے گھروں سے نکلکر اس معصومہ کے گرد جمع ہوئے اور آوازِ گریہ بلند کی۔ ہر طرف سے لوگوں کا مجمع ہونے لگا۔ رستے کے چراغ گل کر دیئے گئے۔ تاکہ نامحرموں کی نظر عورتوں کے چہروں پر نہ پڑے۔ عورتوں نے گمان کیا کہ جناب رسول اللہ مرقد سے باہر تشریف لے آئے ہیں۔ مردوں پر ایک وحشت و اضطراب کا عالم طاری تھا۔ جناب سیدہ نوحہ کرتی تھیں۔ اے پدر بزرگوار۔ اے برگزیدۂ خداوند عالم۔ اے محمد مصطفٰے! اے بیووں کے پالنے والے۔ اے اپنے یتیموں کے سرپرست۔ قبلہ و مصلیٰ کے لئے اب کون ہے۔ جو آپ سے بہتر عبادت گذار ہو۔ کون ہے اب آپکی عاشق بیٹی کی دلداری کرنیوالا وہ بیٹی جو آپکے زنِ پسر مردہ کیطرح رو رہی ہے۔

آپ اپنے پدر بزرگوار کے روضے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اضطراب کا یہ حال تھا کہ ان معصومہ کے پاؤں دامن میں الجھے جاتے تھے اشکباری کا یہ عالم تھا۔ کہ چہرے پر آنسو نقاب

پڑی۔ اور گلدستہ اذان کو دیکھا تو آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں۔ اور یہ قلق ہوا کہ غش کیا عورتوں نے پانی لاکر چہرۂ اقدس پر چھڑکا۔ غش سے افاقہ ہوا۔ اٹھیں اور فرمایا کہ طاقت و قوت میری زائل ہوگئی۔ اس حال سے دشمن خوش ہوگئے۔ اور انہیں شماتت کا موقعہ ملا۔ آہ! یہ غم جو میرے سینے میں ہے۔ میرا قاتل ہوگیا۔ اے بابا آپکی رحلت کے بعد میں تنہا و پریشان اور حیران و بے ہوش رہ گئی۔ آپکی مفارقت سے میری آواز ضعیف ہوگئی کمر شکستہ ہے۔ زندگی خراب ہے۔ اور زمانہ میری نظر میں تاریک ہے۔ اے بابا آپ کے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ جو میری تنہائی اور دحشت کا مونس ہو۔ اور اس مصیبت میں میری دلداری کرے۔ اے بابا! کوئی میرا آنسو پونچھنے والا باقی نہ رہا۔ کون ایسا ہے جو ازرہِ غمخواری مجھے رونے سے روکے۔ اور میرے ضعف میں میری نصرت و مدد کرے۔ آپ کے بعد احکام قرآن کا آنا اور جبرئیل و میکائیل کا اُترنا (احکام قرآن کے ساتھ) بند ہوگیا۔ اے بابا آپ کے خویش واقربا مجھ سے پھر گئے۔ اور خوشی و سرور کا دروازہ میرے لئے بند ہوگیا۔ میں آپ کے بعد دنیا سے بیزار ہوں اور جبتک دم میں دم ہے۔ آپ پر آنسو بہاتی رہونگی۔ جبتک زندہ ہوں نہ آپ سے ملنے کا شوق کم ہوگا۔ اور نہ اس غم و اندوہ میں زوال آئیگا۔

پھر ایک فریاد کی۔ آہ کی اور چند شعر انشا فرمائے۔ جن کا ماحصل یہ ہے "اے بابا میرا حزن آپ پر ہر دم تازہ ہے۔ اور دل میرا آپکی ملاقات کے لئے مشتاق و آمادہ ہے اندوہ میرا ہر روز ترقی پر رہیگا غم آپ کا مجھ سے دُور نہو گا۔ میری مصیبت بہت بڑی مصیبت ہے۔ میرا صبر جاتا رہا۔ اور غم و اندوہ ہر طرف سے مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ قسم خدا کی جو دل آپکی مصیبت میں صبر کرے۔ وہ دل نہیں پتھر ہے"

آہ! آپ کے انتقال کے بعد سب روشنیاں قطع ہوگئیں۔ وہ تر و تازگی جو آپ کے دم سے تھی۔ اب کہاں ہے روزِ روشن تیرہ و تار ہوگیا۔ اور چاندنی راتیں شب دیجور بن گئیں۔ اے بابا میں آپکی وفات پر برابر تاسف کرونگی۔ یہاں تک کہ آپ سے ملاقات کروں۔ آپ کے دردِ فراق سے میری آنکھونکی نیند جاتی رہی۔ اور جب آپ دنیا سے سدھارے۔ تو اب بیووں اور مسکینوں کی پرورش کون کریگا۔ کون ان کا ہادی ہوگا۔ اور کون ان سے یہ شفقت پیش آئیگا۔ اے بابا

آپ کے بعد ہم ضعیف وحقیر ہو گئے - اے بابا آپ کے بعد ہم سے لوگوں نے منہ پھیر لئے - آپکی زندگی میں ہم خلائق کے نزدیک معظم ومکرم تھے - اب ہم ضعیف وناتوان ہیں - آہ! کونسا آنسو ہے کہ آپ کے فراق میں جاری نہو اور کونسا غم واندوہ ہے کہ آپ کے بعد منقطع ہو جائے - کونسی وہ آنکھ ہے جسمیں آپ کے بعد نیند کا سرمہ لگایا جاسکتا ہے - اے بابا! آپ دین اسلام کی بہار تھے - اسکی تر وتازگی تھے - پیغمبروں کے نور اور انکی روشنی تھے - پہاڑ کیوں نہ جنبش میں آئیں - دریا کیوں نہ خشک ہوں - زمین پر زلزلہ کیوں نہ آئے - اے بابا! مجھے بے انتہا صدمہ ہے میری یہ مصیبت عظیم ترین مصائب میں سے ہے - یہ ایک نہایت شدید حادثہ ہے - جسمیں ہوش اڑ جاتے ہیں - اے بابا! آپ کے غم میں ملائکہ ملاء اعلےٰ نے خونفشانی کی - آپ کے غم میں افلاک محزون ہو گئے - آپ کا منبر آپکے بغیر وحشتناک ہے - آپکی محراب عبادات ومناجات سے خالی ہے آپکی قبر آپ کے آنے سے مسرور وخوشحال ہے - اے بابا! آپ کے مکان تاریک ہو گئے - اے بابا! ابوالحسنؑ جو آپ کے دونوں فرزندوں کے باپ ہیں - آپ کے بھائی ہیں - آپ کے دوست ہیں - آپ کے حبیب ہیں جنہیں آپ نے کمسنی میں پرورش فرمایا - جنہیں آپ نے اپنا بھائی قرار دیا - تمام مہاجر وانصار میں جن کا مرتبہ آپ کے نزدیک زیادہ ہے - وہ ابوالحسنؑ گرفتارِ مصیبت ہو گئے - اور اس غمِ مفارقت میں وہ میرے شریک ہیں - ان کلمات کے بعد آپ نے آہِ پُرسوز کھینچی - ایک نعرہ کیا کہ قریب تھا آپکا طائرِ روح پرواز کر جائے - پھر کچھ اشعار فرمائے جنکا ماحصل یہ ہے "خاتم الانبیاؐ کے گم ہونے کے بعد میرا صبر قلیل ہو گیا - اور شکیبائی نے مجھ سے کنارہ کشی کی - اے آنکھ اشکبار ہو - وائے ہو تجھپر کہ تو اشک ریزی میں بخل کرتی ہے"

بیت الحزن

شب وروز فاطمہؑ کی بیقراری کا یہی عالم تھا - اس حال کو دیکھکر شیوخ مدینہ مجتمع ہو کر خدمت امیرالمومنینؑ میں حاضر ہوئے - اور عرض کی - اے ابوالحسنؑ فاطمہؑ شب وروز گریہ وزاری کرتی ہیں - ایک ساعت بھی ان کا آنسو نہیں تھمتا - اس باعث سے ہماری نیند اڑ گئی - اور دن میں ہمیں قرار

سیّدہ کے پاس تشریف لائے۔ جنابِ فاطمہؑ نے جب آپکو دیکھا۔ تو کچھ خاموش ہوئیں۔ آپ نے مدینے والونکی عرضداشت گوشگذار کی۔ معصومہ نے فرمایا۔ کہ اے ابوالحسنؑ یہ لوگ میری گریہ و بکا سے کیوں تنگ ہیں۔ حالانکہ میری زندگی اب بہت قلیل ہے۔ اور جدائی کا زمانہ قریب قسم خدا کی میں شب و روز نالہ و زاری سے قرار نہ لونگی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ سے ملحق ہو جاؤں۔

حضرت امیرؑ نے آپ کے رونے کے لئے مدینے سے باہر بقیع میں ایک مکان بنوادیا۔ اور بیت الاحزان اس کا نام رکھا۔ جب وہ گھر تیار ہو گیا۔ تو جناب سیّدہؑ کا معمول تھا کہ صبح کیوقت حسنینؑ کو ہمراہ لیکر مدینے سے روتی ہوئی نکلجاتی تھیں۔ اور مقابر شہدائے احد پر بیٹھکر گریہ و زاری کرتی تھیں۔ جب شام ہوتی تھی۔ تو امیرالمومنینؑ تشریف لے جاتے تھے۔ اور ان معصومہ کو اپنے گھر لے آتے تھے۔ یہی حال رہا۔ حتیٰ کہ ان معصومہؑ کو مرض الموت لاحق ہوا۔

فتنۂ خلافت

اسمیں شک نہیں۔ کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد جناب سیّدہؑ کو ہر طرف سے ہجوم و آلام نے گھیر لیا تھا۔ رسول اللہ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے خلافت کا فتنہ اُٹھا اور جس قدر فتنے اسلام میں پیدا ہوئے۔ سب اسی فتنۂ اولیٰ کی یادگار ہیں۔

ایک صاحبِ نظر جب غور کرتا ہے۔ تو اُسے اسلام میں عجیب و غریب تماشا نظر آتا ہے۔ ادھر تو مسلمانونکی جامع کتاب (قرآن) یہ دعویٰ کرتی ہے۔ کہ ہر رطب و یابس اسمیں موجود ہے اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں۔ تمام احکام ضروری اسمیں موجود ہیں۔ اور ایک طرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعد رسول اللہ اس کتاب نے مسلمانونکی مسئلہ خلافت میں ذرا بھی رہنمائی نہ کی اور کہیں ہمکو نظر نہیں آتا۔ کہ صاحبانِ شوریٰ نے اس کتاب سے استدلال کیا ہو۔ آج اگر آیات سے واقعات کی حقیقت پر استدلال لایا جاتا ہے۔ تو یہ ہماری خوش اعتقادیوں کا نتیجہ ہے۔ جکی حقیقت ایک مبصر کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔

افسوس کا مقام ہے۔ کہ رسول اللہ نے کتنے مہتم بالشان مسئلہ کو یونہی چھوڑ دیا۔ اور لوگوں

بھی ہوا۔ ہر شخص نے آرزو کی گردن بلند کی۔ اور جسکی وقت نے مساعدت کی۔ وہی مسندِ رسولؐ کا وارث بن بیٹھا۔ بنی اُمیہ کی حکومتیں اور گنہگار حکومتیں اسی شوریٰ کی یادگار ہیں۔

بہر طور پہلی کمیٹی میں جو سقیفۂ بنی ساعدہ میں ہوئی۔ حضرت ابوبکر نامزد ہوئے۔ ہم اس پر اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے۔ کہ یہ نامزدگی اچھی تھی یا بُری۔ یہ رائے زنی اسوقت ہمارے منصب کے خلاف ہے۔ ہم جناب سیدہؑ کے حالات لکھ رہے ہیں۔ اور ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جناب سیدہؑ پر اس خلافت کا کیا اثر پڑا۔

جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے۔ تو اور لوگوں کو بھی بیعت کیطرف دعوت دیگئی۔ بنی ہاشم کی بیعت کیلئے خاص جد و کد عمل میں آئی۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنینؑ جب خلیفۂ وقت کے سامنے آئے تو آپ فرمارہے تھے۔ اَنَا اَحَقُّ بِھٰذَا الْاَمْرِ مِنْکُمْ وَاَنْتُمْ اَوْلٰی بِالْبَیْعَۃِ لِی۔ میں تم سے زیادہ اس کا مستحق ہوں۔ اور تمہیں سزاوار ہے کہ میری بیعت کرو۔ تم نے انصار سے قرابتِ رسولؐ کی حجت پیش کرکے خلافت کو لیا۔ اور ہم اہلبیتؑ سے غصب کرتے ہو۔ اور بلا حجت و دلیل بیعت کرانی چاہتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ تم خلافت کے اس لئے زیادہ مستحق ہو کہ رسولؐ تم میں سے تھا۔ اور اس بنا پر انہوں نے تمہاری اطاعت قبول کرلی۔ پس جب میں تمہارے اوپر وہی حجت لاؤں اور کہوں کہ ہم رسولؐ کے حق کے زیادہ مستحق اور اولیٰ تر ہیں۔ اور اقرب الخلق الیٰ رسول اللہ ہیں۔ تو تم ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ ورنہ تم اس ظلم کے وبال میں دیدہ و دانستہ گرفتار رہو۔ یہ سنکر حضرت عمر نے فرمایا۔ کہ تمکو ہرگز بغیر بیعت کے نہ چھوڑا جائیگا۔ فرمایا تم ایسا کام کرو جس کا حصہ تمہیں ملے۔ اور ان (حضرت ابوبکر) کے لئے اسکو مضبوط ومحکم کرو۔ تاکہ کل انکے بعد تمہاری طرف لوٹے۔ پھر فرمایا میں ہرگز تمہاری بیعت نہ کرونگا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں مجبور نہیں کرتا۔ پھر آپ نے ابوعبیدہ جراح کی تقریر کے جواب میں فرمایا۔ اے گروہ مہاجرین خدا کو یاد کرو اور سلطنتِ محمدیؐ کو اس کے گھر سے نکالکر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ۔ اور اس کے اہل کو اس کے مقام سے دور نہ کرو۔ خدا کی قسم اے گروہ مہاجرین ہم سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔ کیونکہ ہم ہی اہلبیتِ نبوت ہیں۔ اور ہم ہی اس کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ جبتک ہم میں قاری قرآن۔ فقیہ دین خدا۔ عالم سنن رسول اللہ

امر رعیت کے انتظام پر قادر۔ ان سے امور شنیعہ کو دفع کرنیوالا اور سب میں بالسویہ تقسیم کرنیوالا موجود ہے۔ فلا تتبعو الھوی فتضلوا عن سبیل اللہ فتزدادوا من الحق بعدا اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ راہِ خدا سے بھٹک جاؤ گے۔ اور خدا سے دُور ہی ہوتے چلے جاؤ گے۔

اِس واقعہ کے بعد حضرت خلیفہ ثانی دروازۂ فاطمہؑ پر آئے۔ جبکہ بنی ہاشم وہاں موجود تھے۔ انکو پکارا وہ باہر نہ نکلے۔ حضرت خلیفۂ ثانی نے لکڑیاں منگائیں۔ اور پکارکر کہا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ باہر نکلو ورنہ گھر کو آگ لگادوں گا۔ اور مع اہلخانہ گھر کو پھونکدوں گا۔ ان کے ساتھیوں نے کہا اے ابوحفص! اسمیں تو فاطمہؑ بھی ہے کہا اگرچہ وہ بھی ہو۔ پس وہ لوگ نکل آئے۔ اور سوائے حضرت علیؑ کے سب نے بیعت کرلی۔ آپ نے فرمایا۔ مینے حلف کیا ہے کہ جبتک قرآن جمع نہ کرلوں۔ کندھے پر چادر نہ ڈالوں گا۔ اور باہر نہ نکلوں گا۔ پس حضرت فاطمہ زہراؑ دروازے پر تشریف لائیں۔ اور فرمانے لگیں میں انلوگوں سے کبھی نہ ملونگی۔ جو اس بُری طرح سے یہاں آئے۔ تم نے رسول اللہ کا جنازہ چھوڑ دیا اور اپنا معاملہ طے کرلیا۔ نہ ہم سے مشورہ لیتے ہو نہ ہمارا حق واپس دیتے ہو۔ بعد ازاں حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ کیوں اس شخص کو پکڑ کر بیعت نہیں لیتے۔ انہوں نے اپنے غلام قنفذ کو بھیجا جب وہ آیا تو حضرت نے فرمایا۔ تمہارا کیا مطلب ہے۔ اس نے جوابدیا کہ آپکو خلیفہ رسولؐ بلاتے ہیں فرمایا۔ لسریع ما کذبتم علی رسول اللہ۔ تم نے بہت جلد رسول اللہ پر بہتان باندھا۔ اس نے واپس جاکر یہی کہدیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ ان سے جاکر کہو کہ امیر المومنین تمکو بلاتے ہیں۔ جب اس نے یہ پیغام پہنچایا تو آپ نے ارشاد کیا سُبْحَانَ اللہِ لَقَدْ اِدَّعٰی مَا لَیْسَ اَھْلَہٗ سبحان اللہ اُسنے غیر کا دعویٰ کیا جو اس کے سزاوار نہیں ہے۔ غلام نے یہ پیغام بھی پہنچا دیا۔ حضرت ابوبکر اسے سُنکر رونے لگے۔ اب حضرت عمر چند شخصوں کو لیکر دروازۂ فاطمہؑ پر آئے۔ دق الباب کیا۔ جب دخترِ رسولؐ نے انکی آواز سُنی۔ باوازِ بلند چلائیں یا ابت یا رسول اللہ ماذا لقینا بعدک من ابن الخطاب وابن ابی قحافہ اے بابا! اے پیغمبرِ خدا! آپ کے بعد ہمیں خطاب کے بیٹے اور ابوقحافہ کے بیٹے کیطرف سے کیا کیا دیکھنا پڑا۔ آواز سنکر لوگ روتے ہوئے واپس ہوئے

اور حضرت عمر [illegible] چند آدمیوں کے باقی رہ گئے۔ انہوں نے حضرت علی کو باہر نکالا۔ اور خلیفہ صاحب
کے پاس لیگئے۔ اور ان سے کہا گیا کہ یا تو بیعت کرو۔ ورنہ گردن ماری جائیگی۔ آپ نے فرمایا
تو پھر بندۂ خدا اور برادر رسول اللہ کو قتل کرو گے۔ جسکے جواب میں کہا گیا۔ کہ بندۂ خدا ہونا تو
قبول ہے۔ لیکن برادر رسول ہونا تسلیم نہیں۔ حضرت ابوبکر اسوقت خاموش تھے۔ حضرت عمر نے
فرمایا تم کیوں ان کے باب میں اپنا حکم صادر نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ جبتک فاطمہؓ انکے گھر میں
ہے۔ میں انکو مجبور نہیں کرتا۔ حضرت علیؑ قبر رسول اللہ پر تشریف لے گئے۔ اور قبر سے لپٹ کر
روتے ہوئے فرماتے تھے۔ یَا ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ۔
اے ماںجائے قوم نے مجھے ضعیف کر دیا۔ اور قریب ہے کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔

اسی ضمن میں انتزاعِ فدک کا معاملہ بھی پیش آچکا تھا۔ اور جناب فاطمہؓ اپنی وراثت سے محروم
کی گئی تھیں۔ اس معاملہ پر انہیں صفحات میں مفصل بحث کیجائیگی۔ ان دونوں واقعات سے سیدہ کے
دل پر جو اثر پڑا تھا وہ محتاجِ تشریح نہیں۔ چنانچہ جنکی طرف سے یہ امر واقع ہوا تھا۔ خود انکو بھی
اقرار تھا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا۔ کہ آؤ فاطمہؓ کے پاس چلیں اور انکو
راضی کریں۔ کیونکہ ہم نے انکو ناراض او غضبناک کیا ہے۔ دروازۂ فاطمہ زہراؓ پر تشریف لے گئے اجازت
چاہی آپ نے اجازت نہ دی۔ پھر دونوں حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ ان سے گفتگو کی آپ انہیں
اندر لے گئے۔ جناب فاطمہؓ کو سلام کیا۔ تو انہوں نے جواب سلام نہیں دیا۔ جب پاس بیٹھے تو انہوں
نے اپنا منہ دیوار کیطرف پھیر لیا۔ حضرت ابوبکر نے گفتگو شروع کی۔ اور محبت آمیز کلمات فرمانے
لگے۔ کہ میں تو تمہیں اپنی بیٹی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ میں تمہارے حق اور تمہاری شرافت
کو پہچانتا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ تم میراثِ رسولؐ کی وارث ہو۔ مگر مینے تو اس لئے یہ لے
لیا کہ حضرت سے مینے سنا ہے کہ ہم ورثہ نہیں چھوڑتے۔ اور جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے
آپ نے فرمایا کیا میں رسول اللہ کی ایک حدیث تمکو سناؤں۔ جسے تم جانتے ہو کیا تم اس پر عمل
کرو گے۔ اور اسکی تصدیق کرو گے۔ دونو صاحبوں نے فرمایا۔ ضرور بالضرور فرمایا میں تم کو قسم
[illegible] کیا تم نے رسول اللہ سے نہیں سنا۔ رضا فاطمۃ من رضائی وسخط فاطمۃ

ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی۔ رضائے فاطمہؓ میری رضا سے ہے اور غضبِ فاطمہؓ میرے غضب سے۔ پس جس نے میری بیٹی فاطمہؓ کو دوست رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا اور جس نے اس کو خوش کیا۔ اس نے مجھ کو خوش کیا۔ اور جس نے اسکو غضبناک کیا۔ اس نے مجھکو غضبناک کیا۔ دونوں صاحبوں نے کہا کہ ہاں ہمنے اس حدیث کو رسولؐ اللہ سے سُنا ہے۔ اس پر سیّدہؓ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں۔ کہ تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا ہے۔ اور مجھے رضامند نہیں کیا۔ اور بیشک جب میں رسولؐ اللہ سے ملاقات کرونگی۔ تو ان سے ضرور تمہاری شکایت کرونگی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں تمہارے اور رسولؐ کے عتاب و غضب سے پناہ مانگتا ہوں اور اتنا روئے کہ قریب تھا دم نکلجائے۔ اور فاطمہؓ کہہ رہی تھیں قسم خدا کی میں ہر نماز میں تمہارے لئے بددُعا کرونگی۔ اب حضرت ابوبکر روتے ہوئے باہر نکل گئے۔ لوگ گرد جمع ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم تو اپنی اپنی بیویوں کو بغل میں لیکر آرام سے سوتے ہو۔ اور مجھے اس مصیبت میں ڈالدیا ہے مجھے تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں۔ مجھے اس سے معاف رکھو۔

یہ واقعات خلافتِ الٰہیہ مؤلفہ مولانا مولوی سیّد محمد سبطین صاحب سے نقل ہوتے ہیں اور صاحب موصوف نے علّامہ ابن قتیبہ دینوری کی مشہور کتاب "کتاب الامامۃ والسّیاستہ" سے ان واقعات کو لیا ہے۔ علامہ موصوف تیسری صدی کے مشہور مورّخ ہیں۔ اور ان کی وفات سنہ ۲۷۶ھ میں ہوئی ہے۔

اِن واقعات سے آپ جو چاہیں نتیجہ نکالیں۔ ہمیں تو صرف یہ دکھانا ہے۔ کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد بجائے اس کے کہ کوئی فاطمہؓ کو تسلّی دینے والا نکلتا۔ ان واقعات نے اور دلِ کو زخم زخم کر دیا۔

اِس ہنگامۂ افراق میں اور بھی صدمات رونما ہوئے ہیں۔ جنکی تفصیل تاریخ مذکور میں نہیں ہے۔ مگر دوسری تاریخوں میں اسکی تشریح موجود ہے۔

ذکر الواقدی قال زید ابن اسلم کُنتُ ممن حمل الحطبَ معَ عمرَ الی باب

من البيت والا احرقته ومن فيه قال وفي البيت عليؑ وفاطمۃ والحسن
والحسين وجماعة من اصحاب النبي فقالت فاطمۃ تحرق علی ولدی قال
ای واللہ او ليخرجن وليبايعن۔

واقدی بیان کرتا ہے کہ زید ابن اسلم کا بیان ہے۔ کہ جب علیؑ اور ان کے اصحاب نے بیعت سے انکار کیا۔ تو میں ان لوگوں میں سے تھا جو فاطمہؑ کے دروازے پر حضرت عمر کے ساتھ لکڑیاں لے کر گئے تھے۔ پس حضرت عمر نے فاطمہؑ سے کہا۔ اے فاطمہؑ گھر سے نکل جاؤ۔ ورنہ میں مکان کو جلادوں گا۔ گھر میں سے کسی نے کہا کہ گھر میں تو علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ وحسینؑ ہیں اور اصحاب نبیؐ کی ایک جماعت ہے اسوقت فاطمہؑ نے فرمایا کیا تم میرے بیٹوں کو جلادو گے۔ جواب ملا کہ ہاں قسم خدا کی ورنہ یہ لوگ نکل کر بیعت کریں۔

طبری کی عبارت اسمقام پر یہ ہے۔ اتی عمر ابن خطاب منزل علی وفيه طلحۃ وزبير ورجال من المهاجرين وقال واللہ لاحرقن عليكم او لتخرجن الی البيعۃ۔ عمر ابن خطاب علیؑ کے مکان پر آئے۔ اسمیں طلحہ و زبیر اور کچھ مہاجرین موجود تھے۔ حضرت عمر نے باواز بلند کہا کہ یا تو بیعت کے لئے باہر نکل آؤ۔ ورنہ قسم خدا کی اس گھر کو تم پر جلادوں گا۔

فاضل شہرستانی اپنی مشہور کتاب ملل ونحل میں نظام معتزلی سے اس قصہ کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ ان عمر ضرب بطن فاطمۃ يوم البيعۃ حتی اسقطت المحسن من بطنها وكان عمر يصيح احرقوها بمن فيها وما كان فی الدار غير علی و فاطمۃ والحسن والحسين۔ بروز بیعت حضرت عمر نے شکم اقدس فاطمہؑ پر ضرب پہنچائی جس سے محسن کا اسقاط ہوا۔ اور حضرت عمر چیخ رہے تھے۔ کہ اس گھر کو مع گھر والوں کے جلادو۔ اور گھر میں سوائے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے کوئی نہ تھا۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب تحفہ اس واقعہ کی تاویل یوں فرماتے ہیں۔ وتخصیص سوختن درین تہدید مبنی بر استنباط دقیق است از حدیث پیغمبرؐ کہ آنحضرت در حق کسانیکہ در جماعت ... بہمیں قسم ارشاد فرمودہ بودند کہ این جماعت اگر

از ترکِ جماعت باز نخواہند آمد خانہ ہا را بر ایشان خواہم سوخت و چون ابوبکر امام منصوب کردۂ پیغمبر خدا بود و آنہا ترکِ اقتدائے امام بحق بخاطرِ خود ہا می اندیشیدند در فاقتِ جماعتِ مسلمین نمی کردند۔ مستحقِ ہمان تہدید شدند۔"

مطلب عبارت یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو گھر جلانے کی دھمکی دی۔ اصل میں یہ ایک استنباط دقیق پر مبنی ہے۔ جو حدیث پیغمبر سے کیا گیا ہے یعنی آنحضرت نے ان لوگوں کے لئے جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ اور امام کی اقتدا نہیں کرتے تھے۔ یہی ارشاد فرمایا تھا۔ کہ یہ جماعت اگر ترکِ جماعت سے باز نہ آئی تو میں گھروں کو ان پر جلا دوں گا۔ اور چونکہ حضرت ابوبکر پیغمبر خدا کے نصب کردہ امام تھے۔ اور یہ لوگ امام بحق کی اقتدا ترک کرنے کی ٹھان رہے تھے۔ اور جماعتِ مسلمین کی رفاقت نہیں کرتے تھے۔ لہذا اسی تہدید اور دھمکی کے مستحق تھے۔

شاہ صاحب کا یہ ارشاد نہایت دلچسپ ہے۔ اس کا فلسفہ بہت گہرا فلسفہ ہے۔ مگر ہم اس پر اسوقت رائے زنی نہیں کرنا چاہتے۔ ہاں اتنا مطلب ضرور نکالتے ہیں۔ کہ اس ارشاد کی بنا پر بھی تخویفِ احراق عمل میں آئی۔

اس امر کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دو۔ کہ اصولاً یہ فعل کیسا تھا۔ جائز تھا یا ناجائز۔ اچھا تھا یا برا۔ کیونکہ جو اس فعل کو اچھا سمجھ رہا ہے۔ وہ ہمارے سمجھانے سے اسے برا نہیں سمجھے گا۔ وہ شاہ صاحب کے قول سے متمسک ہوگا۔ یا ہماری باتوں کی طرف توجہ کریگا۔ اسی طرح جو اس فعل کو برا سمجھ رہے ہیں۔ وہ محض شاہ صاحب یا کسی اور صاحب کے فرمانے سے اس فعل کے حسن کے قائل نہ ہوں گے۔ لہذا ان دونوں گروہوں کو اس معاملے میں تکلیف نہ دو۔ ہاں اتنا اقرار ہر شخص سے لینا پڑیگا۔ کہ یہ واقعہ ہوا اور اس کا اثر جناب فاطمہؑ کے مجروح قلب پر اچھا نہیں پڑا۔ اور بس۔ اب آگے اپنے اپنے تعلقات ہیں۔ جنکو فاطمہؑ سے تعلق ہے وہ فاطمہؑ کے ساتھ رہیں گے اور جنکو حضرت شیخین سے توسل ہے۔ وہ انہیں کے دامن سے متمسک رہیں گے۔ اپنی اپنی قبر اور اپنے اپنے اعمال کُل حِزْبٍ بما لدیہم فرحون۔ دنیا کا قانون ضرور یہی ہے لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس فرحت کا نتیجہ بھی فرحت پر مشتمل ہو۔

اگر زمانہ دکھائے۔ تو اسحالت میں ہم انکار کیونکر کر سکتے ہیں۔

ایک عامیانہ اعتراض اور اس کا دفاع

جناب فاطمہ زہرا کو فتنۂ خلافت میں جن صدمات سے دوچار ہونا پڑا انکی طرف مندرجہ بالا سطروں اشارہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ فرقہ شیعہ میں جو روایتیں ان واقعات کے متعلق آئی ہیں ان کا قصداً ذکر نہیں کیا گیا۔ انہیں سطور سے ان حوادث کے وقوع میں کوئی شک نہیں رہتا۔ لیکن بعض خوش فہم ان واقعات سے انکار کرتے ہیں۔ اور اس انکار پر جو دلیل لائی جاتی ہے وہ عجیب و غریب ہوتی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے۔ کہ علیؑ شیر خدا تھے۔ بہادر تھے۔ شجاع تھے۔ جوانمرد تھے۔ غرضکہ انکی شجاعت کی خود غرضانہ تعریف میں فصاحت و بلاغت کا دریا بہا دیا جاتا ہے۔ اور پھر نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے۔ کہ ان کے سامنے کیونکر کسی کی مجال ہو سکتی تھی۔ جو جناب سیدہ کی طرف انگلی اٹھا سکے یا ترچھی نظر سے دیکھ سکے۔

اہل نظر جانتے ہیں۔ کہ یہ ایک استبعاد وہمی ہے۔ جو کسی قاعدۂ عقلی پر مبنی نہیں ہے یہ استبعادات کسی تاریخی واقعہ کو ہرگز غلط ثابت نہیں کر سکتے۔ اصل یہ ہے کہ ان غریبوں کو اعتراض کرنیکا سلیقہ نہیں ہے۔ اعتراض کی شکل یوں پیدا کرو۔

یہ واقعات جناب سیدہ پر گذرے اور علیؑ مرتضےٰ کے سامنے گذرے۔ انکی شجاعت اور غیرت سے یہ امید نہیں تھی۔ کہ یہ واردات اور سنگین واردات ظاہر ہو۔ اور وہ خاموش بیٹھے دیکھا کریں۔ گویا اعتراض اگر پیدا ہوگا۔ تو بادی النظر میں حضرت علیؑ کی شجاعت و غیرت پر پیدا ہوگا۔ اس سے اصل واقعہ کی تغلیط لازم نہیں آئیگی۔ بعض نادان شیعہ بھی اس جال میں پھنس جاتے ہیں۔

ہم اس اعتراض کے دفعیے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ اگر معترض نیک نیتی سے یہ اعتراض کرتا ہے اور اس کا مقصد اصلی "استفہام" ہے۔ تو وہ اپنا اعتراض واپس لے لیگا۔ ورنہ اگر اسکی نیت صرف اعتراض کرنے کی ہے۔ سمجھنا مقصود نہیں ہے۔ تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

معترض کو پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ شجاعت کسے کہتے ہیں؟ شجاعت فی الحقیقۃ اقسام صبر ہی میں سے ہے۔ معرکۂ جہاد میں تلوار و نیزہ کی آنچ میں کھڑا ہونا۔ اور کارزار کی سختیوں پر صبر کرنا۔ کبھی دشمن کو

پیٹھ نہ دکھانا۔ معرکہ سے فرار نہ کرنا۔ اسی کا نام شجاعت ہے۔ شجاعت اس کا نام نہیں ہے۔ کہ ایک تنِ تنہا آدمی ہزاروں کو فنا کردے۔

یہ شجاعت تو یقیناً علیؑ مرتضیٰؑ میں ہے۔ انہوں نے اعدائے دین کے مقابلے میں معرکہ سے منہ نہیں موڑا۔ اب رہا یہ واقعہ یعنی فتنۂ خلافت۔ اسمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا اسوقت تلوار کھینچنا مناسب تھا یا وہی طریق عمل انسب تھا۔ جو علیؑ مرتضےٰ سے ظہور میں آیا۔

اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ اس دنیا میں اگر ہر شخص کو اسباب ظاہری کی ضرورت ہے اور اس کے افعال اکثر و بیشتر اسباب ظاہری کے تابع ہوتے ہیں۔ قوتِ باطنی کسی درجے کی ہو مگر قانونِ الٰہی ہے کہ سب کو اسباب ظاہری کا پابند رکھا جائے۔ اِلّا یہ کہ مصلحت اسکے خلاف داعی ہو۔ مثال اسکی بہت واضح ہے۔ جناب رسول اللہ کی قوت باطنی کا تو یقیناً معترض کو بھی اعتراف ہوگا۔ لیکن جبتک ایک کافی تعداد جان نثاروں کی مہیا نہ ہوئی۔ اسوقت تک آپ نے جہاد نہیں کیا اور جو اذیتیں کفار کے ہاتھوں سے آپ پر وارد ہوئیں۔ سب کو برداشت کرتے رہے۔

اب علیؑ مرتضےٰ کی حالت دیکھو کہ اس فتنے کے وقت کیا تھی۔ آپ کے ساتھ سوائے چند بنی ہاشم کے اور کوئی نہ تھا۔ ہاں تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابوسفیان نے آکر علیؑ مرتضےٰ سے کہا کہ اگر آپ حق طلبی کے لئے کھڑے ہوں۔ تو صحرائے مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ انکی یہ درخواست مسترد کر دیگئی۔ یہ مسترد کرنے کے ہی قابل تھی۔ اسلئے کہ اموی سازش صلح و آشتی اور ہمدردی کے لباس میں اپنا کام نکالنا چاہتی تھی۔ پس علیؑ مرتضےٰ اس تنہائی کیحالت میں اگر تلوار اٹھاتے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ مٹھی بھر بنی ہاشم برسر اقتدار جماعت کا کچھ نہ بنا سکتے۔ قتل ہوتے۔ اور یہ قتل ارتداد کا عوض قرار دیا جاتا۔ اور آج ان لوگوں کے نام مرتدین کی فہرست میں لکھے ہوئے نظر آتے۔ وہ حسنؑ وحسینؑ جو باغِ رسالت کے خوشنما پھول تھے قبل اس کے کہ انکو زہر اور خنجر سے شہید کیا جائے۔ مدینے کی گلیاں ان کے خون سے رنگین ہو جاتیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان اس واقعہ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ میرے دوست! یہ محض حسن ظن ہے۔ ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی عبارت آپکو زیر نظر رکھنی چاہئیے جس سے ظاہر ہے کہ دروازہ فاطمہؑ پر آگ اور لکڑیاں پہنچیں۔ جلا دینے کی دھمکی دیگئی۔ مسلمانوں

نے اس واقعہ کو دیکھا اور کسی قسم کا اظہار ملال نہ کیا۔ نہ ان میں کوئی شورش پیدا ہوئی۔ نہ ان کے دل پر کوئی چوٹ لگی۔ صاف الفاظ میں علی مرتضےؑ کو قتل کی دہمکی دیگئی۔ مسلمان سامنے ہی موجود تھے۔ دیکھ رہے تھے۔ کونسے دل نے ان واقعات سے اثر لیا۔ پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس ہنگامے میں اگر حسنینؑ کے گلوں تک نوبت پہنچتی۔ تو مسلمان اسکو گوارا نہ کرتے۔ یہ خیال ہی خیال ہے۔ اس وقت بھی مسلمان گوارا کرتے اور آج بھی۔ ان کا یہ فعل کسی نہ کسی دقیق استنباط پر مبنی قرار دیا جاتا

الغرض علی مرتضےؑ اگر تلوار کھینچتے تو بنی ہاشم (اور ممکن ہے انمیں سے بھی کچھ لوگ برسر حکومت جماعت سے مل جاتے) اور خصوصاً فاطمہ زہراؑ کے خاندان کا اسی وقت خاتمہ ہو جاتا چنانچہ امیر المومنینؑ نے اپنے بعض کلمات میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے! ور فرمایا ہے کہ مینے اسموقعہ پر صبر اختیار کیا! ور حسنینؑ کی خونریزی مجھ سے نہ دیکھی گئی مجھے اس معاملہ مین بخیل ہونا پڑا۔

یہ فتنہ کوئی معمولی فتنہ نہ تھا اہلبیتؑ کے دروازہ سے جو فیوض کہ آجتک پہنچ رہے ہیں۔ جن معارف وحقائق کا اس دروازہ سے ظہور ہوا۔ جو علوم وکمالاتِ نبوتؐ اس دروازہ سے روشن ہوئے۔ وہ سب کے سب ایکدم منقطع ہو جاتے۔ علیؑ وفاطمہؑ کا نام لینے والے جتنے آج دیکھے جا رہے ہیں! ور تقریباً سبھی مسلمان اسمیں شریک ہیں۔ انکی تعداد کیجگہ صفر نظر آتا۔

میرے معترض دوست! دولت بہت بُری چیز ہے۔ حکومت کا نشہ بدترین مُسکر ہے خدا اس سے محفوظ رکھے۔ یہ بڑے امتحان کا موقعہ ہے۔ ہم دُور کیوں جائیں۔ آج اپنے نفسوں کی طرف کیوں نہ دیکھلیں! ابھی ابھی ہم قوم کے جان نثار تھے۔ قوم کے فدائی تھے۔ لیکن ابھی یونہی سی جاہ وجلال کی جھلک نظر آئی۔ اور ہم تمام اپنے خیالاتِ سابقہ سے دست بردار ہو کر آیندہ خوشنما امیدوں کے گہوارے میں جھُولنے لگے۔

یاد رکھو! جیسے انسان آج ہیں ویسے ہی پہلے بھی تھے۔ یہ ہمارا حُسنِ اعتقاد ہے کہ ہم انکو اپنے سے بہت ہی افضل و برتر سمجھ رہے ہیں۔ آفتاب اسلام کی تابشیں جیسی اسوقت پڑ رہی تھیں آج بھی پڑ رہی ہیں۔ مگر یاد رکھو۔ ان درخشندگیوں کا فیض جذب کر لینے کے لئے بھی قابلیت ذاتی کی ضرورت ہے۔ سُورج کی شعاعوں کا اثر پہاڑ کے کسی قطعہ میں لعل شب چراغ پیدا کرتا ہے کہیں ... انسان آج ... ویسے ہی ہیں جو آج سے ہزاروں برس پہلے تھے۔ بڑے ہیں

جذبِ فیض کے لئے قابلیتِ ذاتی کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت ہمیشہ سے مسلم رہی ہے اور ہمیشہ رہیگی۔

یہ آپ کو معلوم ہے کہ اہلبیت کے موالیوں کی تعداد ہمیشہ سے تھوڑی رہی ہے۔ یہ ایک بدیہی مسئلہ ہے۔ مگر کبھی اس کے اسباب پر بھی آپ نے نظر ڈالی۔ اسباب اس کے بہت روشن ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حکومت کا پلّہ زبردست ہمیشہ اہلبیتؑ کے خلاف رہا۔ اب سمجھو کہ اگر ابتدا ہی میں اہلبیتؑ کا قتل و قمع ظہور میں آجاتا۔ تو اول تو یہ واقعہ تاریخوں میں درج ہی کیوں ہونے لگا تھا اور اگر ہوتا بھی تو معمولی طور سے۔ کون اس سے دلچسپی لیتا۔ کسکو غرض ہوتی۔ غرض ان کے اسمائے متبرکہ یا تو صفحاتِ تاریخ سے مٹ ہی جاتے۔ یا اگر دھندلے سے نقش و نگار باقی بھی رہ جاتے تو کسے انکی طرف متوجہ ہونیکی ضرورت ہوتی۔ ہاں عجب نہیں کہ مدینے کی اس پہلی لڑائی کو "قتالِ اہلِ رِدّہ" کا لقب مل جاتا۔

کبھی امید نہ رکھو کہ کسی حکیم اور ربانی حکیم سے ایسا فعل ظہور میں آئے۔ جسمیں ہزاروں مفاسد لازم آئیں۔ اور ہدایتِ خلق کا سدِ باب ہو جائے۔

یہ تو تلوار کھینچنے کی حالت میں اپنے خاندان کی حالت ہوتی۔ پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے۔ کہ لڑائی اگر ہوتی تو طرفین کا ہی قتل و قمع ہوتا۔ مسجدِ نبویؐ میں خون کے فوارے اُچھلتے اور مدینہ کی گلیاں لالہ زار بن جاتیں۔ اس خانہ جنگی کا نتیجہ جو کچھ ہوتا وہ ظاہر ہے۔ اسلام کیلئے پوری پوری تباہی کا سامنا تھا۔ وہ منافقین جن سے مدینہ بھرا ہوا تھا۔ (بقول مصنف تہاۃ الادلہ) مٹھی بھر مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے دیتے؟ کھلم کھلا زمانہ جاہلیت کی طرف عود کر جاتے۔ کیا خانہ جنگی کی حالت میں امید کر سکتے ہو۔ کہ بنو عدی یا بنو تیم کی حکومت باقی رہجاتی۔ رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ اسلامی دنیا کا نقشہ بدلجاتا۔ اسی امر کیطرف امیر المومنین نے اشارہ فرمایا ہے۔ جب حضرت فاطمہؑ نے ان سے سوال کیا۔ کہ آپ اپنا حق کیوں نہیں طلب کرتے۔ اور یہ سوال اسی لئے کیا گیا تھا۔ تاکہ دنیا ان وجوہات سے واقف ہو جائے۔ اور اہلبیت کے عذرات ان کے کانوں تک پہنچ جائیں۔ آپ نے اس کا جواب دیا اور اسوقت دیا۔ جبکہ اذان کی صدا مسجد سے

جائے ؟ جس سے صاف ظاہر ہے - کہ آپ کے تلوار کھینچنے سے نہ صرف اہلِ بیتؑ کی تباہی ہوتی بلکہ اسلام کا نام بھی دنیا سے مِٹ جاتا - کیا شجاع اور غیور اسی کو کہتے ہیں - کہ نہ صرف اپنی نسل کو دنیا سے مٹائے - بلکہ دینِ الٰہی پہ بھی ایک تاریک چادر ڈالدے -

دُنیا کا عجیب رنگ ہے - یہ نہ اُلٹی لی جاتی ہے - نہ سیدھی - آج تو یہ کہتے ہیں کہ علیؑ نے بزدلی سے کام لیا - پھر اسوقت یہ کہتے کہ علیؑ نے اپنی ذاتی خواہش اور حبِّ ریاست جاہ کی بدولت نہ صرف اپنے آپکو تباہ کیا - بلکہ اسلام کو زک پہنچادی -

ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں - کہ اہلبیتؑ کا مسلک حکیمانہ مسلک تھا - اگر اُسوقت تلوار کھینچنے میں اسلام کی بہتری ہوتی - تو علیؑ مرتضےٰ ہرگز دریغ نہ کرتے ! اور کبھی اپنی تباہی پر توجہ نہ کرتے ! اس خاندان کا طریقہ یہی ہمیں معلوم ہوتا ہے - چنانچہ امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام جو صفاتِ علوی کے وارث تھے - انہوں نے کرکے دکھادیا - لیکن باوجودیکہ آپ کا کارنامہ ایسا روشن کارنامہ ہے - جو آفتاب کی طرح دنیا کے آسمان پر چمک رہا ہے - پھر بھی بعض کوتاہ نظر دبی زبان سے کہہ ہی جاتے ہیں - کہ آپ نے تقیہ کیوں نہ کرلیا - عجیب تماشہ ہے پس ایسے معترضین کا جواب اہل عقل کے پاس سوائے سکوت اور کچھ نہ ہونا چاہیئے -

اگر یہ کہا جائے - کہ علیؑ مستجاب الدعوات تھے - کیوں نہ بددعا کی - تاکہ یہ سب ہلاک ہوجاتے - ایسا معترض انبیاء و اوصیاء و اولیا کے حالات سے نابلد ہے - اسکا جواب الزامی یہی کافی ہے کہ تمام انبیاء و اوصیاء اور سب سے زیادہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ نے مخالفین کے ہاتھوں سے ایذائیں برداشت کیں - مگر کیوں نہ بددعا کی ! اس کا جواب کیا ہے ؟ اور جواب تحقیقی اس اعتراض کا یہ ہے - کہ جبتک تمام وہ بغض اور کینے جو اہل عناد کے دلوں میں بھرے ہوئے ہیں - بالکلیہ ظاہر نہ ہولیں - جبتک ان کے خطئیات انکو نہ گھیرلیں اسوقت تک بددعا نہیں کی جاتی ! اور حقیقت اسکی یہ ہے - کہ خود ان کے افعال - ان کے کردار - ان کے بغض و عناد ظاہر ہو ہوکر عذاب کی شکلیں اختیار کرتے رہتے ہیں - جب یہ اشکال مکمل ہوجاتے ہیں تو اس وقت ولی زمانہ اس حجاب کو حسب مشیتِ الٰہی دور کردیتا ہے - جو ان کے اور ان کے عذاب کے

ہوگیا یقیناً لیکن علم خدا میں موجود ہے۔کہ ابھی اس سے بہت سے فواحش کا ظہور ہوگا۔حتیٰ کہ مرنے دم تک۔مثلاً وہ مرتے دم ایسی وصیت کرے گا۔جس سے دوسروں کی حق تلفی ہو۔ایسی حالت میں عذاب دینا یقیناً ان سے رُکا رہیگا۔کیونکہ جن امور کی سزائیں اسے ملنے والی ہیں۔وہ قبل از صدور اعمال نہیں مل سکتیں۔پس انبیا و اوصیا جو عالم مشیت اور تابع مشیت ہوتے ہیں کبھی اس وقت تک کسی کے لئے دعائے بد نہیں کرتے۔جبتک کہ وہ اپنے اعمال زشت کا کامل طور پر مرتکب نہ ہولے۔اس عرصہ میں اگر انکو اسی کے ہاتھ سے جفائیں سہنی پڑیں تو بہت خوشی کے ساتھ اسکو برداشت کرتے ہیں۔اور ان کے صبر کا پہاڑ کسی کے ظلم وستم کی آندھیوں سے متزلزل نہیں ہوا کرتا۔

ابتو آپ کو معلوم ہوا۔کہ اسوقت امیر المومنین کا تلوار کھینچنا کسی طرح ممدوح نہیں ہوسکتا نہ ظاہراً نہ باطناً۔پس جب یہ شق اعتراض دفع ہوگئی۔تو لامحالہ یہی کہنا پڑے گا۔کہ وہی فعل جو امیر المومنین سے ظاہر ہوا۔عین ممدوح اور حکمت کے موافق تھا۔اسے بزدلی اور جبن سے کوئی تعلق نہیں۔

اہل بصیرت یہ بھی جانتے ہیں۔کہ جہاد اکبر عجیب وغریب جہاد ہے۔اور اس میدان میں جو ثابت قدم رہے۔وہ حقیقی مجاہد ہے۔اور جو اس معرکے سے بھاگ نکلے۔وہ حقیقی بزدل اور جبان۔معاذاللہ کہ امیر المومنین اس موقعہ پر جُبن اور بزدلی کی نظیر پیش کرتے۔کیا آپکو یاد نہیں مولانائے روم علیہ الرحمہ کا وہ مشہور شعر ؎

ادخیو انداخت بر روئے علیؑ
افتخار ہر نبی و ہر ولی

مولانائے ممدوح نے یہ اس موقعہ کی تصویر کھینچی ہے۔جبکہ میدانِ جہاد میں آپ ایک کافر کے سینہ پر سوار ہوئے۔اس نے حضرت کے روئے مقدس پر اپنا لعاب نجس ڈالدیا۔حضرت نے فوراً اسے چھوڑدیا۔اس کے سینے سے الگ ہوگئے۔اور دریافت کرنے پر اسکی وجہ یہ بیان فرمائی۔کہ ایسی حالت میں اگر اسکو قتل کرتا۔تو اسمیں میرے نفس کا لگاؤ معلوم ہوتا۔پھر ایک ایسے انسان

دعائیں کرتا پھرے - مستجاب الدعوات بھی وہی ہوتا ہے - جو صاحبِ ظرف ہو - اگر خدانخواستہ میں اور آپ مستجاب الدعوات ہوجائیں - تو بس تمام دنیا کو فنا کرنے کی قسم کھالیں -

بلعم باعورا ایک عابد تھا - عبادت و ریاضت کی برکت سے اسم اعظم جانتا تھا - مگر ظرف نہ رکھتا تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت موسےؑ کے مقابلے میں دعائے بد کے لئے نکل آیا - صرف چند اشرفیاں رشوت میں لیکر - پس یہ چیزیں نا اہل کو نہیں ملا کرتیں - اور کسی نا اہل کو اسکی تضرع و زاری کی بنا پر اگر مل جاتی ہیں تو وہ بلعم باعور کا بھائی بن جاتا ہے - اب معترضین کو چاہئے کہ وہ سمجھیں سوچیں غور کریں - کیونکہ بغیر غور و تدبر کے کوئی بات ذہن میں نہیں جمتی - اگر انکی تسکین نہ ہو تو بذریعہ خط و کتابت بھی دریافت کرنے کے مجاز ہیں -

غرض بیانات سابقہ رفع اشتباہ کے لئے بالکل کافی معلوم ہوتے ہیں - ہاں اب ایک بات باقی رہ جاتی ہے - وہ یہ کہ ہمارے استبعادات و شکوک کی بنا پر تو واقعات غلط نہیں ہوسکتے ہاں یہ ممکن ہے کہ سرے سے ان کے متعلق جتنی روایات آئی ہیں - وہ بالکل غلط ہوں - بیشک یہ ممکن ہے ؟ اور ہم تو خدا سے چاہتے ہیں - کہ یہ غلط ہوں - ہم کہہ چکے ہیں کہ اہلبیتؑ پر ظلم و ستم دیکھنا ہرگز ہمارے منشا کے موافق نہیں ہے - بیشک ہم اسکے بہت ممنون ہونگے - جو اصول روایات سے ان روایات کو غلط ثابت کرے - ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے - کہ ہم ان قیاسات ذاتی کے پابند نہ ہوں گے - جنہیں آجکل درایت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے - حالانکہ وہ درایت سے بہت دور ہیں -

جو شیعہ اس دام اعتراض میں اُلجھکر مضطرب ہوجاتے ہیں - انکو سمجھ لینا چاہئے کہ سلسلۂ ائمہ میں سب امام صفات واحدہ و کمالات واحدہ رکھتے ہیں - کیا انہوں نے نہیں دیکھا - کیا ان کے کانوں نے نہیں سنا - کہ حضرت سید الساجدین زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام کس حالت میں دربار یزید میں کھڑے تھے - آہ ! اہلبیتؑ پیمبرؐ قیدیوں کی حالت میں موجود تھے - اور بیمار کربلا اس منظر اور خونچکان منظر کو دیکھ رہے تھے - کیا وہ شجاع نہ تھے - کیا وہ غیور نہ تھے - کیا وہ مستجاب الدعوات نہ تھے - کیا وہ جوہر امامت نہ رکھتے تھے - نہیں نہیں یہی جوہر امامت

ان کے صبر نے اُن کو امام بنایا ہے۔ یہی امام ہدایتیں ہمارے امر کے ماتحت ہیں یعنی صبر بھی معیار امامت ہے۔ اور یہی صبر ان کے کمالات علمیہ کو روشن کرتا ہے۔

ماندا ریم از رضائے حق گلہ ... عار ناید شبیر را از سلسلہ
رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ... می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

بہر طور امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طرزِ عمل جو کچھ کہ اس فتنۂ خلافت کے وقت دیکھا گیا۔ وہ نہایت ہی احسن تھا۔ اور کوئی شک نہیں۔ کہ جتبک کوئی شخص موید من اللہ نہ ہو اس وقت تک ایسے عدیم النظیر صبر کا ظہور اس سے ناممکن و محال ہے۔

باب دہم

قضیۂ فدک

اب ہم اس مشہور قضیے کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جسے قصہ فدک سے موسوم کیا جاتا ہے اس قصہ کا میدان ہمیشہ سے اہل علم کے قلمون کا جولانگاہ رہا ہے۔

فدک بفتح حرف اوّل و ثانی ایک قریہ کا نام ہے۔ جو مدینے سے دو منزل تھا اور خیبر سے ایک منزل۔ یہ قریہ پہلے یہودیوں کے قبضے میں تھا۔ سنہ ۷ھ میں جبکہ خیبر فتح ہوا تو فدک کے باشندوں نے حضرت رسولؐ اللہ سے صلح کی درخواست کی۔

معجم البلدان مصنفہ علامہ یاقوت حموی کی عبارت یہ ہے۔ فدک قریہ ایست درمیان حجاز میان آن و مدینہ دو روزہ راہ ہست۔ و بعضے گفتہ اند سہ روز و این قریہ در سال ہفتم از راہ صلح نصف بدست آنحضرت آمدہ بود۔ و در آن چشمہائے آب روان و درختہائے خرما بسیار بود۔

فدک والوں نے جب صلح کی درخواست کی۔ تو آپ نے امیرالمومنین کو بھیجا۔ اور آپ کے ہاتھ پر مصالحہ ہؤا۔ مصالحہ کی شرط یہ تھی کہ ان کے خون سے درگذریں۔ اور حوائط فدک رسول اللہ کے متعلق رہیں۔

وہ روایات جن میں اموال فدک کی تفصیل لکھی گئی ہے۔ بکثرت فریقین میں موجود ہیں ان کے درج کرنے سے سوائے تطویل اور کچھ حاصل نہیں۔ مختصر یہ کہ فدک کا وہ حصّہ جو رسول اللہ کے حصّے میں آیا تھا۔ اور پھر آپ نے یہودیوں کو کاشت کے لئے دیدیا تھا۔ اسکی سالانہ رقم لگان چوبیس ہزار دینار سُرخ تھی۔ اسکی آمدنی نے آئندہ چلکر بہت ترقی کی۔ چنانچہ خلیفہ اموی عمر ابن عبدالعزیز کے زمانے میں غلاتِ فدک کی قیمت چالیس ہزار دینار تھی۔ چنانچہ سنن ابو داؤد مطبوعہ لکھنؤ کی عبارت یہ ہے۔ قال ابو داؤد ولی عمر بن عبدالعزیز الخلافت و غلتہ (یعنی فدک) اربعون الف دینار۔ ابو داؤد کہتے ہیں۔ کہ جب عمر ابن عبدالعزیز مسند خلافت پر بیٹھے۔ تو غلاتِ فدک کی آمدنی چالیس ہزار دینار تھی۔ سنن ابو داؤد کی یہ عبارت مطبوعہ دہلی سے نکال ڈالی گئی ہے۔ خدا جانے اسمیں کیا مصلحت ہے۔

اب جن لوگوں کا تکیہ کلام فدک کے بارے میں یہ ہے۔ کہ وہ چند درختِ خرما تھے۔ یہ محض ناواقفیت پر مبنی ہے۔ یا واقعہ کو ہلکا کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے واقعہ ہلکا نہیں ہوتا۔ بلکہ اور سنگین ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ فدک پر جو رسول اللہ کا قبضہ ہؤا۔ اسمیں نہ تو کوئی لڑائی ہوئی نہ کسی کا خون بہا اس لئے وہ عام غنیمت کے حکم سے خارج تھا۔ اور مالِ "انفال" کہلاتا تھا۔ عام مسلمانوں کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہاں تک تمام تاریخین متفق البیان ہیں۔

فدک فاطمہؑ کو کیونکر ملا

یہ تو باتفاق اسلامیان ثابت ہے۔ کہ فدک میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ور رسول اللہ اسکے مالک و مختار تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ فدک فاطمہؑ کے پاس حیاتِ رسول میں آیا یا نہیں۔ شیعہ

نزلت هذه الآیه وآتِ ذاالقربیٰ حقه، فدعا رسول اللهِ فاطمة فاعطاها
فدك یعنی جسوقت آیہ مذکورہ (قرابت دار کو اس کا حق دیدو) نازل ہوئی تو رسول اللہ نے
فاطمہؑ کو طلب کیا اور فدک انہیں دیدیا۔

صاحبِ معارج النبوة ملا معین ہروی سنہ ۷ھ کے وقائع میں رسول اللہ کا فاطمہؑ کو
فدک حوالے کر دینا تسلیم کر رہے ہیں۔

صاحبِ بیاضِ ابراہیمی لکھتے ہیں۔ کہ فدک فاطمہؑ کے ہاتھ میں تھا۔ اور دلالت کرتی ہے
اس پر وہ روایت جو شیخ علی متقی نے کنز الاعمال میں بضمن کتاب الاخلاق باب صلہ رحم میں ابو سعید
سے درج کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب آیہ وآت ذاالقربیٰ حقہ، نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ
نے فاطمہؑ سے فرمایا۔ کہ اے فاطمہؑ فدک تمہارے لئے ہے۔ حاکم نے بھی اپنی تاریخ میں اسے روایت
کیا ہے۔

شیخ سلیمان حنفی کتاب ینابیع المودۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ فلمّا نزلت هذه الآیه
(وآتِ ذاالقربیٰ حقه) قال رسول الله لفاطمة هذه فدك وهی مما لم یوجف
علیه بخیلٍ ولا رکابٍ وهی لی خاصةً دون المسلمین وقد جعلتها لك لما امرنی
الله بهذا فخذی بما لك ولولدك جب آیہ مذکورہ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فرمایا یہ
فدک ہے۔ اس پر فوجکشی نہیں کیگئی۔ یہ میرے لئے مخصوص ہے۔ مسلمانوں کا اسمیں کچھ حصہ نہیں
میں نے بحکم خدا اسے تیرے لئے مقرر کر دیا۔ اب تم اسے اپنے اور اپنی اولاد کیلئے لے لو۔

صاحبِ تاریخ روضة الصفا رقمطراز ہیں " حضرت رسالتؐ بسوئے فدک امیر المومنین علیؑ
را فرستاد و مصالحہ بر دستِ امیرؑ واقع شد بر آں نہج کہ امیر قصد خونِ ایشان نہ کند و حوائط خاص
از آنِ رسول اللہ باشد پس جبرئیل فرود آمدہ گفت۔ حق تعالےٰ می فرماید کہ حق خویشان بدہ
رسول اللہ فرمود کہ خویشان کیانند۔ و حقِ ایشان چیست۔ جبرئیل گفت فاطمہؑ است۔ حوائط فدک
را بدو بدہ و آنچہ از آنِ خدا و رسول است۔ در فدک ہم بدو دہ۔ پیغمبر فاطمہؑ را بخواند و برائے

رسول لہٰذا است کہ برائے من و حسنؑ و حسینؑ نوشتہ ہست"۔

ملا حسین واعظ کاشفی جواہر التفسیر میں رقمطراز ہیں۔ "در خبر ہست کہ چون آیہ" و آتِ ذا القربیٰ حقہٗ" نازل شد رسولؐ فاطمہؑ را بخواند و فدک را بوے داد و مدتِ حیات در دستِ وے بود و تصرف و دخل آن در مصالح او و فرزندانِ او خرچ می شد۔ چون رسولؐ فوت شد ازو باز گرفتند"

اِن تمام روایات کو جب شیعہ روایتوں کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے۔ تو یقین قطعی ہوجاتا ہے کہ فدک حیاتِ رسول اللہ میں قبضۂ فاطمہ زہراؑ میں آگیا تھا۔ اور اگر یہ اخبارات بے بنیاد قرار دیئے جاتے ہیں تو پھر کسی تاریخ پر یقین حاصل ہونا نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے۔

صاحبِ ناسخ التواریخ (شیعہ مورّخ) کا بیان ہے۔ کہ فدک کے ساتھ یہودیوں نے اور جو مال و اسباب حضرت ختمی مرتبتؐ کو نذر دیا تھا وہ بھی آپ نے جناب سیّدہؑ کو مرحمت فرمایا جنابِ معصومہؑ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرا جو کچھ حصہ خدا نے مقرر کیا ہے وہ میں آپکی نذر کرتی ہوں۔ حضرت خیر البشرؐ نے فرمایا کہ یہ سب بحکم خدا تمہارا اور تمہارے بچوں کا حق ہے۔ تم اپنے قبضے میں رکھو۔ پس جناب معصومہؑ نے فدک پر اپنا ایک کارندہ مقرر کر دیا۔ جو وہاں کی سالانہ آمدنی آپکی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا جسمیں سے جناب سیّدہؑ اپنے گذارے کے موافق رکھ کر باقی فقرا و مساکین پر خیرات کر دیا کرتی تھیں۔

واضح ہو کہ رسول اللہ کا فاطمہؑ کو فدک عطا فرمانا بالکل صحیح ہے۔ اسکی صحت میں کلام نہیں یعنی رسول اللہ کو ایسا حق حاصل تھا۔ اور آپ مالکُ مختار تھے۔ چنانچہ اس ملکیت اور حقِ ہبہ کا ثبوت بہت اچھی طرح سے اس واقعہ سے ملیگا۔ کہ حضرت فاطمہؑ سے گواہ طلب کیے گئے جو ثابت کر دیں۔ کہ واقعی فدک فاطمہؑ کو دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے حسنینؑ اور علیؑ اور امّ ایمنؓ کو گواہی میں پیش کیا۔ اور یہ گواہی رد کر دیگئی۔ جسکی وجہ صاحب شرح مواقف یہ تحریر کرتے ہیں۔

اما الحسن والحسین فللفرعیۃ لانّ شہادۃ الولد لا یقبل لاحد والدیہ

[illegible] وام ایمن لنقصان نصاب البینۃ وھی رجلان او رجل وامرأتان

یعنی حسنینؓ کی گواہی اسوجہ سے رد ہوئی۔ کہ وہ فاطمہؓ کی فرع ہیں۔ اور بیٹے کی گواہی اسکے والدین اور اجداد کے حق میں اکثر اہل علم کے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ نیز وہ اسوقت صغیر السن تھے۔ اب رہے علیؓ وام ایمنؓ۔ انکی گواہی اس لئے قبول نہ ہوئی کہ تو گواہوں کا نِصاب پورا نہ تھا۔ کیونکہ نصاب شہادت یہ ہے۔ کہ یا تو دو مرد ہوں۔ یا ایک مرد ہو اور ایک عورت۔

علامہ موصوف کی یہ توجیہ نہایت دلچسپ ہے۔ ایسا فاضل متکلم اس قسم کا کلام کرے تعجب ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ جن اہل علم نے آباو اجداد کے حق میں بیٹے کی گواہی قبول نہیں کی۔ ان کے اس حکم کا مدرک کیا ہے؟ یہی واقعہ تو ہے۔ اور حضرت ابوبکر کے اسی فعل سے تو یہ حکم مستنبط کیا گیا ہے۔ پس یہ استنباط اصلِ مدرک کی صحت کے لئے کیونکر دلیل قرار پائیگا۔ اسی کو تو مصادرۃ علی المطلوب کہتے ہیں۔ جس فعل پر بحث ہو رہی ہے۔ اسی فعل کو ثبوت میں پیش کرنا کبھی عاقلانہ طریقہ نہیں ہوا کرتا۔ اور نہ کوئی اسے قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوگا۔ آیا کوئی نصِ قرآنی دکھائی جاسکتی ہے کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں۔

خیر۔ ہمیں اسکی تنقید کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ اگر سرے سے یہ ہبہ ہی ناجائز تھا۔ اور عطیہ ہی غلط تھا۔ تو پھر اس کے متعلق گواہ طلب کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اور نصابِ شہادت کی قلت پر بنا کر کے مقدمہ خارج کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

اب آئیے دوسرے پہلو کی طرف۔ محرومیٔ فاطمہؓ کے لئے دوسری دلیل یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ نحن معاشر الانبیاء لا نوث ولا نورث وما ترکناہ صدقۃ "ہم گروہِ انبیاؑ نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ میراث دیتے ہیں۔ بلکہ جو کچھ چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہوا کرتا ہے"۔

ہمیں افسوس ہے کہ میرزا غلام احمد قادیانی نے پیغمبروں کی اور صفات کا تو دعویٰ کیا۔ لیکن اگر وہ اس صفت کا عملی اعلان کر دیتے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ قادیانی فرقہ موجودہ حیثیت سے بہت زیادہ ترقی کر جاتا۔ مگر ؎

زر می طلبی سخن درین است

یہ تو پیغمبر کا [illegible]

خدا اور پیغمبر اوّل۔ پیغمبروں نے دنیا میں آکر اہل دنیا کو ہدایت کی۔ یہ ایک ایسا گناہ عظیم ہے۔ جسکی پاداش میں انکو محروم الارث ہونا پڑا۔ جانتے ہو؟ محروم الارث کون ہوتا ہے؟ یا تو محجوب ہو۔ یا نسب صحیح نہ ہو۔ یا باپ نے عاق کر دیا ہو۔ اب یہ بیچارے پیغمبر کونسی شق میں داخل ہوں گے پیغمبروں کے لئے "صحت نسب ضروری ہے۔ اور ان کے نسب میں کلام کرنا کفر۔ اسی طرح ان کے عقوق کا خیال کرنا شرک محض اور بے دینی۔ اب محجوبیت باقی رہ جاتی ہے۔ اچھا پیغمبرؐ خدا کے والدِ ماجد نے تو اپنے پدرِ بزرگوار کی حیات میں انتقال کیا۔ اس لئے وہ ترکہ جدی سے محروم ہے۔ مگر کیا ہر ایک پیمبرؑ کیلئے ایسی مصیبت کا پیش آنا لازمی ہے۔ اور کیا یہ خصوصیاتِ پیغمبری میں سے ہے اگر یہی خصوصیت ہے تو بہت سے پیغمبروں کو اس صف سے نکالدینا پڑیگا۔

واضح ہو کہ محجوب الارث جو محروم ہوتا ہے۔ وہ ترکہ جدی سے محروم ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے باپ نے خود اپنی کوشش سے کچھ پیدا کیا ہے۔ اور چھوڑا ہے۔ تو اس سے وہ غریب کیوں محروم ہونے لگا۔

حدیث کا یہ جزو۔ کہ "ہم گروہِ انبیاء کسی سے ارث نہیں لیتے"۔ آیا کسی آیتِ قرآنی سے مستنبط ہے؟ قرآن میں تو بالکل اس کے برخلاف ہے۔ سلیمانؑ و داؤدؑ کی وراثت کا ذکر کھلے لفظوں میں موجود ہے۔ یہاں تو "عذر تخصیص" بھی نہیں چل سکتا۔ جیسا کہ ایک صاحب نے حدیث مذکور کو آیہ قرآنی "وللذکرِ مثل الانثیین" کا مخصص قرار دیا ہے۔ پھر جب حدیث کا پہلا ٹکڑا جامۂ صحت سے عاری ہے۔ تو دوسرا جزو کس بنا پر قبول کیا جائے گا۔ یقیناً اسے رد کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ ایک سائل سوال کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کہ اگر "عذر لانورث" متحقق تھا۔ تو پھر گواہ کس بنیاد پر طلب کئے گئے۔ "اِنْ ھٰذا اِلّا اختلاق"۔

جو لوگ کہ ازواج کی وراثت کا عذر اٹھاتے ہیں۔ کہ ازواج کا بھی اسمیں حصہ تھا۔ وہ محض بے معنی عذر ہے۔ اس لئے کہ جو چیز فاطمہؑ کو رسول اللہؐ نے اپنی حیات میں دیدی۔ اس پر ازواج کو دعوے کرنے کا حق ہی کونسا تھا۔ اور اگر انہوں نے کہیں کیا تو غلطی کی۔ نیز کہنے والا کہہ سکتا ہے

ہوا ہو۔ اور پھر خارج کر دیا گیا ہو۔ تاکہ دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ جب ازواج کو حق نہیں دیا گیا۔ جن میں خود انکی بیٹی موجود ہیں۔ تو پھر بیٹی کو کیسے دیا جاتا۔

روایاتِ شیعہ بیان کرتی ہیں۔ اور روایات اہلسنت جو گذر چکی ہیں۔ ان سے بھی بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ رسول اللہ نے فاطمہؑ کو نوشتہ لکھدیا تھا۔ اور شیعی روایتوں کا یہ بیان بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرتِ فاطمہؑ نے وہ نوشتہ پیش کیا۔ اور حضرت عمر نے اسے چاک کر ڈالا۔

اصل یہ ہے کہ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے۔ کہ اگر فدک فاطمہؑ کے پاس رہتا۔ اور خداوند عالم نے جو ان لوگوں کے واسطے خمس قرار دیا ہے۔ وہ برابر پہنچتا۔ تو یہ لوگ اہل دنیا کا مرجع بنے رہتے اور یہ امر موجودہ حکومت کے لئے یقیناً خطرناک ہوتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت سیدہ صاحب زہد و سخا تھیں۔ صابرہ تھیں۔ وہ چند درختوں کے واسطے کیوں خفا ہونے لگیں۔

افسوس ہے کہ ان خیالات کو تدبر سے کوئی تعلق نہیں۔ زہد و سخا کے یہ معنی تو کسی لغت اور کسی اصطلاح میں نہیں ہیں۔ کہ اس کا مال جسطرح سے چاہو چھین لو۔ اور اس کے دل پر میل بھی نہ آئے جس طرح کہ ظلم قبیح ہے۔ اسی طرح سے ظلم کا بطیب خاطر قبول کر لینا بھی قبیح ہے۔ تمام عقلا کا اسی پر اتفاق ہے۔ ہم کسی نمازی پرہیزگار مسلمان کا مکان چھین لیں۔ اور اسمیں مسجد بنا لیں۔ یا اُسے بیچکر قومی کام میں صرف کر ڈالیں۔ تو کون عقلمند اسے جائز رکھے گا۔ اور کونسی شریعت میں یہ فعل جائز مانا گیا ہے۔ اوّل تو ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ فدک کی معقول آمدنی تھی۔ اور جناب فاطمہؑ بقدر کفاف لیکر سب فقرا و محتاجین اسلام پر اسے صرف فرماتی تھیں۔ اور اگر وہ چند درخت بھی ہوں۔ تو اس سے معاملے کا وزن ہلکا نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اپنے حق سے اس بنا پر محروم نہیں قرار دیا گیا کہ وہ حق کیا ہے۔ چند پیسے یا چند روپے یا چند درخت ہیں۔ کیا یہ بھی شریعتِ محمدیؐ کی تعلیم ہے کہ ہزار دو ہزار اگر چھینو تو وہ تو غصب کہلا سکتا ہے۔ اور اگر دو چار پیسے چھینے جائیں۔ تو وہ غصب میں داخل نہیں۔ کسی کی پاکدامنی کے لئے بیسود کوشش میں اس قسم کی تاویلات بعید از عقل پیش کرنا عقلمندوں کا کام نہیں۔

پاس تھا کیا۔ روز تو گھر میں فاقہ رہتا تھا۔ اتنی بڑی جائداد ہوتی۔ تو یہ نوبت کیوں پہنچی۔ واضح ہو کہ اس اعتراض کو ایمانداری سے کوئی تعلّق نہیں۔ ایسا معترض اسلام سے بہت دُور ہے یہ کونسی منطق ہے کہ اگر کسی کے پاس جائداد ہو۔ تو اس کے دروازے پر ہاتھی ہی جھُولا کریں۔ قرآن تو اسکی تعلیم نہیں دیتا۔ قرآن تو انہیں لوگوں کی مدح کرتا ہے۔ جنکی شان یہ ہے یوثرون علی انفسہم ولوکان بہم خصاصتہ۔ یہ لوگ اپنی ضرورتوں پر ہمیشہ دوسرونکی حاجتوں کو مقدم رکھتے آئے ہیں۔ وہ خود بھُوکے رہے۔ مگر دوسروں کو سیر کیا۔ خود کپڑا نہیں پہنا۔ پیوند پر پیوند لگائے۔ مگر دوسروں کو ننگا پھرنے نہیں دیا۔ کیا ہر شخص کا قیاس اپنے ہی نفس پر کیا جائیگا۔ رسوؐل اللہ کے پاس کیا مالِ غنیمت میں سے حِصّہ نہیں آتا تھا۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ فدک پر حضرت رسوؐل اللہ کا ہی قبضہ تھا۔ ان کے قول کے بموجب کیا رسوؐل اللہ کو اسکی آمدنی نہ ملتی تھی۔ پھر یہ کیا تھا۔ کہ پیٹ پر پتھر باندھے پھرتے تھے۔ زہد و سخا کے معنی یہی ہیں۔ کہ انسان کے پاس ہو اور پھر اتنا دے کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ رہے۔ یہ ہر کس و ناکس کا حوصلہ نہیں ہے۔ یہ خاصانِ خدا کے کام ہیں۔

جنابِ فاطمہؑ اور انکی مادرِ گرامی جنابِ خدیجہؓ نے اسلام کی ترقی میں نہایت زبردست حِصّہ لیا ہے۔ یہ ایک بالکل ظاہر بات ہے۔ کہ جنابِ خدیجہؓ کا تموّل مکہ میں مشہور و معروف تھا۔ وہ مکہ کی شہزادی کہلاتی تھیں۔ عرب کے مشہور مقامات میں انکی تجارت کا سلسلہ پھیلا ہُوا تھا۔ اب خدیجہؓ کا یہ مال و متاع کہاں گیا۔ کس کام میں صرف ہُوا۔ اسی اسلام کی خدمتگذاری میں۔ وہ مال کس کا خرچ ہُوا ہے جنابِ فاطمہؑ کا خرچ ہُوا۔ اگر وہ مال باقی رہتا۔ اور خدا کے حقوق نکالکر بھی بہت کچھ باقی رہ سکتا تھا۔ وہ فاطمہؑ کو ملتا یا کسی اور کو۔ یا اسے بھی حدیث "لانرث" اپنے مضبوط پنجے میں جکڑ لیتی۔ کیا یہ مسلمانوں پر فاطمہؑ کا احسان نہیں ہے۔ مگر اس احسان کا یہ معاوضہ عجیب و غریب ہے کہ وہ اپنے حق جائز سے بھی محروم قرار دی جا رہی ہیں۔

ایک بزرگوار[1] نے "من لایحضرہ الفقیہ" کی ایک حدیث کا ٹکڑا درج کر کے حرمانِ فاطمہؑ میں کوشش فرمائی ہے۔ وہ ٹکڑا یہ ہے کہ فالارضُ والعِقار فلا میراثَ لھنّ زمین اور ملک

---

[1] اس سے مراد ہماری منشی محمد الدین صوفی ساکن پنڈی بہاءالدین سے ہے۔ آپ نے ایک کتاب حضرت سیّدہ کی سوانح عمری "خاتونِ جنت" نامی تالیف فرمائی ہے۔ اپنے مذاق پر جو کچھ لکھا ہے۔ اچھا لکھا ہے۔ لیکن بحثِ فدک میں

مگر رقعہ میں عورتوں کا کچھ حصہ نہیں۔ ان بزرگواروں کی خدمت میں بصد ادب التماس ہے کہ اس ٹکڑے کا تعلق ازواج سے ہے۔ نہ کہ اولاد سے۔ یہ غلطی یا تو دانستہ کی گئی ہے یا نادانستہ۔ بہرطور افسوس کے قابل ہے۔

انہیں بزرگ کی ایک تحریر کا خلاصہ یہ بھی ہے کہ "اقوام غیر پیغمبرؐ پر یہ اعتراضات کرتی ہیں کہ آپ نے اپنے نفع کے لئے یہ کاروبار پھیلایا تھا۔ اگر آپ کچھ ترکہ بھی چھوڑ جاتے۔ تو پھر تو اعتراضات کا بہت اچھا موقعہ ملسکتا تھا۔"

خیال بہت گہرا ہے۔ غالباً اسی اعتراض سے ڈر کر ہمیشہ کے لئے اولادِ رسولؐ محروم کر دی گئی اور دنیائے اسلام نے کسی قسم کا تعلق ان سے نہ رکھنا چاہا۔ لیکن اگر نکتہ چینی سے بچنے کا ایسا ہی خیال دامنگیر ہے۔ تو پھر ثابت کرنا پڑے گا۔ کہ رسولؐ اللہ نے اپنی عین حیات میں اپنے ذاتی مصارف پر ان اموال میں سے جو وقتاً فوقتاً آتے رہتے تھے۔ کبھی کچھ خرچ نہیں کیا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ فدک جو بقولِ جناب ممدوح ایک چھوٹا سا قطعۂ زمین تھا۔ اگر رسولؐ اللہ نے اپنی بیٹی کو دیا یا دے جاتے۔ تو اس فعل سے وہ کونسا غیر مذہب والا تھا جو اسلام پر آستینیں چڑھاتا۔ جس کا جواب دینا مسلمانوں کو مشکل ہوجاتا۔ نہ ان چیزوں پر کوئی عقلمند نظر ڈالتا ہے اور نہ اسے ضرورت۔ ہاں وہ دشمن جو بھلائی میں بھی بُرائی کے پہلو نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ تو ذاتِ رسالتؐ پر آج بھی اتہام لگانے سے نہیں چُوکتے۔ جس طرح ان اتہامات کا جواب دیا جاتا ہے اسی طرح اس افترا پردازی کا بھی جواب دیا جاتا۔ لیکن آپ نے اس کا کیا جواب سوچا ہے۔ کہ وہ مؤرّخ جو مسلمانوں کی "نا اہلبیت" کا ثبوت واقعۂ کربلا سے دے رہے ہیں۔ اور اس واقعہ کی ابتدا جہاں سے ہوئی ہے۔ وہ آپ کے دل پر بھی روشن ہوگی۔ اس کے متعلق آپ کے ارشادات کیا ہیں۔ مجھے اس رسالے کی تحریر سے کسی مناظرے کی بنیاد ڈالنی منظور نہیں۔ اثنائے تحریر میں آپکی تالیف سامنے آگئی۔ اس کے متعلق چند لفظ قلم سے نکل گئے۔

بہرطور صنیعۂ فدک کا واقعہ ایک قابلِ افسوس واقعہ ہے۔ آپ کا وہ مشہور و معروف اور فصیح و بلیغ خطبہ جسے آئمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ اہلِ نظر کو کبھی فراموش نہ ہوگا۔

سے جن کے کان آشنا ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ایسے کلمات سوائے صاحبانِ علوم وہبی کے اور کہیں سے نہیں جا سکتے۔ فصاحت و بلاغت کا ایک سمندر ہے۔ کہ موجیں لے رہا ہے۔ حقائق و معارف کا بادل ہے۔ کہ برس رہا ہے۔ دلائل و براہین کی بوچھاڑ ہے۔ کہ ہو رہی ہے۔ لفظ لفظ حقیقت سے لبریز۔ فقرہ فقرہ اثر میں ڈوبا ہوا۔ کلام پکارتا ہے کہ میں ایک درد رسیدہ اور زخمی قلب سے نکلا ہوں۔ اسلوب کلام کا دعوٰی ہے۔ کہ یہ نظم و نسق۔ یہ بدیہہ گوئی صاحبانِ طہارت سے مخصوص ہے۔ اس مختصر خطبہ میں علتِ ایجاد۔ کیفیت ایجاد۔ علت بعثت پیغمبرؐ۔ علتِ احکام شریعت۔ قبل اسلام دنیا کی حالت۔ اسلامی فیوض۔ بعد رسولؐ اسلام کی حالت۔ غرض اتنی کیفیتیں جمع ہیں کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ واقعاً ان کے دریائے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فدک کی ضبطی کا حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے امیرؑ المومنین سے مشورہ کیا آپ نے فرمایا کہ صبر ہر حالت میں بہتر ہے۔ لیکن اتمامِ حجت ضرور چاہئے۔ جناب صدیقہؑ نے با وجود علالتِ طبع ردا اوڑھ لی۔ اور چند عورتوں کے حلقے میں مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں۔ آپکی رفتار بالکل رفتارِ رسولؐ کے مشابہ تھی۔ اور سکینہ و وقار سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ خود رسولؐ اللہ تشریف لا رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان مسجد میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر بھی تشریف رکھتے تھے آپ کے آنے سے لوگوں کو رسولؐ اللہ کا زمانہ یاد آ گیا۔ کچھ لوگ رونے لگے۔ غرض آپ آئیں۔ لوگوں نے ایک سفید پردہ کھینچ دیا۔ آپ پس پردہ رونق افروز ہوئیں۔ اور حضرتِ ابوبکر سے متوجہ ہو کر بہت دیر تک گفتگو فرمائی۔ اسی گفتگو میں گواہوں کے بلانے اور انہیں رد کر دینے کی نوبت بھی پہنچی۔ حدیث "لا نرث" پر آپ نے مبسوط گفتگو کی۔ محکماتِ قرآن سے استدلال فرمایا۔ جب اس تمام گفتگو کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ تو آپ نے یہ خطبہ انشاد فرمایا۔

اس خطبہ کو ابو بکر احمد بن عبد العزیز الجوہری نے کتاب السقیفہ میں درج کیا ہے۔ سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ فی معرفۃ الائمۃ میں شعبی سے اس خطبے کے کچھ فقرات اور حضرت سیدہ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔ اب ہم اس خطبہ کو نقل کرتے ہیں۔ اور اسکا ایک ایک فقرہ لکھ کر ترجمہ کرتے ہیں۔

قدام من عموم نعم ابتدأها وسبوغ آلاءٍ اسداها و تمام مننٍ والاها - تمامی حمد خدا کے لئے ہے - ان چیزوں پر جو اس نے عطا کیں - اور اسی کے لئے شکر ہے - ان تمام اشیا پر جو اس نے الہام فرمائیں - (ظاہراً و باطناً تمام انعامات والہامات اسی کیطرف سے ہیں اور وہی مستحق حمد و شکر ہے) وہ انعامات عمومی جنکی اس نے ابتدا کی - وہ نعمتہائے واسعہ جو اس نے عطا فرمائیں اور وہ کامل احسانات جو اس نے مرحمت کئے - اور انکی تقدیم بھی فرمائی - اس تقدیم پر وہ مستحق ثنا ہے -

قولِ مترجم - اپنی مخلوق پر تمام احسانات جو اس نے نازل فرمائے - بغیر اس کے مخلوق اپنا استحقاق ظاہر کرے - ایسی ہی ذات مستحق ثنا ہوسکتی ہے - یہی نعمت کیا کم ہے - کہ اس نے مخلوق کو نیستی کے حجاب سے نکالکر ہستی کے میدان میں کھڑا کردیا - پس حمد - شکر اور ثنا کا واقعی مستحق وہی خالق ذوالجلال ہے - یا اس کے وہ مظاہرِ تامہ جو اس کے فیوض کا واسطہ ہیں -

جَمَّ عن الاحصاءِ عَدَدُھا و نائی عن الجزاء اَمَدُھا و تفاوت عن الادراک اَبَدُھا ان نعمتوں کا شمار احصا سے بہت زیادہ ہے (کوئی ان کے شمار پر حاوی نہیں ہوسکتا) انکی انتہا معاوضہ سے بہت دور ہے - اور انکی ہمیشگی اور ابدیت ادراک سے بہت متفاوت اور مختلف ہے -

وَنَدَبَھُمْ لِاسْتِزَادَتِہَا بِالشُّکْرِ لِاتِّصَالِہَا وَاسْتَحْمَدَ اِلَی الْخَلَائِقِ بِاِجْزَالِہَا وَثَنّٰی بِالنَّدْبِ اِلٰی اَمْثَالِہَا - اور اس نے اپنی مخلوق کو پکارا - کہ وہ شکر ادا کرکے ان نعمتوں میں زیادتی طلب کریں - تاکہ نعمتیں مسلسل نازل ہوں (ان میں انقطاع نہو - ان شکرتم لازیدنکم کیطرف اشارہ ہے) اور پھر علی اتصال نعمتونکی کثرت سے مخلوق سے طالب حمد ہوا - اور اس نے دعا و ندبہ کے ساتھ ہی انہیں کی مانند نعمتوں کو دوگنا چوگنا کردیا -

وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کَلِمَۃٌ جَعَلَ الْاِخْلَاصَ تَاْوِیْلَہَا وَضَمَّنَ الْقُلُوْبَ مَوْصُوْلَہَا وَ اَنَارَ فِی الْفِکْرِ مَعْقُوْلَہَا - میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے اس معبود حقیقی کے اور کوئی خدا نہیں - اسکی وحدت کا اقرار کرتی ہوں - کوئی اس کا شریک

اور اسکی معقولیت کو حرکت فکریہ میں روشن کر دیا۔

مترجم - اس ارشاد میں اس امر کیطرف اشارہ ہے۔ کہ کلمۂ توحید کی حقیقت دل ہی پر روشن ہوتی ہے۔ زبان ان کیفیت کا اظہار نہیں کرسکتی۔ مَنْ ذَاقَ وَجَدَ جس نے چکھا اس نے پایا۔

اَلْمُمْتَنِعُ مِنَ الْاَبْصَارِ رُؤْيَتُہٗ، وَمِنَ الْاَلْسُنِ صِفَتُہٗ، وَمِنَ الْاَوْھَامِ كَيْفِيَّتُہٗ۔ ان ظاہری آنکھوں سے اسکی رویت محال ہے۔ زبانوں سے اسکی صفت ناممکن ہے اور اوہام سے اسکی کیفیت کا ادراک ممتنع۔

اس ارشاد میں لفظ ابصار فرمایا ہے۔ یعنی یہ چشم مادی اس کا مشاہدہ نہیں کرسکتی ہاں نورِ بصیرت سے وہ نظر آتا ہے۔ امیر المومنین فرماتے ہیں۔ لا تدرکہ العیون بمشاھدۃ العیان ولکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان یہ آنکھیں اس کا عینی مشاہدہ نہیں کرسکتیں لیکن قلوب حقائق ایمانیہ کے ساتھ اس کا ادراک کرتے ہیں۔

اِبْتَدَعَ الْاَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ كَانَ قَبْلَهَا وَاَنْشَاَهَا بِلَا احْتِذَاءِ اَمْثِلَةٍ امْتَثَلَهَا اس خالق جل وعلا نے اشیاء ایجاد فرمائیں۔ اور کسی ایسی چیز سے ایجاد نہیں فرمائیں۔ جو ان سے قبل ہو۔ انہیں ترقی عطا کی بغیر اسکے کہ کچھ مثالیں سامنے رکھکر انکی متابعت کی ہو۔ (مادیین کی تردید ہے)

كَوَّنَهَا بِقُدْرَتِهٖ وَذَرَاَهَا بِمَشِيَّتِهٖ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنْهُ اِلٰى تَكْوِيْنِهَا وَلَا فَائِدَةٍ لَهٗ فِيْ تَصْوِيْرِهَا۔ اپنی قدرتِ محض سے ان اشیا کی تکوین فرمائی۔ اپنی مشیت اور اپنے ارادے سے انہیں خلق کیا۔ (وہ اس ارادے و تکوین میں مجبور نہیں تھا) بغیر اس کے کہ انکی تکوین سے اسکی کوئی حاجت روائی ہو۔ اور بغیر اس کے کہ انکی صورت گری میں اسکا فائدہ ہو۔

اس ارشاد میں آپنے اعلان کیا ہے۔ کہ خالقِ مطلق ہرگز ان اشیاء کا محتاج نہیں۔ بلا نہ انکی خلقت میں اس کا کوئی فائدہ ہے۔ یہ فقراتِ نفی احتیاج خالق پر دلالت کرتے ہیں اور فی الحقیقت محتاجِ خالقِ مطلق نہیں ہے لیکن افعالِ خداوندِ عالم چونکہ مہمل اور فضول بھی

اعزازاً لہ عوتہ۔ مگرہاں انہیں خلق فرمایا! اپنی حکمت ثابت کرنے کے لئے۔ اپنی طاعت پر متنبہ کرنے کیواسطے۔ اپنی قدرت کے اظہار کی خاطر! اس لئے کہ اسکی مخلوق بے چون وچرا اس کی عبادت کرے۔ اسواسطے کہ اسکی دعوت کو تقویت پہنچے۔ (یہ تمام چیزیں تفضل و احسان سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ کہ احتیاج سے)۔

ثمّ جعل الثواب علیٰ طاعتہ و وضع العقاب علیٰ معصیتہ زیادۃً بعبادہٖ عن نقمتہٖ وحیاشتہ منہ الیٰ جنّتہ۔ پھر اس خالق برتر نے اپنی طاعت پر ثواب مقرر کیا۔ اور اپنی نافرمانی پر عقاب وضع فرمایا۔ علتِ ثواب و عقاب یہ ہے۔ کہ بندوں کو اس کے غضب سے اسکی رحمت بڑھی رہے! اور سب کو اپنی جنّت میں جمع کر دے۔

واشہدُ انّ ابی محمّداً عبدُہٗ و رسولُہٗ اختارہٗ وانتجبہٗ قبل ان ارسلہٗ وسمّاہٗ قبل ان اجتبلہٗ واصطفاہٗ قبل ان ابتعثہٗ۔ اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد مصطفےٰ میرے پدر بزرگوار اس کے عبد اور اس کے رسول ہیں! انہیں خدا نے اختیار کیا انتخاب فرمایا قبل اس کے کہ انہیں بھیجے۔ اور ان کا نام (محمد رسول اللہ) رکھا۔ قبل اسکے کہ انکو (بہر تبلیغ احکام سے) رفعت اور کوہ وقاری عطا فرمائے۔ انہیں مصطفےٰ گردانا۔ قبل اس کے کہ انہیں مبعوث فرمائے۔

اس ارشاد میں ان لوگونکی تردید کیگئی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ اس دنیا میں آنے کے بعد آپ نبی اور رسول بنے ہیں۔

اذا الخلائقُ بالغیب مکنونۃٌ وبستر الاھاویل مصئونۃٌ وبنہایۃ العدم مقرونۃٌ علماً من اللہ تعالیٰ بمسائل الامور واحاطۃً بحوادث الدّھور دَ معرفۃً بمواقع المقدُور۔ آپ اسوقت رسول تھے۔ جبکہ خلائق پردۂ غیب میں پنہان تھی۔ ہستی کے ہولناک پردے میں محفوظ تھی۔ اور انتہائی عدم سے ہم قرین تھی! اسوقت آپ خداوندتعالےٰ کی جانب سے مسائلِ امور کے عالم تھے۔ حوادثِ دہریہ پر احاطہ رکھتے تھے!۔ مقدرات

ابتعثه الله اتماما لامره وعزيمة على امضاء حكمه وانفاذا لمقادير حتمه۔

خدا نے اپنے امر کے اتمام کے واسطے اجرائے حکمت کے ارادے سے اور اپنے اندازہ ہائے حتمیہ کے جاری کر دینے کی خاطر آپکو مبعوث فرمایا۔

فرأى الامم فرقاً فی ادیانها عکفاً علیٰ نیرانها عابدة لاوثانها ومنکرة لله مع عرفانها۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ نے اُمتوں کو دیکھا کہ اپنے مذاہب میں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہیں۔ اپنی اپنی آتش (کفر) میں مقیم ہیں۔ اپنے اپنے بتوں کی عبادت کر رہی ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ ان کے نفس خالق کو پہچان رہے ہیں۔ مگر پھر بھی اس کا انکار کر رہی ہیں۔

فاناء الله بمحمد ظلمها وکشف عن القلوب بهمها وجلی عن الابصار غممها وقام فی الناس بالهدایة وانقذهم من الغوایة وبصرهم من العمایة وهداهم الی الدین القویم ودعاهم الی الطریق المستقیم۔ پس خداوند عالم نے محمد مصطفےٰ کے سبب سے ان امتوں کی ظلمتوں کو روشن کر دیا۔ دلوں سے انکی جہالتوں کو کھول دیا آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے۔ پس آپ لوگوں میں ہدایت کے ساتھ کھڑے ہوئے انہیں گمراہی سے نکالا۔ وہ اندھے تھے انہیں آنکھیں عطا کیں۔ انہیں قائم رہنے والے دین کی طرف ہدایت کی۔ اور انہیں صراط مستقیم کی طرف دعوت دی۔

ثم قبضه الله الیه قبض رافةٍ واختیارٍ ورغبةٍ وایثارٍ۔ پھر خداوند عالم نے انہیں اپنی طرف لے لیا۔ یہ لے لینا اور قبض کرنا مہربانی کے ساتھ تھا۔ اختیار کے ساتھ تھا رغبت کے ساتھ تھا۔ عطا و کرم کے ساتھ تھا۔

ان فقرات میں اشارہ ہے محبت شاملہ اور محبوبیت کاملہ کیطرف۔

محمد عن تعب هذه الدار فی راحةٍ قد حف بالملائکة الابرار ورضوان الرب الغفار ومجاورة الملک الجبار صلی الله علی ابی نبیه وامینه علی الوحی وصفیه وخیرته من الخلق ورضیه والسلام علیه و

ورحمة الله وبرکاته۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ دنیا کے رنج و اندوہ سے

انہیں احاطہ کئے ہوتے ہے۔ اور بادشاہِ جبار کی ہمسائگی انہیں حاصل ہے۔ خدا نے میرے باپ پر درود بھیجا ہے۔ جو اس کے نبیؐ ہیں۔ امینِ وحی ہیں۔ خدا کے صفی ہیں۔ اور اسکی مخلوق میں سب سے بہتر اور پسندیدہ ہیں۔ اُن پر خدا کا سلام ہے۔ اسکی رحمتیں ہیں اور اسکی برکتیں ہیں

اِس ارشاد میں مدارجِ عالیۂ آنحضرتؐ کیطرف اشارہ ہے جنمیں سے انتہائی درجۂ تقرب مجاورۂ ملکِ جبار ہے۔ جہاں نہ کسی ملکِ مقرب کی گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔ اسی مقام کو اہلِ طریقت کی اصطلاح میں اتحاد۔ وحدت اور فنا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اِس حمد و نعت میں جب پیغمبر کا ذکر فرمایا ہے تو "ابی" "میرے باپ" کہکر فرمایا ہے حالانکہ بظاہر اسکی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن نہیں۔ ضرورت تھی۔ سخت ضرورت تھی۔ سننے والوں کو متنبہ کرنا مقصود تھا۔ شرم و غیرت دلانا منظور تھا۔ یہ لفظ ایک چابک تھا جو دلوں پر پڑ رہا تھا۔ دل پر نشتر پڑتا تھا۔ مگر اس سے انکار ہی نہ کر سکتے تھے۔

اب حمد و ثنا کے بعد آپ نے مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اَنْتُمْ عِبادَ اللّٰہِ نُصُبُ اَمْرِہٖ وَحَمَلَۃُ دِیْنِہٖ وَوَحْیِہٖ وَاُمَنَاءُ اللّٰہِ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ وَبُلَغَائُہٗ اِلَی الْاُمَمِ وَزَعَمْتُمْ حَقٌّ لَکُمْ لِلّٰہِ فِیْکُمْ عَہْدٌ قَدَّمَہٗ اِلَیْکُمْ وَبَقِیَّۃٌ اِسْتَخْلَفَہَا عَلَیْکُمْ کِتَابُ اللّٰہِ النَّاطِقُ وَالْقُرْاٰنُ الصَّادِقُ وَالنُّوْرُ السَّاطِعُ وَالضِّیَاءُ اللَّامِعُ بَیِّنَۃٌ بَصَائِرُہٗ مُنْکَشِفَۃٌ سَرَائِرُہٗ مُنْجَلِیَۃٌ ظَوَاہِرُہٗ مُغْتَبِطٌ بِہٖ اَشْیَاعُہٗ قَائِدٌ اِلَی الرِّضْوَانِ اِتِّبَاعُہٗ مُؤَدٍّ اِلَی النَّجَاۃِ اِسْمَاعُہٗ بِہٖ تُنَالُ حُجَجُ اللّٰہِ الْمُنَوَّرَۃُ وَعَزَائِمُہُ الْمُفَسَّرَۃُ وَمَحَارِمُہُ الْمُحَذَّرَۃُ وَبَیِّنَاتُہُ الْجَالِیَۃُ وَبَرَاہِیْنُہُ الْکَافِیَۃُ وَفَضَائِلُہُ الْمَنْدُوْبَۃُ وَرُخَصُہُ الْمَوْہُوْبَۃُ وَشَرَائِعُہُ الْمَکْتُوْبَۃُ۔

بندگانِ خدا! تم امرِ رسول اللہ کے نشان۔ اس کے دین اور اس کی وحی کے حامل ہو۔ تم خدا کی طرف سے اپنے نفسوں پر امین قرار دیئے گئے ہو۔ دوسرے گروہوں کی طرف دینِ الٰہی کو پہنچانے والے ہو۔ تمہارا گمان یہ ہے کہ خدا کے ذمہ تمہارا کوئی حق ہے۔ حالانکہ تم میں خدا کا عہد موجود

ہے۔ وہ کون ہے؟ وہ خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق ہے۔ وہ نور روشن ہونے والا نور ہے۔ وہ ضیا ہے! اور درخشندہ ضیا۔ اس کے انوار درخشاں ہیں! اس کی پوشیدگیاں کھلی ہوئی ہیں! اس کے ظواہر منجلی ہیں! اس کے تابعین پر غبطہ کیا جاتا ہے! اسکی اطاعت کرنیوالے رضوان الٰہی کیطرف کھینچے والے ہیں! اور اس کے احکام کے سامعین نجات کی طرف لے جانے والے۔ خدا کی روشن حجتیں۔ اس کے فرائض واضحہ۔ اس کے محرّمات محذورہ۔ اسکی مجلّی نشانیاں۔ اس کے دلائل کافیہ۔ اس کے فضائل مستحبّہ۔ اس کی موہوبہ رخصتیں۔ اسکی مکتوبہ شریعتیں۔ ان تمام چیزوں تک اسی خلیفۃ اللہ اور کتاب ناطق خداوندی کے ذریعہ سے رسائی ہوسکتی ہے۔

ان فقراتِ مقدسہ میں قرآن مجید کی طرف بھی اشارہ ہے اور ذاتِ بابرکاتِ امیر المومنین کی جانب بھی۔

فجعل اللہ الایمان تطھیراً للشرك والصّلوٰۃ تنزیھاً لکم عن الکبر والزکوٰۃ تزکیۃً للنفسِ ونماءً فی الرّزقِ والصِّیام تثبیتاً للاخلاصِ والحجّ تشدیداً للدّینِ والعدلِ تنسیقاً للقُلُوب وطاعتنا نظاماً للملّۃ وامامتنا اماناً من الفرقہ والجہادَ عزّ الاسلام والصّبر معُونۃً علی استیجاب الاجر والامر بالمعروف مَصلحۃً للعامّۃ دبِرّ الوالدین وقایۃً من السُّخط وصلۃ الارحام منماۃً للعددِ والقِصاص حقناً للدّماءِ والوفاءَ بالنذر تعریضاً للمغفرۃِ والمکائیلَ والموازین تغییراً للبخس والنھی عن شُربِ الخمر تنزیھاً عن الرجس واجتِنابَ القذف حجاباً عن اللعنۃِ وترك السرقۃ ایجاباً للعِفّۃِ وحرّم اللہُ الشرك اخلاصاً لہٗ بالرّبوبیّۃِ فاتقوا اللہ حقّ تُقاتہ ولاتموتنّ الّا وانتم مُسلمُون وآطیعُوا اللہ فیما آمرکم بہ ونھیکم عنہ فانّہ انّما یخشی اللہ من عِبادہٖ العلماءُ۔

ان فقراتِ مقدسہ میں جناب معصومہ نے احکام شریعت کی علتیں بیان فرمائی ہیں

نکل آتا ہے۔ چنانچہ فرماتی ہیں۔

"پس خداوند عالم نے ایمان قرار دیا۔ تاکہ تم اس کے سبب سے شرک کی نجاست سے پاک و پاکیزہ ہو جاؤ۔ نماز مقرر کی تاکہ تم کبر و غرور سے منزہ رہو۔ زکواۃ واجب فرمائی تاکہ نفسوں کا تزکیہ ہو اور رزق میں زیادتی ہو جائے۔ روزے فرض کئے تاکہ تم اخلاص کا ثبوت پیش کرو۔ حج واجب گردانا۔ تاکہ دین محکم ہو جائے۔ عدل کا حکم دیا تاکہ قلوب ایک حالت راستی میں ہو جائیں۔ متفرق نہ رہیں۔ ہماری طاعت فرض کی تاکہ قوم کا نظام و انتظام نہ بگڑے ہماری امامت کو لازم فرمایا تاکہ تفریق اور فرقہ بندیوں سے امن رہے۔ جہاد کا حکم دیا کہ اسلام کی عزت و قوت بنی رہے۔ صبر کو لازم گردانا تاکہ قبولیت اجر کے لئے معاون ہو۔ امر بالمعروف واجب کیا تاکہ عوام الناس کی حالت اصلاح پر آجائے۔ والدین سے نیکی کا حکم دیا۔ اسلئے کہ غضب الہٰی سے حفاظت ہو۔ صلۂ رحم مقرر کیا تاکہ تمہارے اعداد و شمار میں ترقی ہو۔ قصاص مقرر فرمایا کہ خونریزی سے محفوظ رہیں۔ نذر و عہد کے وفا کرنے کا حکم دیا تاکہ مغفرت کا سامان مہیا ہو۔ پیمانے اور ترازو مہیا کئے۔ تاکہ نقصان سے بچے رہو۔ شرابخواری سے ممانعت فرمائی۔ تاکہ ہر قسم کی نجاست سے منزہ ہو جاؤ۔ افترا و بہتان اور دشنام دہی سے روکا۔ تاکہ لعنت سے پس پردہ رہو۔ چوری چھوڑنے کا حکم دیا تاکہ عفت کے زیورات سے آراستہ ہو جاؤ۔ خدا نے شرک (افعالی) کو حرام قرار دیا تاکہ خالص اسی کی ربوبیت کا اقرار کرو۔ پس اب تم خدا سے ڈرو۔ جو ڈرنے کا حق ہوتا ہے۔ اور تم جب مرو تو اسلام ہی پر تمہارا دم نکلے۔ خدا کی اطاعت کرو۔ اس امر میں جس کا تمہیں حکم دیا ہے۔ اور جس شے سے تمہیں ممانعت کی ہے اس سے باز رہو۔ بیشک اس کے بندوں میں جو صاحب علم ہیں۔ وہی خدا سے ڈرتے ہیں۔"

ایھا النّاسُ اعلمُوا انّی فاطمۃُ وابی محمّدٌ صلی اللہ علیہ وآلہ اقول عوداً وبدءاً ولا اقولُ ما اقولُ غلطاً ولا افعلُ ما افعلُ شططاً لَقَدْ جاءکُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ فان تعزّروہ وتعرفوہ تجدوہ ابی دون نسائکم واخ ابن عمّی دون رجالکم

میرے پدر بزرگوار محمد مصطفےٰ ہیں۔ میں یہی جملہ پھر کہتی ہوں۔ اور پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ اور جو کچھ میں کہتی ہوں۔ ہرگز غلط نہیں کہتی۔ اور جو کچھ میں کرتی ہوں۔ کبھی عبث۔ بیکار اور فضول نہیں کرتی۔ بیشک تمہیں میں سے رسول آیا۔ تمہارے پاس آیا۔ تمہاری تکالیف اور مشکلات اسے سخت ناگوار تھیں۔ وہ تمہاری نجات پر حریص تھا۔ اور مومنین کے لئے رافت و رحمت مجسم تھا۔ اب اگر تم اسکی عزت کرتے ہو۔ اسے پہچانتے ہو۔ تو اسے میرا ہی باپ پاؤگے۔ ہاں وہ میرا ہی باپ ہے نہ کہ تمہاری عورتوں کا۔ ہاں وہ میرے ابن عم (علیؑ ابن ابی طالبؑ) کا بھائی ہے۔ نہ کہ تمہارے مردوں کا۔ ہاں ہاں! اس سے نسبت رکھنے والا کتنا اچھا ہے۔ اس پر اور اسکی آل پر خدا نے درود بھیجا ہے۔

فبلّغ الوسالۃ صادعًا بالنذارۃ مائلاً عن مدرجۃ المشرکین ضاربًا ثبجھم اخذًا باکظامھم داعیًا الی سبیل ربّہ بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ یکسّرُ الاصنام و یُنکبُ الھام حتّیٰ انھزم الجمع وولّوا الدُبُر حتی تفرّی اللیلُ عن صبحہ واسفر الحق عن محضہ ونطق زعیمُ الدین وخرست شقاشِقُ الشیاطین وطاح وشیظُ النفاق وانحلّت عقد الکفرِ والشقاق وفھتم کلمۃ الاخلاص فی نفرٍ من البیض الخماص الذین اذھب اللّٰہ عنھمُ الرِجْسَ وطھّرھم تطھیرا وکنتم علیٰ شفا حُفرۃٍ من النار فانقذکم منھا نُھزۃ الطامع وقبسۃ العجلان وموطاء الاقدام تشربُون الطرق وتقتاتون الورق اذلۃً خاسئین تخافون ان یتخطّفکم النّاسُ من حولکم فانقذکم اللّٰہ تبارک وتعالیٰ بمحمدٍ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ بعد اللتیا والتی۔

پس آپ نے تبلیغ رسالت فرمائی۔ انکی جماعتوں کو تخویف الٰہی کے ساتھ پراگندہ کر دیا مشرکین کے مدارج کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ آپ ان کے رؤسا کو (جو عرب کے تاج کہلاتے تھے) مارتے تھے۔ ان کے نرخروں کی گرفت کرتے تھے۔ اور اپنے پروردگار کیطرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دیتے تھے۔ بتوں کو توڑتے تھے۔ انکی کھوپریوں کو نکبت و

صبح کی روشنی سے رات کی تاریکی نے فرار کیا۔ حق محض و خالص چمک اٹھا۔ دین کا سردار بولنے لگا۔ شیاطین کے مستانہ کلام گونگے ہو گئے۔ رذالتِ نفاق ہلاک ہوئی۔ کفر وشقاوت کی گرہ کھل گئی۔ تم نے کلمۂ اخلاص کو ان لوگوں سے سیکھا۔ جن کے چہرے روشن تھے۔ جن کے شکم بھوک سے پشت کو لگے ہوئے تھے۔ جن سے خدا نے ہر ایک قسم کی نجاست کو دور کر دیا ہے۔ تم آتشین گڑھے کے کنارے پر تھے۔ تمہیں انہیں لوگوں نے ان گڑھوں سے نکال لیا۔ تم ہر ایک طمع کرنیوالے کے لئے مال غنیمت تھے۔ ہر ایک شتاب کار کے لئے آگ کی چنگاری تھے (جسے جو چاہے بجھا دے) تم دوسروں کے قدموں سے پامال تھے۔ تم مختلف رستوں میں پانی پیتے تھے۔ درختوں کے پتے تمہارا قوت تھا۔ تم ذلیل تھے۔ گمنام تھے۔ تمہیں ہر وقت خوف تھا کہ وہ قومیں جو تمہارے گرد ہیں۔ تم پر اچانک آگرینگی۔ مگر خداوند عالم نے محمد مصطفیٰ (صلعم) کی بدولت ان تمام مصائب کے بعد تمہیں رہائی بخشی۔

وبعد ان منی بہم الرجالِ وذوبان العربِ ومردۃ اھل الکتاب کلما اوقدوا ناراً اطفاھا اللہ او نجم قرن للشیطان و فغرت فاغرۃ من المشرکین قذف اخاہ فی لھواتہما فلاینکفاء حتی یطاء صماخہا باخمصہ ویخمد لھبہا بسیفہ مکدودا فی ذات اللہ مجتہداً کادحاً وانتم فی بلھینۃ من العیشِ وادعون فاکھون آمنون تتربصون بنا الدوائرد تتوکفون الاخبار وتنکصون عند النزالِ وتفرون عند القتال۔

اس کے بعد جب نامورانِ عرب۔ سرکشانِ عرب۔ اور گمراہ اہل کتاب کے لشکروں نے لڑائی کی آگ بھڑکائی۔ تو خدا نے اسے بجھا دیا۔ اور جب کبھی شیطان کا سینگ نمودار ہوا یا مشرکین میں سے کسی منہ کھولنے والے نے منہ کھولا۔ تو رسول نے اپنے بھائی کو ان کے حلقوم میں ڈالدیا۔ (ان کے سروں پر مسلط کر دیا) رسول کا بھائی نہیں پلٹا جبتک کہ انکی کنپٹیوں کو اپنے تلووں سے نہیں مسل دیا۔ اور ان کے شعلوں کو آب تیغ سے نہیں بجھا دیا۔ درآنحالیکہ وہ ذاتِ خدا میں غرق۔ اس کے معاملے میں انتہائی کوشش کرنیوالا اور اسی کیطرف رجوع

میں گرفتار تھے۔ عیش و آرام کر رہے تھے۔ امن و امان میں زندگی گذار رہے تھے۔ ہماری
مصیبتوں کا انتظار کرتے تھے۔ اور ہماری مصیبتوں کی خبروں کے متوقع تھے۔ سختیوں کیوقت
پلٹ جاتے تھے۔ اور لڑائی کے وقت فرار کر جاتے تھے۔

فلمّا اختار اللّٰہُ لنبیّہٖ دار انبیائہٖ ومأوی اصفیائہٖ ظہر فیکم حسیکۃ النفاق
وسَمَلَ جلبابُ الدین ونطق کاظم الغاوین ونبغ خاملُ الآفلین وھدر
رفیق المبطلین فخطر فی عرصاتکم واطلع الشیطانُ راسہٗ فی مغرزہٖ ھاتفاً
بکم فالفاکم لدعوتہٖ مستجیبین وللعزۃ فیہ ملاحظین ثمّ استنہضکم
فوجدکم خفافاً واحمشکم فالفاکم غضاباً فوسمتم غیر ابلکم واوردتم
غیر مشربکم ھذا والعہدُ قریب والکلمُ رحیب والجرح لمّا یندمل
والرسولُ لمّا یُقبر ابتداراً زعمتم خوف الفتنۃ الا فی الفتنۃ سقطوا
وانّ جہنّم لمحیطۃٌ بالکافرین۔

جب خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کے واسطے وہ مقام پسند فرمایا جو اس کے انبیا و صفیا
کے لئے مقرر رہے تو تم میں منافقانہ عداوتیں ظاہر ہوئیں۔ دین کا پردہ کہنہ ہوگیا۔ گمراہوں
میں سے وہ شخص جو اپنے غیظ و غضب کو ضبط کئے ہوئے تھا۔ بولنے لگا۔ وہ شخص جو پردہ
گمنامی میں پوشیدہ تھا۔ ظاہر ہوگیا۔ اہل باطل کے دودھ کی دھاریں بہہ بہہ کر تمہارے
صحن میں آگئیں۔ شیطان نے اپنے گوشے سے سر نکالا۔ تمہیں پکارا۔ اس نے تم سے ملاقات
کی درآنحالیکہ تم اسکی دعوت کے قبول کرنے والے اور دعوتِ شیطانی میں اپنی عزت و قوت
کو ملاحظہ کرنے والے تھے۔ پھر اس نے تمہیں حرکت دی۔ اور تمہیں بہت ہلکا پایا۔ اس نے
تمہیں بھڑکایا۔ اور تم غیظ و غضب میں گرفتار ہونے والے پائے گئے۔ پس تم نے اپنے اونٹ
کے سوا دوسرے کے اونٹ پر نشان لگایا۔ اور تم اپنے اونٹوں کو پانی پلانے لے آئے اس چشمے
پر جو تمہارا نہیں ہے۔ یہ معاملہ تم سے ظاہر ہوا۔ حالانکہ زمانہ رسالت ابھی کل کی بات ہے
زخم بالکل ہرا ہے۔ اور وسیع جراحت ابھی مندمل نہیں ہوئی۔ اور پیغمبرؐ ابھی قبر میں بھی نہیں
سوئے تھے۔ تم نے عجلت کی۔ اور اپنے گمان میں فتنے کے خوف سے عجلت کی۔ آگاہ رہو کہ

ایسے لوگ خود فتنوں میں گر پڑے! اور بیشک جہنم اہل کفر کو گھیرے ہوئے ہے۔

فہیہات منکم وکیف بکم وانی تو فکون وکتاب اللہ بلین اظہرکم اموره زاہرۃ واعلامہ باہرۃ وزواجرہ لائحۃ واوامرہ واضحۃ قد خلفتموہ وراء ظہورکم ارغبۃ عنہ تریدون ام بغیرہ تحکمون بئس للظالمین بدلا ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔

افسوس! ہزار افسوس۔ تمہیں کیا ہوگیا۔ یہ کیا افک و افترا کر رہے ہو۔ حالانکہ خدا کی کتاب تمہارے سامنے موجود ہے! اس کے امور چمک رہے ہیں۔ اسکی نشانیاں روشن ہیں اس کی ممانعتیں تابندہ ہیں! اس کے احکام واضح ہیں۔ مگر تم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے کیا تم اس سے منہ پھرانا چاہتے ہو۔ کیا اس کے بغیر کسی دوسری کتاب سے حکم لگانے کا ارادہ ہے اہل ظلم کے لئے یہ بہت برُا عوض ہے۔ یاد رکھو جو شخص اسلام کے بغیر کوئی اور دین اختیار کرے گا ہر گز اس سے قبول نہ کیا جائیگا۔ اور انجام کار وہ خسارہ اٹھانیوالوں میں سے ہوگا۔

ثم لم تلبثوا الا ریث ان تسکن نفرتہا ویسلس قیادھا ثم اخذتم تورون وقدتہا وتہیجون جمرتہا وتستجیبون بہتاف الشیطان الغوی واطفاء انوار الدین الجلی واہماد السنن النبی الصفی تسرون حسوا فی الارتغاء وتمشون لاھلہ وولدہ فی الخمر والضراء ونصبر منکم علی مثل حز المدی ووخز السنان فی الاحشا وانتم تزعمون ان لا ارث لنا افحکم الجاھلیۃ تبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون افلا تعلمون۔

اس کے بعد تم نے درنگ نہیں کیا۔ مگر اسی قدر کہ اسکی نفرت کم ہوجائے اور اس کی مہار نرم ہوجائے! اس کے ساتھ ہی تم نے اس کا ایندھن بھڑکا دیا۔ اسکی سرخی کو ہیجان میں لے آئے۔ گمراہ شیطان کی دعوت کو تم نے قبول کرلیا۔ دین روشن کے انوار بجھانے اور برگزیدہ نبی کی سنتوں کو برباد کرنے میں تم شیطان کے ہمزبان ہوگئے۔ تم بالائی بالائی حریرے سے اپنا پیٹ بھر رہے ہو! ور رسول اللہ کے اہلبیت اور انکی اولاد کے ساتھ منہ پر نقاب ڈالکر

چھری کے زخم اور تیر کے گھاؤ پر جو اموں میں بجھ گیا ہو۔ صبر کیا جاتا ہے۔ تمہارا گمان یہ
ہے کہ ہمارے لئے میراث ہی نہیں۔ کیا تم حکم جاہلیت کی پیروی کرتے ہو۔ اہل یقین کے واسطے
خدا سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے۔ کیا تم نہیں جانتے ہو۔

بلیٰ تجلّیٰ لکم کالشمس الضاحیۃ انّی ابنتہٗ ایہا المسلمون ءاُغلَبُ علیٰ ارثیہ
یا بن ابی قحافہ افی کتاب اللّٰہ اَنْ تَرِثَ اَبَاکَ ولا اِرِثَ ابی لَقَدْ جِئْتَ
شیئًا فریًّا افعلیٰ عمدٍ ترکتم کتابَ اللّٰہِ ونبذتموہ وراءَ ظہورِکُم اِذ یقولُ
و ورث سلیمانُ داؤدَ وقالَ فیما اقتصّ من خبر یحییٰ بن زکریّا اذ قالَ
رَبِّ ھب لی من لَدُنْکَ ولیًّا یرِثُنی ویرِثُ من آل یعقوبَ وقال اولو الارحام
بعضہا اولیٰ ببعضٍ فی کتاب اللّٰہ وقال یوصیکم اللّٰہُ فی اولادکم لِلذَّکَرِ
مثلُ حظِّ الانثیین وقال ان ترک خیرن الوصیّۃُ لِلوالدَین والاقربین
بالمعروف حقًّا علی المتقین وزعمتم ان لاحُظوۃ لی ولا ارثَ من ابی
ولارحمَ افخصّکمُ اللّٰہ بآیۃٍ اَخْرَجَ منہا ابی اَم ھَل تقولونَ اھلُ مِلّتین
لایتوارثانِ ولستُ انا وابی من اھل ملّۃٍ واحدۃٍ ام انتم اعلم بخصوص
القرآن وعمومہ من اَبی وابن عمّی فَدُونکہا مخطومۃً مرحولۃً تلقاکَ
یوم حشرِکَ فنِعمَ الحَکَمُ اللّٰہُ والزعیم محمّدٌ والموعِدُ القیامۃُ وعند الساعۃ
ما تخسرون ولا ینفعکم اِذ تندمُون ولکلِّ نباءٍ مُستقرٌ فسوف تعلمون
من یاتیہ عذابٌ یخزیہ ویحِلُّ علیہ عذابٌ مُقیمٌ۔

ہاں! مہر نیم روز کی طرح روشن ہے۔ اے مسلمانو! میں رسول اللہ کی بیٹی ہوں۔ اے
ابن ابی قحافہ کیا میں رسول کی میراث سے محروم ہو جاؤنگی؟ کیا خدا کی کتاب میں کوئی ایسا
حکم ہے۔ کہ تو اپنے باپ کا وارث ہو۔ اور میں نہ ہوں۔ یہ تو نے بہت برا کام کیا ہے کیا
تم لوگوں نے جان بوجھکر کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ اسے اپنے پس پشت ڈالدیا۔ قرآن تو یہ
کہتا ہے۔ کہ سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے! اور حضرت یحییٰؑ بن ذکریاؑ کے قصے میں خبر دیتا

کا وارث ہو۔ پھر ارشاد فرمایا ہے۔ کہ صاحبانِ قرابت ایک دوسرے سے زیادہ میراث میں حق

ہیں۔ نیز فرماتا ہے کہ خداوند عالم تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے وہ یہ کہ لڑکوں کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ پھر ارشاد ہوا ہے اگر کسی شخص نے مال چھوڑا۔ تو وصیت بالمعروف والدین اور اہل قرابت کے لئے ہے۔ یہ صاحبانِ التقادیر واجب ہے۔ کیا (ان تمام نصوص صریحہ کے برخلاف) تمہارا گمان یہ ہے کہ میرے لئے کوئی حصہ نہیں۔ اور نہ میں اپنے باپ کی وارث ہو سکتی ہوں۔ اور ہمارے درمیان میں کوئی قرابت نہیں ہے۔ کیا خداوند عالم نے تمکو کسی آیت سے مخصوص کر دیا ہے۔ اور میرے باپ کو اس سے خارج فرمایا ہے۔ کیا تم لوگ خصوصیات و عموم قرآن کو میرے باپ سے اور میرے ابن عم (علیؑ ابن ابی طالبؑ) سے زیادہ جانتے ہو۔ پس خبردار ہو جا اور پرہیز کر اس پامال شدہ اور شتمکش سے جو قیامت کے دن تجھ سے ملاقات کریگی۔ اُسروز بہترین حاکم خداوند عالم ہوگا اور طالبِ حق محمدؐ ہوں گے۔ وعدہ گاہ میدانِ قیامت ہوگا۔ اس ساعت تمہیں کسقدر خسارہ رہے گا۔ اور ندامت و پشیمانی کچھ بھی فائدہ نہ دیگی۔ اور ہر ایک چیز کیلئے ایک وقت مقرر ہے تم عنقریب جان جاؤ گے۔ کہ عذاب دردناک کس پر آتا ہے۔ اور قائم رہنے والا عذاب کس پر وارد ہوتا ہے۔

اب آپ انصار کی طرف مخاطب ہوئیں۔ اور فرمایا۔

یا معشر الفتیة واعضاد الملة وانصار الاسلام ما هذه الغمیزة فی حقی والسنة من ظلامتی اما کان رسول الله صلی الله علیه و آله ابی یقول المرء یحفظ فی ولده سرعان ما احدثتم وعجلان ذا اهالة ولکم طاقة بما احاذل وقوة ما اطلب واذا اول التقولون مات محمد صلی الله علیه و آله فخطب جلیل استوسع وهنه واستنهر فتقه وانفتق رتقه واظلمت الارض لغیبته وکسفت النجوم لمصیبته واکدت الآمال وخشعت الجبال واُزیل الحریم واُزیلت الحرمة عند مماته

عاجلة اعلن بها كتاب الله جل ثناءه في افنيتكم في ممساكم ومصبحكم
هتافاً وصراخاً وتلاوةً والحاناً ولقبله ما حلّ بانبياء الله ورسله حكم
فصلٌ وقضاءٌ حتمٌ وما محمدٌ الا رسولٌ قد خلت من قبله الرسلُ
افان مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه
فلن يضر الله شيئاً وسيجزي الله الشاكرين ـ

اے جوانمردوں کے گروہ - اے قوم کے بازوؤ - اے اسلام کے نصرت کرنے والو میرے
حق کی طرف سے یہ کیسی چشم پوشی ہے! ورمیری دادرسی سے یہ کیسی غفلت کی جارہی ہے
کیا میرے پدر بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ انسان کی حفاظت
اسکی اولاد کے حق میں بہت جلد کرنی چاہیئے - تم بہت عجلت کے ساتھ اور خوفناک طریقے سے
یہ کام کر گذرے - حالانکہ جس امر کے لئے میں پھرائی جارہی ہوں! سمیں مدد دینے کی تمہیں
طاقت ہے! ورجس شے کی میں طلبگار ہوں - اور مظالم کا بار ڈال ڈال کر جس بارے میں میرا
امتحان کیا جارہا ہے - تمہیں اس امر میں میرا ہاتھ بٹانے کی قوت حاصل ہے -

آہ! تم کہہ رہے ہو کہ محمدؐ نے وفات پائی - یہ ایک مصیبت بزرگ ہے - اس کا خوف
وسیع ہے - اس کا شگاف ڈھے چکا! وراس کا اتصال شگافتہ ہوگیا - اس کے غائب ہونے
سے زمین تاریک ہوگئی - اسکی مصیبت کے سبب سے ستارے بے نور ہوگئے - آرزوئیں ساکن
ہوئیں - پہاڑ جھک گئے - حریم اپنے مقام سے زائل ہوگیا - حرمتیں برباد ہوگئیں - اس کی
موت پر یہ سب کچھ واقع ہوا - پس خدا کی قسم یہ ایک آفت کبریٰ ہے - مصیبت عظمیٰ ہے نہ اس
کے مانند کوئی مصیبت ہے - نہ کوئی ناگہانی آفت - خدا کی کتاب نے تمہارے گھروں میں - صبح
اور شام کی نشست گاہوں میں چیخ چیخ کر - پکار پکار کر تلاوت والحاق کے وقت پہلے ہی
اس کا اعلان کر دیا تھا - اس پیغمبر پر جو کچھ گذرا! وراس سے پہلے جو کچھ انبیاء ورسل پر حادثہ
(موت) طاری ہوا - وہ ایک حکم فیصلہ شدہ اور قضائے حتمی ہے - جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے
محمدؐ خدا کے رسول ہیں - ان سے پہلے بھی بہت سے انبیاء گذر چکے ہیں - اگر وہ مرجائے یا
قتل ہو جائے تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں پر پلٹ جاؤ گے - اور جو شخص کہ پلٹ جائیگا وہ خدا

فرمائے گا۔

ایها بنی قیلة اُهضمُ تراث ابی وانتم بمرئٍ منی ومُسمعٍ ومبتداءٍ ومُجمعٍ تلبسکم الدعوة تشملکمُ الجُبزة وانتم ذو والعَددِ والعُدّةِ والاداة والقُوّةِ وعِندکمُ السِلاحُ والجُنّة توافیکم الدعوةُ فلا تجیبون وتاتیکم الصرخةُ فلا تغیثون وانتم موصوفون بالکفاح ومعروفون بالخیرِ والصلاح والنجبة التی انتجبت والخیرةِ التی اُختیرت قاتلتمُ العربَ وتحملتمُ الکدّ والتعبَ وناطحتم الاُمُمَ وکافحتم البُهمُ فلا نبرحُ اَو تبرحُونَ نامُرکُم فتامرون حتیّٰ اذا دارت بنا رحی الاسلام ودرّ حَلبُ الایام وخضعت نعرةُ الشرك وسکنت فورةُ الافكِ وخمدت نیران الکفرِ وهدئت دعوةُ الهرج واستوثق نظامُ الدینِ فانّٰی حِرتم بعدالبیانِ واسررتم بعدالاعلان ونکصتم بعد الاقدام واشرکتم بعد الایمانِ الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسولِ وهم بدؤکم اول مرةٍ اتخشونهم فالله احقّ ان تخشوه ان کنتم مومنین الا قدارئ ان اخلدتم الی الخفضِ وابعدتم من هو احقّ بالبسطِ والقبض وخلوتم بالدَعةِ ونجوتم من الضیق الی السعةِ فمججتم ما وعیتم ودسعتم الذی تسوغتمُ فانْ تکفروا انتم ومن فی الارضِ جمیعاً فانّ اللّٰہ لغنیٌ حمیدٌ۔

اے سردار ونکی اولاد! میرے باپ کی میراث ہضم کی جائے۔ درآنحالیکہ میں تمہیں دیکھ رہی ہوں۔ سُنا رہی ہوں۔ تم سے ابتدا کی گئی ہے۔ اور تم جمع شدہ ہو۔ میری دعوت تمہارا لباس بن چکی ہے۔ علم اس کا تمہارے شاملِ حال ہے۔ تم صاحب جماعت ہو۔ اعداد وشمار والے ہو۔ آلات وقوت کے مالک ہو۔ تمہارے پاس ہتھیار بھی ہیں۔ ڈھال بھی۔ تمہیں کافی طور پر پکارا گیا مگر تم قبول نہیں کرتے۔ ایک صدمہ رسیدہ کی فریاد تم تک آرہی ہے مگر تم فریادرسی نہیں کرتے۔ حالانکہ تم بغیر ڈھالوں کے دشمن کا دفاع کرنے میں مشہور ہو

صلاح کو یکسانی اور [illegible] بات کے ساتھ معروف و موصوف ہو۔ جو عجب و عجیب ہے۔ تم ایسی بہتری
کے ساتھ منسوب ہو۔ جو اختیار کیگئی ہے۔ تم نے عرب سے قتال کیا۔ تم رنج و تعب کے متحمل ہوئے
تمنے جماعتوں کو گرا دیا۔ جیسے ایک جانور دوسرے کو سینگ مار کر ہلاک کر دیتا ہے۔ تم نے لشکروں کا
دفاع کیا۔ ہم تو اپنے مقام سے نہیں ہٹے۔ مگر تم ہٹ رہے ہو۔ ہم تمکو حکم دے رہے ہیں (جیسے پہلے
دیتے تھے) مگر اب تم حکم چلا رہے ہو (تمہارا پہلا رنگ باقی رہا) یہاں تک آسیائے اسلام نے گردش
کی۔ زمانے کا دودھ نکالا گیا۔ شرک کے نعرے پست ہوئے۔ افترا و بہتان کے فوارے ساکن ہو
گئے۔ کفر کی آگ بجھ گئی۔ فتنے کی دعوت خاموش ہو گئی۔ دین کا انتظام محکم ہو گیا۔ اب تم اس وضاحت
کے بعد کدھر ہو رہے ہو۔ اعلان و اظہار کے بعد (امر حق کو) چھپا رہے ہو۔ قدم بڑھا کر پیچھے ہٹ
رہے ہو۔ ایمان کے بعد شرک اختیار کر رہے ہو۔ کیا تم اس قوم سے نہ لڑوگے۔ جس نے اپنی قسموں
کو توڑ دیا۔ جنہوں نے رسول کے نکالنے پر کمر باندھی۔ اور پہلے پہل تم سے مقابلہ کیا۔ کیا تم انلوگوں
سے ڈرتے ہو۔ اگر تم مومن ہو تو تمہیں خدا سے ڈرنا زیبا ہے۔ آگاہ ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم
ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پستی میں مقیم ہو گئے۔ اور تم نے اس شخص کو دور کر دیا۔ جو قبض و بسط (انتظام امور
اسلام) کا بہت زیادہ سزاوار ہے۔ تم آرام طلبی کے ساتھ خلوت گزین ہو گئے۔ تم نے تنگیوں سے
وسعت کے ساتھ نجات پائی۔ اور جسکی تم نے حفاظت کی تھی۔ اسے الگ ڈال دیا۔ اور جس لقمہ کو تمنے
بتکلف کھایا تھا۔ آخر اسے اُگل دیا۔ پس اگر تم معہ تمام اہل زمین کے کفر اختیار کر لو۔ تو بیشک خداوند
عالم غنی و حمید ہے۔ اسے کچھ تمہاری پروا نہیں۔

الا قد قلتُ ما قلتُ علیٰ معرفۃٍ منّی بالخذلۃ التی خامرتکم والغدرۃ التی
استشعرتہا قلوبکم ولکنہا فیضۃ النفس ونفثۃ الغیظ وخور القناۃ وبثۃ
الصدر وتقدمۃ الحجۃ فدونکموھا فاحتقبوھا دبرۃ الظھر نقبۃ الخف باقیۃ
العار موسومۃ بغضب اللّٰہ وشنار الابد موصولۃ بنار اللّٰہ الموقدۃ التی تطلع
علی الافئدۃ فبعین اللّٰہ ما تفعلون وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب
ینقلبون وانا ابنۃ نذیرٍ لکم بین یدی عذابٍ شدیدٍ فاعملوا انا
عاملون وانتظروا انا منتظرون۔

ڈھانک لیا ہے۔ اور اس بیوفائی کو پہچان رہی ہوں جس سے تمہارے دلوں نے ٹھوکر کھائی ہے ہاں یہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ ایک دلگرفتگی ہے۔ غیظ و غضب (داقعی) کا لعاب دہن ہے خاطر شکستہ کی آواز ہے۔ سینے کا اضطراب ہے۔ اتمام حجت ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے۔ اسے اپنے لئے ذخیرہ آخرت کر لو۔ مگر یہ پیٹھ کا زخم ہے۔ موزے کا گھاؤ ہے۔ ننگ و عار کو باقی رکھنے والا ہے خدا کے غضب اور ہمیشہ کی ملامت کے ساتھ موسوم ہے۔ یہ خدا کی اس آگ تک پہنچا ہوا ہے جو دلوں میں ہی بھڑکا کرتی ہے۔ پس خدا کی نگاہ میں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اور عنقریب ظلم کرنے والوں کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ انکی بازگشت کس مقام پر ہے۔ اب تم بھی عمل کرو۔ ہم بھی عمل کرتے ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

جن لوگوں کے دل میں ایمان ہے۔ وہ اس خطبے کو دیکھکر تمام معاملات کو اچھی طرح معلوم کر لیں گے۔ ایک ایک لفظ ٹوٹے ہوئے دل سے نکلا ہے۔ اور ایک ایک فقرہ اس ملال کا اظہار کر رہا ہے۔ جو سیدہ معصومہ کو رسول اللہ کی وفات کے بعد پہنچایا گیا۔ کونسی بات ہے۔ جو باقی چھوڑ دی گئی۔ اور کونسی حجت ہے جسے قطع نہیں کیا گیا۔ آیات قرآن سے جن جن مواقع پر استدلال کیا گیا ہے۔ وہ اپنی جگہ ایسی محکم اور مضبوط ہیں۔ کہ ہزار زمانہ جنبش کھائے مگر وہ ہل نہیں سکتیں۔ انصار و مہاجرین کو جو جو جرم کے دیئے گئے ہیں۔ انہیں کا دل جانتا ہوگا۔ کتاب اللہ کی جو حالت بتائی گئی ہے۔ بالکل صحیح و یقینی ہے۔ کس نے کتاب اللہ کو دیکھا۔ کس نے اس سے تمسک کیا۔ کون اسکے محکمات کو سمجھا۔ کس نے اسکے متشابہات پر نظر ڈالی۔ کس نے اسکے ناسخ و منسوخ کو جانچا۔ کس نے مقید و مطلق کی پڑتال کی۔ سیدہ کا ارشاد بالکل صحیح ہے۔ کہ اسے پس پشت ڈالدیا گیا۔ اور آجتک یہی رنگ چلا آرہا ہے۔ خبر احاد کی بنا پر قرآن کی آیتیں منسوخ قرار پائیں اقوال عوام حقائق قرآنیہ کا مدرک قرار پا گئے۔ اس سے زیادہ اور کیا اسلام کے لئے مصیبت عظمیٰ ہوگی اور اس سے زیادہ بربادی اسلام کا اور کیا سامنا ہوگا۔

ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ کہ اسوقت مسلمانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ اٹھا جو سیدہ کے دل کی تسکین کا باعث ہوتا۔ اور جو کم از کم زبانی ہی طریقے سے اس ناسور پر مرہم رکھدیتا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ فدک خواہ وہ کوئی بڑی جاگیر ہو۔ یا چھوٹی سی۔ وہ نخلستان ہوں یا ببول کے درخت۔ جناب سیدہؑ کی نظر میں انکی کچھ وقعت نہ تھی۔ وہ تو سیدہؑ کے پاس رہکر مسلمانوں کے ہی کام آنے والی چیز تھی۔ جیسا کہ آجتک اسکی آمدنی نیز جناب سیدہؑ کی والدہ کا مال محتاج مسلمانوں کے کام آتا رہا تہا۔ ہاں اگر ان سے سوال کیا جاتا کہ اسلام پر کوئی وقت آپڑا ہے۔ آپ یہ شئے مسلمانوں کے حوالے کر دیجے تو بہت ممکن تھا کہ جناب سیدہؑ یہ درخواست خوشی کے ساتھ قبول کرتیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا! ورنہ فاطمہ زہراؑ کی بیچینیاں صرف فدک کے لئے مخصوص تہیں۔ بلکہ وہ اسکی تہ میں دیکھ رہی تھیں۔ کہ اس سے میری اولاد کی بیکسی کی بنیاد پڑ چکی ہے! اور بنی فاطمہؑ کا قدم دنیائے اسلام سے باہر نکالا جا رہا ہے۔ انکا احترام مٹانیکی تدبیریں ہیں۔ اور ان کا احترام زائل کرنے کی ترکیبیں۔ فاذیل الحرم واُزیت الحرمۃ! اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا ہے۔

علامہ ابوبکر احمد بن عبد العزیز جوہری کا بیان ہے۔ کہ جناب سیدہؑ کا کلام سُنکر حاضرین پر ایک اثر طاری ہو گیا۔ اسوقت حضرت ابوبکر فوراً اٹھے اور منبر پر گئے۔ اور فرمایا۔ ایہا الناس یہ کیا حالت ہے۔ تم ہر ایک حق و باطل بات پر کان لگا لیتے ہو۔ یہ آرزوئیں رسولؐ کے عہد میں کہاں گئی تھیں۔ ہاں جس نے سنا یا دیکھا ہے۔ بیان کرے۔ وہ تو (حضرت علیؑ) ایک روباہ ہے جس کی گواہ اسکی دُم ہے۔ فتنۂ خوابیدہ کو جگاتا ہے۔ اور عورات سے امداد چاہتا ہے۔ مثل ام طحال زانیہ کے کہ سب سے زیادہ اسکے دوست زناکار ہیں۔ اگر میں چاہوں تو کہدوں اور روشن و واضح کر دوں مگر اپنی زبان کو روکتا ہوں۔ پھر انصار کیطرف خصوصیت سے خطاب کرکے فرمایا کہ مینے تمہارے احمقوں کا کلام سُنا ہے جو کہتے ہیں کہ تم حق کے لئے اولے و سزاوار ہو۔ کیونکہ تم نے رسول اللہ کو پناہ دی ہے۔ اور آنحضرتؐ کی نصرت و یاری کی ہے۔ آگاہ ہو کہ میں کسی کے اوپر ہاتھ اور زبان دراز نہیں کرتا۔ جبتک کہ مجھکو زحمت نہ دے۔ اور بدلہ پانے کا مستحق نہ ہو یہ فرما کر منبر سے اُتر آئے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں۔ کہ مینے اپنے نقیب ابو جعفر یحیی کے سامنے یہ الفاظ (وہ ایک لومڑی ہے الخ) قراءت کئے تو پوچھا کہ یہ کسکی طرف اشارہ ہے۔ نقیب موصوف نے جوابدیا۔ کہ یہ

علیؑ کو کہا گیا ہے۔ اے فرزند یہ ملکداری ہے۔ بادشاہی ہے۔ اور الملک عقیم مشہور ہے۔

ہم اس واقعہ کو جب ایمانی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں سخت ملال ہوتا ہے۔ لیکن جب اس سانحہ کو پولٹیکل رنگ میں دیکھتے ہیں۔ تو سراسر جائز نظر آتا ہے۔

توجیہ مدرّس بغداد

یہی علامہ ابن الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔ کہ مینے علی ابن فارقی شافعی مدرس بغداد سے سوال کیا۔ کہ فاطمہؑ راست گو تھیں؟ اس نے کہا البتہ وہ صادقہ تھیں۔ میں نے کہا کہ پھر حضرتِ ابوبکر نے انکو فدک کسلیئے نہ دیا۔ جبکہ وہ جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔ یہ سنکر وہ فاضل مسکرایا۔ اور ایک کلام لطیف و مستحسن اسکے جواب میں کہا۔ حالانکہ صاحب ناموس و متدین شخص تھا۔ اور مزاح اس کے مزاج میں نہ تھا۔ اس نے کہا۔ لو اعطاها اليوم فدك بمجرّد دعواها لجاءت اليه غداً وادّعت لزوجها الخلافة و زحزحته عن مقامه ولم يمكنه الاعتذار والمدافعة بشيٍ لانّه يكون قد اسجل على نفسه بانّها صادقة فيما تدعى كائناً ما كان من غير حاجة الى البينة وشهود۔ اگر آج فاطمہؑ کے محض دعوے پر انکو فدک دیدیا جاتا۔ تو وہ اگلے دن پھر آتیں۔ اور اپنے شوہر کے لئے خلافت کا دعوےٰ کرتیں۔ اور حضرت ابوبکر کو ان کے مقام سے ہٹا دیتیں۔ پھر ممکن ہی نہ تھا کہ وہ عذر کر سکیں یا کسی چیز کے ساتھ مدافعت کر سکیں۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں خلیفہ اول خود اپنی ذات پر حجت قائم کر لیتے۔ کہ وہ (فاطمہؑ) ہر دعوے میں صادقہ ہے۔ اور پھر انکا ہر دعوےٰ بلا گواہوں کے سننا پڑتا۔ اور جو کچھ ہوتا ہوتا۔

اس فاضل شافعی کی یہ توجیہ نہایت لطیف ہے۔ علاوہ اسکے کوئی خاندان جس سے حکومت نہیں کر سکتا۔ جبتک کہ وہ اس خاندان کو بالکل پست نہ کر دے۔ جسکی طرف استحقاق کی نگاہیں اٹھ رہی ہوں۔

جناب امیرؑ نے کیوں فدک نہ لیا

کہا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہی معاملہ تھا۔ تو پھر جناب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں فدک کیوں نہ واگذار کر لیا۔

یہ سوال کرنے سے پہلے سائلین کو پہلے حالات پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کو اپنے مختصر زمانۂ حکومتِ ظاہری میں ایسے امور کیطرف توجہ کرنے کی مہلت ملی؟ بصرے والوں کا فتنہ۔ حاکمِ شام کی شورشین۔ خوارج کی بغاوتیں۔ کیا یہ باتین نظر سے مخفی ہیں اب یہ سوال کہ یہ فسادات کیوں ہوئے۔ یہ فسادیوں سے پوچھو۔ علیؑ نے طریقۂ عدل مرعی نہ رکھا ہو۔ علیؑ نے کتاب اللہ سے انحراف کیا ہو۔ علیؑ نے سننِ رسولؐ کو بدل دیا ہو۔ علیؑ نے احکام الٰہی میں تغیر کیا ہو۔ علیؑ نے کسی کی مِلک ضبط کر لی ہو۔ بتادو انمیں سے کوئی بات واقع ہوئی ہے۔ اب اگر محض خاندانی عداوت کی بنیاد پر چڑھائیاں شروع ہو جائیں۔ تو اس کا علاج کسکے پاس ہے۔ اب اہل بغاوت کو خطائے اجتہادی کی ہی سپر بچالے تو بچالے۔ مگر محققین اسلام کے نزدیک اس کے بھی پُرزے اڑ چکے ہیں۔

الروضۃ الندیہ شرح قصیدہ تحفۃ العلویہ کے مولف السید محمد ابن اسمٰعیل ابن صلاح الامیر الکحلانی ثم الصنعانی اعلے اللہ مقامہ۔ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی سنہ ۱۳۲۲ھ میں مولف ممدوح کے ارشادات امیر شام کی نسبت دیکھنے کے قابل ہیں۔ چند سطریں ناظرین کی اطلاع کے لئے نقل کیجاتی ہیں۔

حدیثِ عمار پر بحث کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔ فَنَقُوْلُ انّہٗ لا یَشُکُّ من تعرّف حال معاویۃ فی حربہ وقتالہ انّہ لَیْسَ من الاجتہادِ فی وردٍ ولا صدرٍ وانّما الرّجل متحیّلٌ علےٰ الملکِ فنفق شُبْہۃ الطلب بدم عثمان لیُضلّ اَھلَ الشام بھا وَاَیُّ اجتہادٍ مع النصِّ انّہ باغٍ واَیّ اجتہادٍ مع اخبار رسول اللہ انّہ یقاتل القاسطین وسُمِعْتُ صحۃ الحدیث عند امام المتاخرین من اَھل

فیہ وقد ثبت من طرقٍ عدّةٍ واَیّ اجتہادٍ مع نصّ عمّار الخ وقال فی آخر الکلام ومادعوی الاجتہادِ لمعاویۃ فی قتالہ الّا کدعوی ابنِ حزمٍ انّ ابن ملجمٍ اشقی الآخرین مجتہدٌ فی قتلہ لعلی علیہ السلام کما حکاہ عنہ حافظ ابنُ حجرٍ فی تلخیصہ واذا کان لمن ارتکبَ ھواہ ولفق باطلاً یروج بہ مایراہ اجتہادٌ لم یبقَ فی الدّنیا مبطلٌ اذ لا یاتی احدٌ منکراً الّا و قد اذھب لہ عذراً وھؤلاء عَبَدۃُ الاوثان قالوا ما نعبدھم الّا لیُقرّبوھم الی اللہ زُلفی وکم من محتجٍ حجّتہٗ داحضۃٌ عِندَ ربّہ وعلیہ غضبٌ۔

ہم کہتے ہیں۔ کہ جس شخص نے معاویہ کے حالات کو اسکی لڑائی اور قتال میں گہری نگاہوں سے دیکھا ہے۔ وہ ہرگز اس بارے میں شک نہیں کرسکتا۔ کہ اس شخص کو اولاً و آخراً اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ یہ بادشاہت کے لئے ایک حیلہ باز آدمی تھا۔ اس نے طلب خون عثمان کا شبہہ پھیلا دیا۔ تاکہ اس سے اہل شام کو گمراہ کرسکے۔ اور کونسا اجتہاد ہے جو اس نص صریح کا مقابلہ کرسکے۔ جسمیں اسے باغی قرار دیا گیا ہے۔ اور کونسا اجتہاد ہے جو رسول اللہ کی اس خبردہی کے سامنے پیش کیا جاسکے۔ کہ علی علیہ السلام قاسطین سے مقاتلہ کریں گے۔

میں نے اس حدیث کی صحت امام المتاخرین اہلسنت حافظ ابن حجر مکی سے سنی ہے وہ کہتے ہیں کہ نسائی کے نزدیک ثابت ہوچکا ہے۔ اس نے اسے نقل کیا ہے۔ اسکی تصریح کی ہے اور کسی قسم کی قدح اس حدیث میں نہیں کی۔ اور مختلف طریقوں سے یہ حدیث ثابت ہے (یا عمّار تقتلک فئۃً باغیۃ) اے عمّار تجھے ایک باغی گروہ قتل کریگا۔

پھر علّامہ موصوف فرماتے ہیں۔ کہ معاویہ کا اس لڑائی میں دعوٰی اجتہاد ایسا ہی ہے جیساکہ ابن حزم نے ابن ملجم کے لئے جو اشقی الآخرین ہے۔ قتل امیر المومنین میں اجتہاد کا دعوٰی کیا ہے۔ جیساکہ حافظ ابن حجر نے اپنی تلخیص میں حکایت کی ہے۔ اور اگر وہ شخص جو اپنی خواہشات کا ارتکاب کرے۔ اور باطل کو حق کے ساتھ ملاکر دکھینے سے شاد کام ہو۔ مجتہد مان لیا جائے۔ تو پھر دنیا میں کوئی مبطل باقی نہیں رہ سکتا۔ اسلئے کہ کوئی شخص ایسا نہیں

اس لئے عذر نہ تراش سکے۔ جیسا کہ بت پرست بھی کہتے ہیں۔ کہ وہ بتوں کی پرستش صرف تقرب الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔ بہت سے حجت باز ایسے ہیں۔ جنکی حجت خدا کے نزدیک باطل ہے اور ایسے حجتی پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ امیرالمومنین کا زمانہ ان بغاوتوں کا شکار ہو رہا تھا۔ ایسی حالت میں آپکو ہرگز موقع نہیں ملا۔ کہ ان سنتوں کو جو اپنے مقام سے ہٹ چکی تھیں۔ منزلِ اصلی پر لے آئیں اور ان حقوق کو جو پامال کر دیئے گئے تھے۔ پھر بحال کر سکیں۔

اس سوال کا جواب خود امیرالمومنین علیہ السلام نے دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوالات آج کے نہیں ہیں۔ بلکہ یادگار ریشینیان ہیں۔ اور آجتک انہیں تازہ کرنے کی سنت جاری ہے۔ بغیر اس کے کہ ان جوابات پر نظر ڈالی جائے۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا یعاب المرءُ بتاخیرِ حقہ اِنّما یُعابُ مِنْ اخذِ مَالَیسَ لَہٗ۔ کوئی انسان اگر اپنا حق لینے میں تاخیر کرے تو وہ معیوب نہیں سمجھا جائیگا۔ ہاں اسے عیب اسوقت لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایسی چیز لے۔ جس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

واقعتاً یہ ایک قاعدہ عقلی ہے۔ زید کا حق چھین لیا گیا۔ زید نے اسکے حصول میں تاخیر کی تو کیا عند العقل زید کا یہ فعل قابلِ ملامت سمجھا جائیگا؟ عجیب بات ہے بلکہ غور سے جب دیکھو تو معلوم ہوگا۔ کہ اس تاخیر میں لینے والے کے ذمے مظلمہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ زید کا نہ کوئی ہرج ہے نہ عقلی نقصان۔

یہ تو گویا ایک کلیہ ہے۔ جو حضرت نے فرمایا ہے۔ خصوص فدک کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ اپنے عامل عثمان ابن حنیف انصاری کو فرمان تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں بلیٰ کانت فی ایدینا فدك من كلّ ما اظلتہ السماءُ فشحّت علیها نفوسُ قومٍ وسخت عنها نفوس الآخرین ونعم الحکمُ للہِ۔ ہاں تمام مال ومتاع دنیوی میں لے دیکر ہمارے ہاتھوں میں فدک تھا۔ ایک قوم نے اسمیں بخل سے کام لیا۔ اور دوسری نے سخاوت اختیار کی۔ اب بہترین حکم خدا کے ہی لئے ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔ وما اصنعُ بفدكَ وغیرِ فدكَ والنفسُ مظانّها فی جدثٍ

يَنقطعُ فی ظلمتہ آثارُھا وتغیبُ اخبارُھا وحفرۃٍ لو زِیدَ فی فسحتھا واوسعت یدَ حافرھا لاضغطھا الحجرُ والمدرُ وسدّ فرجھا التراب المتراکمُ وانما ھی نفسی اروضھا بالتقویٰ لتاتی آمنۃً یومَ الخوفِ الاکبر وتثبتُ علےٰ جوانب المزلقِ۔ فدک ہو یا غیر فدک۔ میں اسے لیکر کیا کروں۔ حالانکہ نفس کی قرارگاہ قبر ہے جس کی تاریکی میں اسکے آثار منقطع اور اس کے اخبار غائب ہو جائیں گے۔ ایسے گڑھے میں جانا ہوگا کہ کھودنے والا اگر اپنے ہاتھ کو پھیلا دے۔ تو پتھر اور ڈھیلے گر گر کر اسے تنگ کر دیں۔ اور پیہم مٹی گر گر کر اس کا سوراخ بند کر دے۔ میں اپنے نفس کو تقویٰ کے ساتھ ریاضت دیتا ہوں تاکہ وہ خوفِ اکبر کے دن امن میں ہو۔ اور پھسلانے والے پہلوؤں پر ثابت قدم رہے (نہج البلاغہ)

اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ فدک اہلبیتؑ کے ہاتھوں میں تھا۔ مگر امیرؑ المومنین نے اپنے زمانے میں اس پر قبضہ کرنے کی مصلحت نہیں دیکھی۔ اور نہیں لیا۔ آپکا تقویٰ اس کا مقتضی نہیں تھا کہ فدک پر قبضہ کر کے ان لوگوں کو جو ابھی تک "لانرث" کے سُکر میں مدہوش تھے۔ غوغا کرنے کا موقعہ دیتے۔

واضح رہے کہ امیرؑ المومنین کا طرز عمل انکی خلافتِ ظاہری کے زمانے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ حق اللہ کی بربادی آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں فرمائی۔ خلافت ظاہری کے آتے ہی آپ نے معاویہ کی معزولی کا فرمان صادر کیا۔ باوجودیکہ حضرت عبداللہ بن عباس نے مشورہ دیا کہ اسمیں فساد کا احتمال ہے۔ جس کا جواب آپ نے یہی دیا۔ کہ میں حق اللہ کو اپنے زمانے میں اہل خیانت کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا۔ اور ظالم عمال کا اثر حاکم کی گردن پر ہوا کرتا ہے۔ لیکن جس چیز کا تعلق فقط اپنی ذات سے تھا۔ اسکے بارے میں حضرت نے مطلق کوئی توجہ نہیں کی۔ آج جو لوگ امیرؑ المومنین کے اس فعل پر اعتراض کر رہے ہیں۔ اگر فدک لے لیا جاتا۔ یہی لوگ غل مچاتے کہ آپ نے سنتِ خلفائے سابقہ کو توڑ دیا۔ اس لئے آپ اس مسند کے کسی طرح مستحق نہیں ہے یہ رعایتیں تو بنی امیہ کے ہی لئے وضع کی گئیں ہیں کہ امام فسق و فجور سے بھی معزول نہیں ہو سکتا خاندان پیغمبر کے لئے اس قسم کی مراعات کیونکر ہو سکتیں تھیں۔ آج صاحب روضۃ الندیہ جیسے فاضل تو

حق کوئی پر آمادہ نظر آرہے ہیں۔ اسوقت تو حق و باطل بالکل مشتبہ کردیئے جاتے۔ اور اگر کوئی بندۂ خدا بھی حق کا ساتھی نظر نہ آتا۔

امیر المومنین علیہ السلام ایک حکیم ربانی تھے۔ وہ اپنی حکومتِ ظاہری کو ان اعتراضات میں نہیں پھنسا سکتے تھے۔ جنمیں حضرت عثمان کی سلطنت مبتلا ہے۔ اور اس ابتلا کو اب صدیاں گذر جانے کے بعد جدید مصری مورخین زائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

رجوعِ فدک بحضرتِ باقر علوم

سوال کرنیوالوں کا دماغ کہیں تھکتا نہیں۔ وہ برابر اپنے کام میں مشغول رہتا ہے امیر المومنین پر تو یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے فدک کیوں نہ لیا۔ اور حضرتِ باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس لئے ایراد ہے۔ کہ انہوں نے کیوں لے لیا۔

ان حضرات کو سوچنا چاہئے۔ کہ امیر المومنین نے اپنے عہدِ خلافت میں نہیں لیا۔ اور امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسوقت لیا۔ جبکہ حکومتِ ظاہری ان کے پاس نہ تھی۔ حاکمِ وقت نے خود دینا چاہا۔ آپ نے لے لیا۔ دونوں بزرگواروں کے حالات مختلف ہیں۔ مواقع مختلف ہیں۔

یاد رکھو جسطرح کوئی شخص اپنے حق کی تاخیر کرنے میں معیوب قرار نہیں پا سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا حق لے لے۔ جبکہ اسے مل رہا ہو۔ تو وہ بھی قابلِ ملامت نہیں سمجھا جائیگا۔ بلکہ عمر ابن عبد العزیز خلیفہ اموی کے فدک واپس کرنے پر امام محمد باقر علیہ السلام کا لے لینا معاملہ کو بخوبی سلجھا دیتا ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ واقعی یہ فاطمہؑ کا حق تھا۔ اگر اسوقت بھی امام نہ لیتے۔ تو پھر گویا سمجھ لیا جاتا۔ کہ واقعاً ان کا حق ہی نہیں ہے۔ لینا ضروری تھا۔ گو آپ یہ بھی جانتے تھے۔ کہ یہ ہمارے پاس چھوڑا نہ جائیگا۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی۔ بنی امیہ کے غل مچانے پر بیچارے عمر ابن عبد العزیز کو فدک واپس لینا پڑا۔

تغیراتِ فدک

فدک کے بارے میں اسلامی دنیا نے جسقدر تماشا دکھایا ہے۔ شاید ہی کسی معاملہ میں دکھایا

ہو۔ حضرتِ ابوبکر کے زمانے میں اس بنا پر فدک ضبط لیا گیا۔ کہ پیغمبروں کا متروکہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ جو کل مسلمانوں کا مال ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ فدک کی آمدنی آپ نے تجہیز لشکر اسلام میں صرف کی۔ جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا۔ تو آپ نے فدک مروان کے حوالے کر دیا۔ اور وہ بنو مروان کے لئے خالصہ قرار دیا گیا۔ جب بنی امیہ میں عمر ابن عبد العزیز تک نوبت پہنچی تو اس بے چارے نے حقدار کا حق پہچانا۔ اور اسے اسکے مرکز پر لوٹایا۔ اسکے بعد پھر امویوں نے لے لیا یہان تک کہ خلافت بنی عباس میں آئی۔ ان کا بھی طرز عمل اہلبیتؑ کے ساتھ مشہور و معروف ہے۔ مگر مامون نے اپنے زمانہ میں فدک کو بنی فاطمہؑ پر رد کیا۔ جس پر شعرا نے قصائد لکھے چنانچہ دعبل خزاعی کا شعر ہے۔

لَقَدْ اَصْبَحَ وجهُ الزمانِ وقد ضحکا
لِرَدِّ مامونِ هاشمًا فدکا

زمانے کا چہرہ روشن ہوگیا۔ وہ ہنسنے لگا۔ اس لئے کہ مامون نے بنی ہاشم کو فدک واپس کر دیا جب ہم اس قسم کے تغیرات کو دیکھتے ہیں۔ اور پھر حدیث "نحن معاشر الانبیا" پر نظر ڈالتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے۔

فاضل مُعتزلی کی رائے

یہ حدیث جس پر اس قلعہ کی بنیاد قائم کیگئی ہے۔ عند الدرایت کسی طرح قابل قبول نہیں ابن ابی الحدید نے باین الفاظ اس امر کا اقرار کیا ہے "صَدَقَ المرتضیٰ فیما قال اَمّا عقیب وفاۃ النبی ومطالبۃِ فاطمۃ للارث فلم یروِ الخبر الّا ابوبکر وحدہ وقیل انّہ رواہ معہ مالك بن اوس بن حدثان" سید مرتضیٰ اپنے اس قول میں سچے ہیں۔ کہ وفاتِ پیغمبرؐ اور فاطمہؑ کے مطالبہ میراث کے بعد اس حدیث کو سوائے ابوبکر کے اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ ہاں ایک قول ضعیف یہ ہے۔ کہ مالک بن اوس بن حدثان نے اسکو روایت کیا ہے۔ پھر یہی فاضل کہتا ہے۔ ھٰذا حدیثٌ غریبٌ لانّ المشھور

انہ لم یروحدیث انتفاء الارث الا ابو بکرٍ وحدہٗ۔ یہ حدیث غریب ہے اس لئے کہ مشہور ہے کہ حدیثِ نفی ارث کے راوی اکیلے حضرت ابو بکر ہیں۔
عجیب معاملہ ہے کہ ایک یا زیادہ سے زیادہ دو شخصوں کے قول پر محکماتِ قرآنیہ منسوخ قرار دی جاتی ہیں۔

ایک اور دعوےٰ

اس رسالہ کے ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ حضرت فاطمہؑ صرف فدک کے ہی معاملہ میں محروم نہیں رہیں۔ بلکہ ان کا ایک اور مقررہ حصہ بھی قبضۂ تغلبؔ میں لے لیا گیا۔
علامہ ابو بکر احمد بن عبد العزیز جوہری انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ نے خلیفہ اوّل سے فرمایا۔ کہ تجھکو معلوم ہے۔ حق تعالےٰ نے ہم اہلبیتؑ پر صدقات کو حرام کیا ہے۔ اور نیز تمہیں معلوم ہے۔ کہ اموالِ غنائم سے ہمکو سہم ذوی القربےٰ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شیٍٔ فانّ للہ خمسہٗ وللرسول ولذی القربیٰ الآیہ "یعنی جان لو کہ جو چیز تمکو غنیمت میں ہاتھ لگے۔ تو اس کا خمس (یا پانچواں حصہ) خدا اور رسولؐ اور صاحب قرابت اور یتیموں کے لئے ہے" حضرت ابو بکر نے فرمایا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں حکم قرآن وحق رسولؐ وحق قرابتِ رسولؐ مجھکو منظور ہے میں بھی قرآن میں وہی پڑھتا ہوں۔ جو تم پڑھتی ہو۔ مگر میں نہیں جانتا۔ کہ یہ پورا حصہ تم کو کیونکر دیدیا جائے۔ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا۔ کہ یہ حصہ کیا تمہارے لئے ہے۔ یا تمہارے اقربا کے واسطے۔ جوابدیا کہ نہیں بلکہ بقدر نفقہ تمکو دیدوں گا۔ باقی مصارفِ مسلمین میں خرچ کروں گا۔ غرض اس دعوے میں بھی جناب فاطمہؑ ناکام رہیں۔
علامہ مذکور نے حسن بن محمد بن علی ابن ابی طالب سے روایت کی ہے۔ انّ ابا بکر منع فاطمۃ و بنی ہاشم سہم ذوی القربیٰ وجعلہٗ فی سبیل اللہ فی السلاح والکراع یعنی حضرت ابو بکر نے سہم حصہ ذوی القربےٰ کو فاطمہؑ اور بنی ہاشم سے روک کر

فی سبیل اللہ ہتھیاروں اور گھوڑوں میں خرچ کر دیا۔

بادی النظر میں یہ فعل بہت مستحسن ہے۔ مگر انہیں کی نگاہ میں جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتے ہیں۔ اس قسم کی قربانی ہر شخص بفراغ خاطر کر سکتا ہے۔ مگر انّما یتقبّل اللہ من المتقین۔

فدک کے متعلق جو یہ مختصر سطریں لکھی گئیں۔ تو اس سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جنابِ فاطمہؑ زہرا صلوات اللہ علیہا اپنے اس دعوے میں کہاں تک برسرِ حق تھیں۔ یہ بھی ایک پُرلطف بات ہے۔ کہ جناب فاطمہؑ کیطرف تمام امکانی خطائیں منسوب کرنے میں کافی جرأت سے کام لیا جاتا ہے۔ اور تمام بشری لغزشیں انکی طرف بے پروائی کے ساتھ عائد کر دی جاتی ہیں۔ حالانکہ آیۂ تطہیر انکی عصمت پر گواہ ہے۔ اور یہ عصمت صرف شیعوں میں ہی مسلم نہیں بلکہ متدینین اہلسنت بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت ابوبکر کیجانب خطائے بشری کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حالات کو جانچتے ہوئے یہ نتیجہ نکال لے کہ حضرت ابوبکر نے اس معاملہ میں غلطی کی۔ تو وہ کونسے حکم خدا کی خلاف ورزی میں مبتلا ہو جائیگا۔ اب ہم اس افسوسناک بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ یھدی من یشاء الیٰ سبیل الرشاد۔

باب یازدہم

طوفانِ حوادث کی آخری لہر

معصومہ کی وفات

یہ صدمات اور جانکاہ صدمات پے درپے اس معصومہ کو برداشت کرنے پڑے۔ یہ

مصیبتیں یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں! اور نازل کی گئیں۔ مصائب کا یہ خوفناک طوفان تھوا بڑھتا رہا۔ آخر اس کا خاتمہ ہوا۔ اور اس طرح ہوا۔ کہ اس معصومہ۔ مظلومہ۔ ستم کش مصیبت زدہ۔ بے پدر نے اس دنیا۔ مکار اور فریبی دنیا۔ دہوکا دینے والی دنیا کو خیرباد کہا۔ اور بعد رسول اپنی زندگی کے لمحے آنسو بہانے ہی بہاتے گذار دیئے۔ کلیجہ کے ٹکڑے آنکھوں کے رستے سے بہ گئے۔ ایک ایک قطرہ خاتمۂ حیات دنیوی کی خبر دیتا ہوا نکلا۔ اور ایک ایک آہِ سرد مقراضِ حیات بنکر لباسِ زندگی کے پُرزے پُرزے کرگئی۔ اب زندگی ہوتی تو کیونکر ہوتی سہارا دینے والا ہی چل بسا۔ آنکھیں دیکھتیں تو کسے دیکھتیں۔ وہ نور مجسم جس سے آنکھوں میں نور آتا تھا۔ حجلۂ قدس میں پوشیدہ ہو چکا تھا۔ کان اب سُنتے تو کسکی آوازیں سُنتے۔ وہ روحانی زمزمہ سنجیاں اب کہاں باقی تھیں۔ وحی قرآنی کے ساتھ اب شہپر جبرئیل کی آوازیں کہاں؟ باپ برگزیدہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا۔ روح قفسِ تن میں گھبرا رہی تھی۔ طائر روح ہوائے قدس میں بسیرا لینے کے لئے بیقرار تھا۔ آخر ٹوٹا۔ قفس ٹوٹا اور چہکتا ہوا بلبل اور کتاب مقدس کے حقائق بیان کرنیوالا طوطی اس روضۂ رضوان میں جا بیٹھا۔ جسے قبر کہتے ہیں۔

تکلیفیں سی تکلیفیں۔ مصائب سے مصائب۔ مصیبتیں سی مصیبتیں۔ آہ! آخر زمانے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ غیظ و غضب سے جوش کھانیوالے قلوب چین سے ہو بیٹھے۔ جنین کے سروں سے شفیق مادر کا سایہ اُٹھتا ہے! اور صاحبزادیاں روضۂ رسول پر فریاد کرنے نکلتی ہیں یا جدّاہ قد ماتت اُمّنا۔

وقت گذر جاتا ہے بات رہ جاتی ہے۔ رسول کی یادگار۔ اکیلی یادگار۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک یاد رہیگا۔ حضور رسول نے ایسی ہی خطا کی تھی۔ کہ انکی اولاد کے ساتھ ایسی ہی بے التفاتی برتی جائے۔ وہ ہادی برحق اسی سلوک کا سزاوار تھا۔ دل تھے کہ پتھر تھے۔ قلب تھے کہ فولاد کی چادریں بن گئے تھے۔

اس کے جنازے پر کسی کو افسوس کرنے کی توفیق نہ ملی؟ کیوں ملتی۔ رسول کے ہی جنازے میں کونسا اہتمام ہوا تھا۔ جو بنت رسول کے لئے کیا جاتا۔ اور وہ معصومہ ان قدموں کا آنا اپنے جنازے پر کیونکر منظور کرتیں۔ جنہیں اس کے باپ کے جنازے پر آنے کی وقت اور ہی قسم کی مہندی

تک پہنچی تھی۔

جناب صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ سب سے زیادہ رونیوالے پانچ شخص گذرے ہیں ایک حضرت صفی اللہ۔ آپ فراقِ بہشت میں اتنا روئے۔ کہ آنکھوں سے دو دریا جاری ہوگئے دوسرے حضرت یعقوبؑ کہ فراقِ یوسفؑ میں اسقدر گریہ کیا۔ کہ بصارت جاتی رہی۔ تیسرے حضرتِ یوسفؑ کہ فراقِ پدر میں اسقدر اشک افشانی کی کہ اہل زندان تنگ آگئے تھے۔ اور وہ خواہش کیا کرتے تھے۔ کہ یا تو آپ دنکو رویا کریں۔ یا رات کو۔ تاکہ کسی وقت تو ہمیں آرام ملے چوتھے حضرت سیّدہ سلام اللہ علیہا نے فراق رسولؐ اللہ میں اسقدر آنسو بہائے۔ کہ مدینہ والے تنگ آگئے تھے۔ آخر کار آپ بقیع میں جاکر گریہ فرماتی تھیں۔ پانچویں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کہ آپ نے بعد واقعۂ کربلا تمام عمر روتے روتے آخر کردی۔

آہ! یہ اشک افشانی آخر سیّدہ معصومہ کی جان لیکر ٹلی۔ علالت بڑھگئی۔ وہ صدمہ جو پہلوئے اقدس پر پہنچا تھا۔ اس نے شدت پکڑی۔ یہاں تک کہ نشست و برخاست کی طاقت بھی جواب دے گئی۔

عوراتِ مدینہ کی عیادت

آخر تو آپ رسولؐ اللہ کی بیٹی تھیں۔ کوئی نہ کوئی مزاج پُرسی کو آہی جاتا تھا۔ مگر یہ مدینے کی عورتیں ہوتی تھیں۔ جنہیں ہمجنسی کا خیال بھی کھینچ لاتا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر بھی تشریف لائے تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی بموجب روایت علاّمہ ابن قتیبہ ان کا آنا درج کیا جاچکا ہے۔ مگر جناب فاطمہؑ نے جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ انکی طرف التفات نہیں فرمایا۔ اس التفات نہ کرنے میں بھی بعض بزرگواروں نے حضرت فاطمہؑ کو الزام دیا ہے۔ اسمیں کیا شک ہے۔ اس شخص سے زیادہ دنیا میں کسکو الزام دیا جاسکتا ہے۔ جس کا سرپرست اٹھ جائے۔ جسکی میراث لٹ جائے۔ جسکی عزت وحرمت زائل کردی جائے۔ اسے جو چاہو الزام دو۔ نہ کوئی قلم کو روک سکتا ہے۔ نہ زبان کو۔ پھر خدا جانے یہ کس پیغمبر کی تعلیم ہے کہ مظلوم کو ظالم سے کبیدہ خاطر نہ رہنا چاہئے۔ خیر۔

المرتبہ زنانِ انصار آپکی عیادت کے لئے آئیں۔ اور پوچھا یا بنت رسول اللہ کیف اَصْبَحْتِ " اے رسولؐ کی لاڈلی۔ آپ نے کیونکر صبح کی۔ کیسا مزاج ہے۔ معصومہؑ نے فرمایا کہ مینے ایسی حالت میں صبح کی۔ کہ یہ تمہاری دنیا میری نظر میں نہایت مکروہ معلوم ہو رہی ہے۔ تمہارے مرد بعد امتحان نہایت بُرے اور بد عمل ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنے نفسوں کے فریب کو قبول کر لیا۔ حق سے منہ پھیر لیا۔ خلافت پیغمبریؐ اور فدک عطیہ خداوندی پر بظلم وجور متصرف ہو کر اہل حق کو محروم کر دیا۔ عذاب الٰہی کے مستوجب ہوئے۔ وہ وقت قریب ہے۔ جبکہ خداوند عالم انکو اس ظلم کے عوض ماخوذ کریگا۔ اسوقت وہ جان لینگے۔ کہ اس چند روزہ حکومت کے بدلے کیسی ذلتِ ابدی نصیب ہوگی۔

شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے کتابِ امالی میں بروایت ابن عباس اس مکالمہ کو مفصل لکھا ہے۔ جو جناب سیدہؑ نے زنانِ انصار سے مرض الموت میں فرمایا۔ آپ نے کہا کہ قسم خدا کی مینے ایسی حالت میں صبح کی۔ کہ تمہاری دنیا سے کارہ ہوں۔ تمہارے مردوں کی دشمن ہوں۔ مینے ان سے کنارہ کشی کی۔ انکا امتحان لینے اور انکی سیرت کو جانچ لینے کے بعد میں نے ان سے بغض اختیار کیا۔ ان کے نیزے ہماری اعانت کے لئے کُند ہو گئے۔ انکی رائے ناقص ہو گئی۔ بُرا حال ہوا اس قوم کا اور بُری چیز ہے جو ان کے نفسوں نے پیش کی ہے یہ مستحق غضبِ الٰہی ہیں۔ یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ وبالِ غصب خلافت کا گلوبند گلے میں پہن لیا۔ جس کا عار و ننگ ان پر لازم ہو گیا۔ اور ذلت و خواری خاص قوم ظالمین کیلئے ہے افسوس ہے تمہارے مردوں پر انہوں نے خلافت کو کہاں ڈالدیا۔ بخدا ان لوگوں نے ابوالحسنؑ سے کراہت نہیں کی۔ مگر اسوجہ سے کہ انکی تلوار سے انکو صدمہ پہنچا ہے۔ ان کے غصہ سے جو راہِ خدا میں ظاہر ہوا۔ ان لوگوں نے ان پر عتاب کیا۔ قسم خدا کی وہ لگام جسے رسول اللہ نے ابوالحسنؑ کو سونپا تھا۔ کہ وہ متولی امرِ امامت تھے۔ اگر لوگ ایکدوسرے کو باز رکھتے توبیشک ابوالحسنؑ اس کو اختیار کرتے۔ ان لوگوں کو آسان راہ دکھاتے۔ کیونکہ وہ حضرت اساس رسالت ہیں۔ کوہِ استوار نبوت ہیں۔ روح الامینؑ کے اُترنے کیجگہ ہیں۔ امور دنیا کے حاذق و ماہر ہیں واللہ اگر امر خلافت اُنپر قرار دیا جاتا۔ توبیشک وہ انہیں راہِ حق دکھاتے۔ مراتب۔ ہدایت و

[illegible] ہوتے اس طرح
ہدایت کرتے کہ امت پر شاق نہ ہوتا۔ انہیں تکلیف مالایطاق نہ دیتے۔ لوگوں کو دنیا و آخرت
میں وسعتِ عیش حاصل ہوتی۔ وہ حضرت خود ان لوگوں سے منتفع نہ ہوتے۔ مگر بقدر کفایت
وسدِ حاجت۔ زمین و آسمان سے برکتوں کے دروازے کھل جاتے۔ اور اب انکے کفر و طغیان
کے سبب سے قریب ہے کہ خداوند عالم ان پر عذاب نازل کرے۔ آگے آؤ۔ سنو! جبتک زندہ
رہوگے۔ زمانہ تمکو ایک امرِ عجیب دکھلائے گا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کس تکیہ
گاہ پر اعتماد کیا ہے۔ یہ کونسی حبل المتین سے متمسک ہوتے ہیں۔ اہل ظلم نے بہت برا بدل
اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اعلے کو ادنے سے اور شریف کو رذیل سے بدلا دیا۔ برباد ہو ایسی
قوم۔ ان کا خیال ہے کہ یہ نیکوکار ہیں۔ حالانکہ یہ سخت مفسد ہیں۔ اور اس امر کو نہیں جانتے
کہ وہ شخص جو حق کیطرف ہدایت کرے۔ اطاعت کا زیادہ سزاوار ہے۔ یا وہ جو ہدایت نہیں
کرسکتا۔ بلکہ خود محتاج ہدایت ہے۔ تمہیں کیا ہوگیا۔ کیسا حکم لگا رہے ہو۔

ہاں! اب تمہارے فتنے کا ناقہ حاملہ ہوا ہے۔ اس کے جننے کا انتظار کرو۔ اور اس میں
سے دودھ کے بدلے خون تازہ اور زہر ہلاہل پیالے میں لینا۔ اسوقت اہلِ باطل نقصان اٹھائیں
گے۔ اور پچھلے لوگ جان لینگے۔ کہ اگلوں نے کیا کیا تھا۔ تم نزول فتنہ و عذاب پر اپنے دلوں
کو مطمئن کرلو۔ تمہیں شمشیر تیز کی بشارت ہو۔ فتنہ ہمیشہ تمہارے شاملِ حال رہیگا۔ اور تم پر ظالمین
غالب آکر تمہارا استیصال کردینگے۔ تمہارے مال و متاع کو برباد کرینگے۔ پس حیف ہے تم پر۔
افسوس ان لوگوں سے آخرت کی نیکیاں پوشیدہ ہوگئی ہیں۔ آیا ہم تم پر اس کے قبول کا التزام
کریں۔ حالانکہ تم اس سے کارہ ہو۔

کتاب احتجاج میں سوید ابن غفلہ سے بھی اسی کے مثل روایت کیگئی ہے۔ اور اس کے
آخر میں یہ ہے۔ کہ زنانِ انصار نے حضرت سیدہؑ کے یہ کلمات اپنے مردوں سے جاکر نقل
کئے۔ اسوقت تمام مہاجرین و انصار حضرت سیدہ کیخدمت میں حاضر ہوئے اور عذر داری
کرتے ہوئے کہا اے سیدۂ عالم اگر ابوالحسنؑ ہم سے اس امر کا قبل استوار ہونے کے ذکر کرتے
تو ہم کبھی ان سے نہ پھرتے۔ اور دوسرے کیطرف رجوع نہ کرتے۔ اسکے جواب میں معصومہؑ نے

فرمایا۔ کہ اب تم مجھ سے دست بردار ہو جاؤ۔ اپنے نفوس کو مجھ سے دور رکھو۔ تمہارا عذر ہرگز قبول نہیں۔ اور اس تقصیر کے بعد تمہاری توبہ قبول نہیں ہے۔

موت کی بشارت

حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ اسی زمانے میں صدیقۂ کبریٰ نے بحالت نیمخوابی رسول اللہ کو دیکھا۔ اور فریاد کی کہ اے باباجان آپ کے رحلت فرما جانے سے وحی کا آنا موقوف ہو گیا۔ اسلام کی روشنی ماند پڑ گئی۔ دنیا تاریک ہو گئی۔ میں آپ کے فراق میں دنیا سے بیزار ہوں۔ مجھے اپنے پاس بلا لیجے۔ اتنے میں آپ نے دیکھا۔ کہ بہت سے ملائک ظاہر ہوئے جن کے آگے دو فرشتے تھے۔ انہوں نے آپکو لیکر عالمِ بالا کیطرف صعود کیا۔ وہاں آپکو نہایت شاداب باغات اور عالیشان مکان نظر آئے۔ ان مکانوں سے بہت سی حسین عورتیں برآمد ہوئیں انہوں نے آپکو مرحبا کہا اور عرض کیا کہ ہمکو اور جنّت کو خداوند عالم نے آپ کے پدر بزرگوار کے طفیل خلق فرمایا ہے۔ اس کے بعد وہ فرشتے آپکو اور بلندی پر لے گئے۔ وہاں آپ نے ایک مکان دیکھا جو سب سے زیادہ بارونق اور سب پر حاوی تھا۔ مرصع تخت بچھے تھے۔ پُر تکلف فرش تھا۔ قسم قسم کے کھانے چُنے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ کس کا گھر ہے۔ فرشتوں نے عرض کی کہ یہ آپ کے پدر بزرگوار اور ان کے اہلبیتؑ کا مکان ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اسمیں نہر کونسی ہے فرشتے نے جواب دیا کہ یہ نہر وہی کوثر ہے۔ جس کا خدا نے وعدہ فرمایا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ میرے پدر بزرگوار کہاں ہیں۔ ملائکہ نے عرض کی کہ ابھی ملاقات ہوگی۔ ناگاہ ایک اور عالیشان اور آراستہ مکان نظر پڑا جسمیں دیکھا کہ رسالت مآب تشریف فرما ہیں۔ اور کچھ لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہیں۔ آنحضرتؐ نے اٹھکر اپنی لختِ جگر کو مرحبا کہا۔ سینے سے لگایا۔ پیشانی پر بوسہ دیکر اپنے برابر بٹھالیا۔ اور فرمایا کہ اے نورِ چشم دیکھو خدا نے ہمیں کیا کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ یہ مکان تمہارا۔ تمہارے شوہر۔ تمہارے بیٹوں اور تمہارے دوستوں کا ہے۔ تمہیں چاہئیے کہ چند روزہ زندگی خوشی سے بسر کرو۔ اور تمہارے میرے پاس آنے میں چند روز باقی ہیں۔ یہ کیفیت دیکھکر آپ بیدار ہوئیں۔ امیر المومنینؑ کو بلایا۔ اور اپنا خواب بیان کیا۔

وصایائے فاطمہؑ

موت کا مشاہدہ آپ کر رہی ہیں وقت قریب آتا جا رہا ہے۔ اسباب قطعِ رشتۂ حیاتِ دنیوی بہت کافی طور پر جمع ہو چکے ہیں۔ اسی دوران میں جبکہ مرض پوری شدّت پکڑ چکا تھا۔ آپ نے اُمِ ایمن اور اسما بنتِ عمیس سے فرمایا۔ کہ امیر المومنین کو میرے پاس بُلا لو۔ حضرت تشریف لائے تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوالحسنؑ! مجھ کو میری وفات کی خبر دیگئی ہے۔ میں اب عنقریب آپ سے جُدا ہونیوالی ہوں۔ اب میں چاہتی ہوں کہ کچھ وصیتیں کروں۔ حضرت نے فرمایا۔ اے دخترِ رسولؐ اللہ جو چاہو وصیت کرو۔ حضرت سرہانے بیٹھ گئے۔ سب گھر والے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ جناب سیّدہؑ نے فرمایا کہ میں جب سے آپ کے نکاح میں آئی ہوں۔ آپ نے مجھے دروغگو اور خائن نہ پایا ہوگا۔ میں نے کسی امر میں آپکی مخالفت نہیں کی۔ حضرت نے فرمایا۔ معاذ اللہ۔ اے بنتِ رسولؐ! تم احکام خدا کی جاننے والی ہو۔ نیکوکار ہو۔ پرہیز گار ہو۔ تم سے یہ امور کیونکر ممکن ہیں۔ تمہاری جدائی مجھ پر نہایت شاق ہے لیکن مشیّت الٰہی میں چارہ نہیں۔ خدا کی قسم تم نے رسولؐ اللہ کی مصیبت کو مجھ پر تازہ کر دیا۔ تمہارا فراق سخت عظیم ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دونوں بزرگوار ان کلمات پر دیر تک روتے رہے۔ پھر امیر المومنینؑ نے سرِ اطہر فاطمہؑ کو آغوش میں لیا اور فرمایا کہ اے فاطمہؑ جو چاہو وصیت کرو۔ میں اس پر عمل کروں گا۔ جناب سیّدہؑ نے فرمایا۔ خدا آپکو جزائے خیر دے۔ میری پہلی وصیت یہ ہے۔ کہ میرے بعد امامہ بنتِ زینب کے ساتھ عقد کرنا۔ کہ وہ میرے بچّوں کی دل سے پرورش کریگی۔ اور میری طرح ان پر مہربان ہوگی۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ میرے لئے ایک نعش تیار کرنا۔ جسکا نقشہ مجھے ملائکہ نے دکھایا ہے۔ پھر اسکی صورت حضرت نے بیان فرمائی۔ اور تیسری وصیت یہ ہے کہ جن لوگوں نے میرے حقوق پر دست درازی کی ہے۔ انہیں میرے جنازے پر نہ آنے دینا۔ اور مجھے بوقتِ شب دفن کرنا۔ جبکہ سب آنکھیں مبتلائے

۔ا؎ واقدی کا بیان ہے ان فاطمۃ لما حضرتھا الوفاۃ اوصیت علیاً ان لا یصلیا علیھا ابوبکر و عمر جب فاطمہؑ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو انھوں نے علیؑ کو وصیت کی کہ (حضرت) ابوبکر و (حضرت) عمر میرے جنازے پر آکر نماز نہ پڑھیں +

خواب ہوں۔

رحلت فاطمہؑ

کیفیتِ وفاتِ سیّدہ میں روایات مختلف ہیں۔ہم ان سب کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔اور غور سے دیکھنے پر ان میں کچھ اختلاف بھی باقی نہیں رہتا صرف ایک روایت کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

مرض الموت شروع تھا۔اسمیں بھی عبادتِ الہٰی اور گریہ وزاری یہ شغل برابر جاری رہتے تھے۔ان کے علاوہ اور کسی امر سے سروکار نہ تھا۔ایکروز امیر المومنینؑ باہر سے تشریف لائے دیکھا کہ جناب سیّدہ کھانے پکانے کے انتظام میں مصروف ہیں۔پانی بھی گرم کیا ہے۔بچّوں کا لباس بھی سنوار لیا ہے۔امیر المومنین نے فرمایا۔کہ آج آپ اتنے امور میں مصروف ہیں۔باوجود اس ضعف و علالت کے۔آپ نے فرمایا کہ اے ابوالحسنؑ مفارقت کا زمانہ قریب آپہنچا۔میں چاہتی ہوں کہ بچّوں کو نہلا دُھلا دوں۔کپڑے بدل دوں۔کھانا کھلا دوں۔کیونکہ جب میں دنیا سے رحلت کر جاؤنگی۔تو آپ تو میرے ماتم اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہونگے۔اسوقت ان بچّوں کی خبر کون لیگا۔ان کلمات نے امیر المومنینؑ کو بیتاب کر دیا۔آپ نے فرمایا۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔اے رسولؐ کی لختِ جگر! رسول اللہ کے غم میں تمہاری موجودگی سے تسکین قلب تھی۔اب تمہارا فراق وہ صدمہ جانکاہ ہے جس پر صبر مشکل ہے۔جناب صدیقہ نے فرمایا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔مگر مشیتِ خدا سے کیا چارہ ہے۔جس طرح رسول اللہ کے غم میں صبر کیا ہے اسی طرح اب بھی صبر کر لینا۔یہ کہتے کہتے آپکی حالت میں تغیّر ہوا۔غش سا آنے لگا۔مگر برابر بچّوں کے کام میں مشغول تھیں۔اور فرما رہی تھیں۔کہ اے ابن عم ایک عرصہ سے آپ کے ساتھ ہوں۔اگر رضا جوئی میں کوئی کمی کی ہو۔تو اسے معاف کر دینا۔امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ تم معصومہ ہو نہایت کریم ہو۔خدا سے ڈرنیوالی ہو۔تم سے کوئی قصور کیونکر سرزد ہو سکتا ہے۔پھر جناب سیّدہ نے فرمایا کہ اے ابوالحسنؑ۔اگر آپ کے خلاف مزاج ان بچّوں سے کوئی امر سرزد ہو۔تو ان سے درگذر کیجیے گا۔اب یہ بن ماں کے بچے ہیں۔یا علیؑ! میں کبھی تنہا گھر میں نہیں رہی۔اور اب اس مکان

میں جاتا ہے۔ جہاں دلظاہر، نہ کوئی مونس ہے نہ ہمدم۔ اس عالم تنہائی میں کون ساتھ ہوگا آپ کبھی کبھی میری قبر پر تشریف لاکر فاتحہ خوانی فرمائیں۔

اِن کلمات حسرت آمیز نے امیرالمومنینؑ کو زار زار رُلا دیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ اے یادگار نبوتؐ! تمہاری جُدائی بہت شاق ہے یہ مصیبت وہ ہے۔ جو کبھی کم نہ ہوگی۔ اور جس کا عوض کسی چیز سے نہیں ہوسکتا۔ میں اس پر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کہتا ہوں۔ رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچکر میرا سلام کہنا اور مجھپر گذرنے والے مصائب کا ذکر کرنا۔ اسی اثنا میں جناب سیدہؑ کو غش آگیا۔ بچوں کی اس نظارے سے حالت تباہ ہونے لگی۔ وا اماہ وا اماہ کہکر رونے لگے جب غش سے افاقہ ہوا تو اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو دیکھا۔ انہیں سینے سے لگایا۔ پیار کیا۔ امیرالمومنینؑ نماز ظہر کے لئے مسجد میں تشریف لیگئے۔ آپ کے جانے کے بعد پھر غشی طاری ہوئی۔ کنیزیں امیرالمومنینؑ کو بلانے چلیں۔ حضرتؑ نماز سے فرصت پاکر تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے کنیزوں کو سراسیمہ دیکھکر پوچھا کہ کیا حال ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ جلدی تشریف لے چلیں حالت غیر ہے۔ کیا عجب کہ انتقال کرچکی ہوں۔ آپ داخل بیت الشرف ہوئے۔ دیکھا کہ آپ بیہوش ہیں۔ آپ نے عمامہ سر سے اُتار دیا۔ سرہانے بیٹھکر سیدہؑ کا سرِ اطہر اپنے زانو پر رکھا۔ آواز دی "یا زہراؑ" جواب نہ ملا۔ پھر پکارا "یا بنت محمدؐ المصطفےٰ" پھر کچھ جواب نہ آیا۔ پھر فرمایا اے فاطمہؑ میں تمہارا ابن عم علیؑ ہوں۔ ذرا آنکھیں کھولو۔ کچھ بات کرو۔ اب کی آواز پر سیدہؑ نے آنکھ کھولی۔ امیرالمومنینؑ کیطرف دیکھا۔ بے اختیار آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے۔ امیرالمومنینؑ نے پوچھا۔ اے دختر پیغمبرؐ کیا حال ہے؟ کیسا مزاج ہے؟ معصومہؑ نے فرمایا کہ میں نے ابھی اپنے پدر بزرگوار کو دیکھا ہے۔ کہ آپ قصر مروارید میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور مجھ سے فرماتے ہیں۔ کہ اے فاطمہؑ! تمہاری مصیبتوں کا زمانہ ختم ہوا۔ اب جلد میرے پاس آؤ کہ میں تمہارا مشتاق ہوں۔ اے ابوالحسنؑ اب وقت آپہنچا۔ میرے بچوں کا خیال رکھنا۔ یتیمی کا صدمہ ان کے دلوں کو شکستہ کردیگا! افسوس اس جفاکار امت پر۔ جو ان سے عداوت رکھے گی۔ انہیں بے جرم وخطا قتل کریگی! اسوقت آپ نے یہ شعر فرمائے۔

وَابْکِنِیْ اِنْ بَکَیْتَ یَا خَیْرَ ھَادٍ ۔۔۔ وَاَسْبِلِ الدَّمْعَ فَھُوَ یَوْمُ الْفِرَاق

اگر آپ روتے ہیں۔ تو اے بہترین ہادی مجھ پر گریہ کیجے۔ اور آنسو بہائیے اسلئے کہ آج کا دن فرقت کا دن ہے۔

یا قرین البتول اوصیک بالنسل فقد اصبحا خلفا فی اشتیاق

اے شوہر بتولؑ میں آپکو حسنینؑ کے بارے میں وصیت کرتی ہوں کہ یہ دونوں میرے بعد مصیبت میں رات بسر کرینگے۔

ابکنی وابکِ للیتامیٰ ولا تنس قتیل الغدار بطف العراق

مجھ پر آنسو بہائیے اور یتیموں پر گریہ فرمائیے اور اس مقتولِ مکر و دغا کو فراموش نہ کیجے جو زمین کربلا پر شہید ہوگا۔

اِس کے بعد فرمایا اے ابنِ عم! مجھے بعد وفات میرے پیراہن ہی میں غسل دینا اور مکشوف نہ کرنا۔ میں پاک و طاہر ہوں۔ اور بعد غسل و کفن نماز پڑھکر شب کیوقت مجھے دفن کر دینا۔ اور غیروں کو اسکی خبر نہ کرنا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرتؑ نے رحلت سے پہلے اسماء سے پانی طلب کیا۔ غسل نیکو بجا لائیں۔ ملبوسِ جدید زیب تن کیا۔ اور خوشبو سے اپنے تئیں معطر فرمایا۔ اور کہا اے اسماء جبرئیل بوقت وفاتِ رسول اللہؐ چالیس درہم کافور لائے تھے۔ ایک حصہ آنحضرتؐ نے اپنے لئے رکھا تھا۔ اور دو ثلث مجھے اور علیؑ کو دیئے تھے۔ وہ کافور حاضر کرو۔ تاکہ مجھے اس سے حنوط کیا جائے۔ اسماء حسب الحکم کافور لے آئیں۔ اسے حضرتؑ نے اپنے سرہانے رکھ لیا۔ اور رو بقبلہ لیٹ گئیں۔ غرض اسکے بعد سیدہ کی حالت متغیر ہوئی۔ عالم احتضار طاری ہوا۔ اسوقت تمام مکان معطر ہوگیا اور آپ نے فرمایا۔ "علیکم السلام" امیر المومنینؑ نے پوچھا کہ جواب سلام کسے دیتی ہو۔ فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار اور جبرئیل امین آئے ہیں۔ ان کے سلام کا جواب دیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا۔ علیک السلام یا قابض الارواح عجل ولا تعذبنی یعنی اے ملک الموت تم پر بھی سلام ہو۔ اب عجلت کرو اور مجھے تکلیف نہ دینا۔ اس کے بعد اسماء کو پاس بلا کر حجرے کیطرف اشارہ کیا۔ آپکو حجرے میں لٹا دیا گیا۔ اب خالق سے راز و نیاز کا وقت تھا۔ حکم دیا کہ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ اسماء باہر نکل آئیں۔ امیر المومنینؑ اسوقت نماز عصر کیلئے تشریف لے

ملے تو سمجھ لینا کہ میں انتقال کر چکی ہوں، اسما کہتی ہیں کہ میں حجرے سے نکل کر دروازہ پر ٹہری رہی۔ میں نے سنا کہ سیدۂ کونین مناجات کر رہی ہیں اِلٰهِي وَسَيِّدِيْ بِالَّذِيْنَ اِصْطَفَيْتَهُمْ اِنْ تَغْفِرَ لِشِيْعَتِيْ وَشِيْعَةِ ذُرِّيَّتِيْ بار الٰہا! اے مالک و مختار۔ اپنے برگزیدہ بندوں کا صدقہ میرے اور میری ذریّت کے شیعوں کی مغفرت فرما۔ دفعۃً آپ خاموش ہوئیں میں نے آواز دی۔ کچھ جواب نہ ملا میں حجرے کے اندر گئی گوشۂ چادر چہرۂ انور سے ہٹایا دیکھا کہ آپ انتقال فرما چکی ہیں، یہ دیکھتے ہی اسما نے سر پیٹ لیا بچے گھبرا کر حجرے میں چلے آئے اور پوچھا کہ اماں کا مزاج کیسا ہے۔ اسما نے کہا کہ اے صاحبزادو! جاؤ اپنے پدر بزرگوار کو اطلاع دو سیّدۂ عالم رسول اللہ کے پاس سدھار گئیں صاحبزادے گریبان چاک مسجد میں آئے۔ امیرالمومنینؑ کو اطلاع دی آپ اس خبر کو سُنکر شدّتِ اندوہ سے زمین پر بیٹھ گئے اور پھر اُفتاں و خیزاں داخل بیت الشرف ہوئے۔ معصومہ کے چہرے سے چادر ہٹائی دیکھا کہ روح داخلِ جناں ہو چکی اور ایک رُقعہ سرہانے دھرا ہوا ہے جس کا مضمون یہ ہے۔

یہ فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ کا وصیّت نامہ ہے وہ گواہی دیتی ہے کہ خداوند عالم وحدہٗ لاشریک ہے۔ محمدؐ اس کے بندے اور اُس کے رسولؐ ہیں۔ جنّت و دوزخ حق ہیں۔ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور خداوند عالم قبروں میں سے مُردے اُٹھائے گا۔ اے علیؑ میں فاطمہؑ بنت محمدؐ ہوں مجھے خداوند عالم نے دُنیا و آخرت میں آپ کے ساتھ تزویج کیا ہے اور آپ بہ نسبت دوسری عورت کے میرے لئے زیادہ سزاوار ہیں آپ رات کے وقت مجھے غسل دیکر حنوط کر کے کفن پہنائیے۔ پھر مجھ پر نماز پڑھ کر رات کو ہی دفن کر دیجئے کسی دوسرے کو اس کا علم نہ ہو۔ اب میں آپ کو خدا کے حوالے کرتی ہوں اور میری اولاد پر قیامت تک کے لئے میرا اسلام ہو؛

رحلتِ سیدہ کی خبر آناً فاناً مدینے میں پھیل گئی۔ ایک کہرام مچ گیا۔ در و دیوار ماتم

کی صداؤں سے ہل رہے تھے، صاحبزادوں کے چہرے یتیمی کے غبار سے اٹے ہوئے تھے۔ گریبان چاک تھے "واآماہ واآماہ" کہہ کہکر فریاد کرتے تھے۔ حضرت اُم کلثومؑ روضۂ رسولؐ اللہ پر چادر اوڑھے ہوئے آئیں اور کہہ رہی تھیں اے بابا اے رسولؐ اللہ آج ہم اپنی ماں سے جدا ہو گئے۔ صاحبزادی کے اِس بین سے سُننے والوں کا کلیجہ شق ہو رہا تھا۔ گھر میں زنانِ بنی ہاشم اور عورات انصار و مہاجرین کا ہجوم تھا۔ سوائے حضرت عائشہ کے باقی سب اُمہات المومنین جنازے کے گرد بیٹھی تھیں۔ باہر لوگ جمع تھے کہ جنازے کی مشائعت کریں۔ اتنے میں ابوذر غفاریؓ نے آکر اطلاع دی کہ دخترِ پیغمبرؐ کا جنازہ ابھی نہیں اُٹھایا جائے گا۔ آپ لوگ اپنے اپنے گھر تشریف لے جائیں۔ لوگ چلے گئے۔

تجہیز و تکفین و دفن

جب ایک پہر رات گذری تو امیر المومنینؑ اُٹھے اور سیدۂ طاہرہ کو غسل دیکر کافورِ جنّت سے حنوط کیا اور سات پارچے کا کفن دیکر جب بندِ کفن باندھنے لگے تو آواز دی اے زینبؑ اے اُم کلثومؑ اے حسنؑ و حسینؑ آؤ اور اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو یہ سُنتے ہی صاحبزادیاں اور صاحبزادے دوڑے کسی نے سیدہ کے قدموں پر سر رکھ دیا کوئی سینے سے لپٹ گیا۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ خدا گواہ ہے۔ جب حسینؑ فاطمہؑ کی لاش سے لپٹے ہوئے بین کر رہے تھے تو لاشِ مطہر کو جنبش ہوئی؛ باوازِ نحیف آہ کی اور دونو ہاتھ کفن سے نکالکر حسینؑ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اُس وقت ایک ہاتف نے آواز دی کہ یا علیؑ۔ حسینؑ کو فاطمہؑ کے سینے سے الگ کر لو کہ ملائکہ آسمان بیتاب ہو رہے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے باہستگی صاحبزادوں کو میّت سے جُدا کیا کفن کے بند باندھے اور فرمایا ؎

فِرَاقُكِ أَعْظَمُ الْأَشْيَاءِ عِنْدِي ۔۔۔ وَفَقْدُكِ فَاطِمُ أَدْهَى الثُّكُولِ

اے رسولؐ اللہ کی لختِ جگر تیرا فراق میرے نزدیک تمام مصیبتوں سے اعظم ہے

اور ... فاطمہ ... ختم ہو جاتا ہے انتہائی رقت خیز ہے۔

سَابْکِیْ حَسْرَۃً وَ اَنُوْحُ شَجْوًا — عَلٰی خِلٍّ مَضٰی اَسْنٰی سَبِیْلٍ

حسرت و اندوہ کے ساتھ روؤں گا اور ہچکیاں لے لے کر اس دوست پر نوحہ کروں گا جو روشن رستے سے گذر گیا۔

اَلَا یَا عَیْنُ جُوْدِیْ وَاسْعِدِیْنِیْ — فَحُزْنِیْ دَائِمًا اَبْکِیْ خَلِیْلِیْ

اے آنکھ آنسو بہا اور اشک فشانی میں میری مدد کر۔ میرا حزن و ملال ہمیشہ کے لئے ہے اور میں اپنے اس دوست کو رو رہا ہوں جس کی محبت میرے خون میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

غرض بہزار حزن و اندوہ جنازہ اُٹھایا گیا۔ یہ اسلام میں پہلا جنازہ ہے جو تابوت میں اُٹھا۔ جنازے کے ساتھ امیر المومنینؑ حسنین علیہم السلام۔ عمارؓ۔ مقدادؓ۔ ابوذرؓ۔ سلمانؓ۔ عقیلؓ۔ عباسؓ و فضل و قثم رضی اللہ عنہم تھے کچھ اور بنی ہاشم بھی ہمراہ تھے پہلے لاشے کو قبر مطہر رسول اللہؐ پر لے گئے اور امیر المومنینؑ نے روضۂ انور کی جانب خطاب کر کے کہا۔ اے حبیب اللہ آپ پر سلام ہو۔ اے خدا کے نور آپ پر سلام ہو۔ اے صفوۃ اللہ آپ پر میرا سلام ہو۔ آپ پر سلام ہو۔ آپ کی اولاد پر سلام ہو۔ آپ کی اس بیٹی پر سلام ہو جو آپ کے صحن میں آ چکی ہے یا رسول اللہ ودیعت مجھ سے واپس لے لی گئی امانت لوٹائی گئی۔ افسوس ہے رحلتِ رسولؐ پر اور پھر افسوس و ملال کرتا ہوں رحلتِ بتولؑ پر۔ زمین مجھ پر تاریک ہو گئی۔ آسمان دُور ہو گیا واخرناہ ثم وا اسفاہ آہ! رنج و ملال کا مقام اور کس قدر تاسف اور افسوس کا مقام ہے اس کے بعد نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور پھر دفن کر دیا۔

روایت صحیح آپ کے دفن کے متعلق یہ ہے کہ آپ اپنے حجرے میں ہی دفن ہوئیں اس میں روایت بالا سے کچھ اختلاف ہی نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے پہلے جنازہ روضۂ رسولؐ پر لایا گیا ہو وہاں نماز پڑھ کر پھر حجرے میں واپس لیجا کر دفن کر دیا ہو۔ وہاں حجرۂ فاطمہؑ تھا مسجد سے کتنی دُور صحن مسجد میں تو دروازہ تھا ہی۔ دفن کرنے کے بعد

امیرالمومنینؑ نے قبر سیدہؑ کو حسرت واندوہ سے دیکھ کر یہ اشعار فرمائے ؎

اری علل الدنیا علیّ کثیرۃ — وصاحبھا حتی الممات علیل

میں دنیا کی مصیبتوں کو اپنے اوپر ہجوم کئے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور جس شخص پر یہ مصیبتیں آئیں وہ تادم مرگ بیمار ہے اور ان سے رہائی نہیں پا سکتا ؎

لکل اجتماع من خلیلین فرقۃ — وان بقائی بعدکم لقلیل

دو دوستوں کے جمع ہونے کے لئے فراق ضرور ہے لیکن اے دوستو تمہارے بعد میری زندگی بھی بہت تھوڑی ہے ؎

وان افتقادی فاطمۃ بعد احمدؐ — دلیل علیٰ ان لا یدوم خلیل

احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد فاطمہؑ کا گم ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی دوست ہمیشہ باقی نہ رہے گا۔

سیدہؑ محترمہ رات کو دفن ہو گئیں صبح کو اور لوگ آئے حضرت عمر و حضرت ابوبکر بھی تکلیف فرما ہوئے مقدادؓ بن اسود نے ان سے کہا کہ سیدہؑ محترمہ رات کو ہی دفن کر دی گئیں اسوقت حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ لوگ (بنی ہاشم) ایسا ہی کریں گے اور ہم کو شرکت کا موقعہ نہ دیں گے۔ عباسؓ بولے کہ خیر النساؑ کی وصیت کے موافق عمل کیا گیا ہے۔ حضرت عمر نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اے بنی ہاشم تم اپنے حسد اور کینے سے باز نہیں آؤ گے۔ خدا کی قسم اگر ہم چاہیں تو ابھی قبر کھود کر میت کو نکال لیں اور اسپر نماز پڑھیں بروایتے یہ فرمایا کہ ہم نبش قبر کریں گے اور جنازے کو قبر سے نکالکر نماز پڑھیں گے اسپر امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ اگر تم نے ایسا ارادہ بھی کیا تو میں تلوار کھینچ لونگا جو تمہیں قتل کئے بغیر میان میں نہ جائے گی۔ اسپر حضرت عمر نے سکوت فرمایا۔

منقول ہے کہ جس وقت آپ کو قبر میں اُتارنا چاہا تو دو ہاتھ جو رسول اللہؐ کے ہاتھوں سے مشابہ تھے قبر سے برآمد ہوئے اور سیدہؑ طاہرہ کی لاش کو لیلیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیجئے زمانے کا رنگ بدل گیا۔ رونے والی سیدانی چل بسی۔ رسولؐ کی نشانی سدھار گئی اب ظلم کی آوازیں بلند نہوں گی۔ اب جگر خراش نالے سنائی نہ دیں گے [illegible]

سیدہ رسولوں کے پاس جا رہی - دکھ - درد - مصیبت - الم - اندوہ - جو کچھ تھا اِسی دنیا تک
تھا - اب مدینے والے چین سے ہو گئے - سیدہؑ کے رونے سے اُن کے آرام میں فرق پڑتا
تھا - سیدہؑ سے یہ لوگ کشیدہ ہوئے - سیدہؑ نے ان سے منہ موڑ لیا - اب نہ سیدہؑ فدک کا
دعویٰ کرنے آئیں گی نہ سہم ذی القربےٰ کا - یہ ایک خلش تھی جو مٹ گئی - ایک کانٹا
تھا جو نکل گیا ایک کھٹک تھی جو دُور ہو گئی - رسولؐ اللہ کی قبر کی حقیقی مجاور آرام اور سکھ
کے گھر میں جا رہی - جہاں اِس فریبی دُنیا کی طرح دل آزاریاں نہیں ہیں مُصیبتوں کا دروازہ
بند ہو گیا - رضوان الٰہی کا باب کھلگیا - اب فاطمہؑ ہے اور نعماتِ ابدی - اب زہرا ہے اور
خلد بریں - اے سیدۂ کونین آپ نے اپنا سایہ اس دنیا کے سر سے اُٹھا لیا - ہاں اہل دُنیا
اِسی قابل تھے - یہ آپ کی قدر نہ کر سکے - قدر کرنا تو ایک طرف آپ کے وجود کو اپنی مرادوں
کے سامنے ایک دیوار سمجھنے لگے - آپ کو "لومڑی کی دُم" سے تشبیہ دیگئی (خاک بدہانم)
آپ کو بلاوجہ رُولایا گیا - بلاسبب تکلیف دی گئی اور چند روزہ دُنیا کے واسطے ہمیشہ
کی رُسوائی خرید لیگئی -

شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم نے رویائے صادقہ میں آپ کی نسبت یہ فقرات لکھے ہیں
جو شخص سب سے زیادہ پیغمبرؐ صاحب کی وفات سے متاذی ہوا وہ فاطمہؑ تھیں فاطمہؑ کی
والدہ پہلے ہی انتقال فرما چکی تھیں اب ماں اور باپ دونو کی جگہ پیغمبرؐ صاحب تھے
اور باپ بھی کیسے کہ دین و دنیا کے بادشاہ - ایسے باپ کا سر پر سے اُٹھ جانا - اسپر حضرتؑ
علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا اور نمک بر جراحت - ترکہ پدری یعنی فدک وغیرہ کا دعویٰ
کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا
مگر ان کے صبر و ضبط انہیں کے ساتھ تھے پھر بھی انہیں رنجوں میں گھل گھل کر چھ مہینے
کے اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنہوں نے انکو رنج
دئیے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی
بھی ممانعت کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں "سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت کو پیغمبرؐ صاحب کی

وفات کے بعد ہی ایسے ناملائم الفاظات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب ولحاظ جو ہونا چاہیئے
تھا اس میں ضعف آگیا اور شُدہ شُدہ نجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف
جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

جو شخص بھی واقعات پر غور کریگا اور توجہ کے ساتھ غور کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا جس پر
کہ ڈپٹی صاحب مرحوم کو پہنچنا پڑا۔

اے بیندہ زنان عالمیان! اس میں شک نہیں کہ آپ کنج مرقد میں آرام سے ہو جائیں۔ مگر
اہل درد کو قیامت تک کے لئے رُولا گئیں مگر یہ بھی میں کیونکر کہوں کہ آپ مرقد میں آرام
فرما ہو ئیں۔ ہاں آپ کو قبر میں کب چین ملا۔ کیا حسینؑ کی رخصت پر آپ کی ضریح نہ ہلی تھی کیا
طف کربلا کے خونریز منظر نے آپ کو قبر سے نہیں نکالا۔ کیا اہلحرم کی واپسی پر آپ کی قبر
سے نوحے کی آوازیں نہیں آئیں۔ کیا آپ عزاداران حسینؑ کی مجلس میں شریک ہو کر
اُن کے آنسو نہیں پونچھتیں۔ کیا یہ داغ۔ حسینؑ کا داغ۔ حسینؑ کے عزیز و رفقا کا داغ۔
حسینؑ کے ششماہے بچے کا داغ۔ آپ کو قیامت تک کے لئے نہیں رولائے گا۔
یہ شور تظلم خاموش نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ کا فرزند ظاہر ہو کر دنیا کو عدل و داد
سے پُر نہ کرلے اور قیامت کبریٰ میں آپ عرش کا پایہ ہلا کر اپنی فریاد کو نہ پہنچ
لیں ؞

باب دوازدہم

تظلم فاطمہؑ بروز محشر

قیامت کا دن مسلمانوں کے اعتقادات اصولیہ میں سے ہے اس کا آنا برحق ہے
اور عادل حقیقی کے سامنے ظالم و مظلوم کا پیش ہونا لازمی یہی وہ دن ہے جس
دن فاطمہ زہراؑ کی فریاد عرش الٰہی کو ہلائے گی۔ اور یہی وہ دن ہے جس [illegible]

... ایک منادی ندا کریگا کہ اے اہل
محشر اپنی آنکھوں کو بند کر لو کہ فاطمہؑ دختر رسولؐ اللہ کی سواری گذر رہی ہے۔

علی ابن ابراہیم اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ جس کا ملخص یہ ہے کہ ایک دن جناب فاطمہؑ کو رسولؐ اللہ نے تسکین دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہؑ حق تعالےٰ تمہاری قبر پر جبرئیلؑ کو بھیجے گا جن کے ہمراہ ستّر ہزار ملائکہ ہوں گے تمہاری قبر پر نور کے سات قُبّے نصب کئے جائیں گے اسرافیلؑ تمہارے لئے تین حلّے نورانی لائیں گے اور قبر پر آکر عرض کریں گے اے دُختر محمّدؐ قبر کے باہر آؤ اور جانب محشر چلو تم قبر سے بے خوف وہراس لباس پہنے ہوئے آؤ گی حلہ ہائے نورانی زیب بدن کرو گی پھر ایک فرشتہ ذوقائیل ناقۂ نورانی تمہارے لئے لائے گا جس کی مہار مروارید آبدار کی ہو گی طلائی ہودج اس کی پشت پر ہو گا۔ فرشتہ تمہارے ناقے کی مہار تھام کر روانہ ہو گا ستّر ہزار فرشتے علمہائے تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے جلوداری کریں گے ستّر ہزار حوریں تمہارا استقبال کریں گی حوروں کے ہاتھ میں انگیٹھیاں ہوں گی جن میں سے عود کی خوشبو بغیر آگ کے آئے گی ان کے سروں پر مرصع بجواہر تاج ہوں گے یہ حوریں تمہارے دائیں طرف روانہ ہوں گی تھوڑی دُور چلنے کے بعد مریم بنت عمران ستّر ہزار حوروں کے ساتھ تمہارا استقبال کریں گی یہ حوریں تمہارے بائیں جانب چلیں گی پھر تمہاری والدہ خدیجہ جو سب سے پہلے ایمان لائی ہیں بڑھیں گی۔ ان کے ہمراہ ستّر ہزار فرشتے علمہائے تکبیر لئے ہوئے ہوں گے قریب میدان محشر حضرت حُوّا و آسیہ زن فرعون مع ستّر ہزار حوروں کے تم سے آکر ملیں گی جب میدان محشر میں پہنچو گی تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھوں کو بند کر لو تاکہ فاطمہؑ صدیقہ دختر محمدؐ مصطفےٰ مع ان خواتین کے جوان کے ساتھ ہیں گذر جائے اس دن تمہارے باپ اور تمہارے جد ابراہیمؑ اور تمہارے شوہر علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سوائے کوئی تمہاری طرف نہ دیکھے گا۔ پھر تمہارے لئے ایک منبر نصب کیا جائیگا جس کے ستّر پائے ہونگے۔ ایک پائے سے دوسرے پائے تک ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے حوریں اِدھر اُدھر ادب سے گردنیں جھکائے کھڑی ہونگی تم منبر پر جاؤ گی اس وقت جبرئیلؑ یہ پیغام الٰہی پہنچائیں گے۔ کہ اے فاطمہؑ جو چاہو

طلب کرو تم خواہش کروگی کہ خداوندا! مجھے حسنؑ و حسینؑ کو دکھادے دو نو فرزند تمہارے
پاس آئیں گے حسینؑ کی گردن سے خون جاری ہوگا اور وہ فریاد کریگا کہ پروردگارا آج کے
دن اہل ظلم سے میرا بدلا لے۔ اُسوقت دریائے قہر جوشش زن ہوگا۔ غضب الٰہی سے ملائکہ
خروش کریں گے۔ جہنم ایک نعرہ ماریگا۔ جس کے شعلوں کی لپک صحرائے محشر تک آئے گی۔
اور قاتلان حسینؑ کو اُٹھالے جائے گی۔ اس وقت ان ظالموں کی اولاد کہے گی کہ خداوندا
ہم تو قتل حسینؑ کے وقت موجود بھی نہ تھے جہنم کو ندا آئے گی کہ انہیں پکڑلے اُنکی کبودیٔ
چشم اور روسیاہی ظاہر کررہی ہے کہ یہ لوگ دوستان حسینؑ پر اپنے بزرگوں سے زیادہ
سخت تھے ان کے بال پکڑ کر جہنم کے اسفل ترین طبقے میں ڈال دو۔ الحدیث

حضرت رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ بروز قیامت جب فاطمہؑ مع جماعتِ نسوان عرصۂ محشر
میں آئیں گی تو ان سے کہا جائے گا کہ داخل بہشت ہو۔ وہ کہیں گی میں بہشت میں نہ جاؤنگی
جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ میری اولاد سے میرے بعد کیا کیا سلوک کیا گیا۔ ندا آئے گی
کہ درمیان محشر نظر کرو جب نظر کریں گی تو دیکھیں گی کہ حسینؑ بے سر کھڑا ہے۔ یہ دیکھتے ہی
فریاد کریں گی میں بھی فریاد کروں گا۔ تمام ملائکہ میں ایک شور برپا ہوگا۔ اس وقت قہر
الٰہی کو جنبش ہوگی اور وہ آگ جو ہزاروں سال سے روشن ہے اور سیاہ ہوگئی ہے جس میں ہوا
کا گذر نہیں اور کوئی غم ایسا نہیں جو اس سے باہر ہو اسے حکم دیا جائے گا کہ قاتلان حسینؑ اور اُن
حاملان قرآن کو چن لے جنہوں نے اہلبیت سے ہاتھ اُٹھایا اور قرآن کو وسیلۂ ظلم و عدوان
گردانا۔ آگ فوراً انہیں گھیر لے گی۔ آگ فریاد کرے گی۔ اور وہ بھی چلائیں گے۔
آگ بھڑکے گی وہ ملاعنہ شور مچائیں گے اور عرض کریں گے کہ ہم پر بُت پرستوں سے
پہلے آگ کو کیوں مسلط کیا۔

خداوند عالم فرمائے گا کہ وہ شخص جو دیدہ و دانستہ اُمور بد کا ارتکاب کرے اس کی مثل
نہیں ہے جو بنادانی ارتکاب کرے۔

اس بارے میں روایات بکثرت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ روز محشر
فریاد کریں گی اور ان پر جو مظالم وارد ہوئے ہیں ان کی غُوادرسی کا وہی دن ہوگا۔

شفاعتِ فاطمہؑ

اب ہم ایک دو روایات اس مضمون کی لکھکر یہ رسالہ ختم کرتے ہیں کہ جناب شافع محشر کی بیٹی فاطمہ زہراؑ صلوات اللہ علیہا بھی تاج شفاعت سر پر رکھے ہوئے محشر میں تشریف لائیں گی اور آپ کی شفاعت سے ہر مومن فائدہ اُٹھائیگا۔

بحار الانوار جلد سابع میں ابوذرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سلمانؓ اور بلالؓ کو دیکھا کہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلمانؓ رسولؐ اللہ کے قدم پر جھک کر بوسے لینے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اے سلمانؓ شاہان عجم کے ادب و آداب میرے ساتھ نہ بجالاؤ۔ میں ایک خدا کا بندہ ہوں۔ میں خدا کا رزق اُسی طرح کھاتا ہوں جس طرح اور بندے کھاتے ہیں۔

سلمانؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ خدا کے لئے ہمیں فاطمہؑ کے فضائل سے جو روز قیامت ظاہر ہوں گے مطلع فرمائیے۔ رسولؐ یہ سنکر شاداں و فرحاں ہوئے اور فرمایا۔ قسم اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے فاطمہؑ عرصۂ محشر میں اس طرح گذریں گی کہ ایک ناقہ ان کی سواری میں ہوگا جس کا سر[1] خشیتِ الٰہی سے بنا ہوا ہوگا۔ آنکھیں اس کی خدا کے نور سے ہوں گی دُم اس کی قدومیت خداوندی کی ہوگی۔ پاؤں اس کے مجدیت الٰہی سے ہوں گے۔ جب وہ چلیگا تو تسبیح کرے گا اور جب کسی طرف میل کرے گا تو "قدوس قدوس" پکارے گا۔ اُس پر ایک نورانی ہودج ہوگا۔ جس میں جاریۂ انسیہ اور حوریہ عزیزہ ہوگی جو صنعت الٰہی کا بہترین نمونہ ہے؛ اوّل اس کا مشک اذفر ہے۔ اوسط اس کا عنبر اشہب ہے۔ اور آخر اس کا زعفران احمر ہے۔ آب حیوان سے اس کا خمیر کیا گیا ہے۔ اگر وہ سات کھاری سمندروں میں تھوک دے تو سب میٹھے ہو جائیں اور اگر اپنی چھنگلیا کا ناخن دُنیا کی طرف

[1] اس کلام مقدس میں حقائق اصلیہ کو بطور استعارہ بیان فرمایا ہے؛ ۱۲

نکال دے تو شمس و قمر کو ماند کر دے۔ جبرئیلؑ اس کے دائیں طرف ہوں گے۔ میکائیلؑ بائیں جانب ہوں گے۔ علیؑ اس کے آگے آگے ہوں گے اور حسنینؑ اُس کے پیچھے پیچھے خداوند عالم اس کا حافظ و نگہبان ہوگا۔ جب عرصۂ محشر میں اس شان سے سواری پہنچے گی تو خداوند عالم کی طرف سے ندا آئیگی کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر لو۔ اپنا سر جھکا لو یہ فاطمہؑ تمہارے نبیؐ کی بیٹی ہے۔ تمہارے امام علی (علیہ السلام) کی زوجہ ہے حسنینؑ کی والدہ ہے پس وہ صراط سے گذر جائیگی اسپر دو سفید چادریں ہونگی۔ جب داخل جنت ہونگی اور انعامات خداوندی کو دیکھیں گی تو کہیں گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفورٌ شکور الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصبٌ ولا یمسنا فیھا لغوب تمام حمد اس خدا کے لئے ہے جس نے ہم سے تمام حزن و ملال کو دور کر دیا۔ بے شک ہمارا پروردگار مغفرت کرنے والا اور شکر قبول کرنے والا ہے۔ وہ خدا جس نے ہمیں اپنے فضل و احسان میں جگہ دی جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچیگی اور نہ کسی قسم کی اذیت مس کریگی۔ اُس وقت فاطمہؑ کو خداوند عالم کی جانب سے وحی ہوگی کہ اے فاطمہؑ سوال کرو میں عطا کرونگا۔ فاطمہؑ عرض کریں گی۔ الہٰی تو ہی ہماری آرزو ہے اور ہماری آرزو سے بہت بلند ہے۔ میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ میرے محبوں اور میری ذریت کے محبوں کو جہنم سے بچالے اس وقت خدا کی طرف سے وحی ہوگی۔ کہ اے فاطمہؑ مجھے اپنی عزت اپنے جلال اور اپنے مرتبہ بلند کی قسم ہے کہ خلقت زمین و آسمان سے دو ہزار برس پہلے میں نے اپنے اوپر لازم گردان لیا ہے کہ میں تیرے محبوں اور تیری ذریت کے محبوں کو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھوں گا۔

علل الشرائع میں محمد ابن مسلم ثقفی سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت باقر علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے کہ روز قیامت فاطمہؑ دروازہ جہنم پر کھڑی ہوں گی۔ یہ وہ دن ہوگا کہ ہر مومن و کافر کی پیشانی پر لکھ دیا

کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر) پس ایک محب جس کے گناہ بکثرت ہوں گے
آگ کی طرف لے جایا جائے گا۔ فاطمہ علیہا السلام اس کے نوشتۂ پیشانی کو پڑھینگی
اور عرض کریں گی کہ خداوندا تو نے میرا نام فاطمہؑ رکھا ہے اور میرے سبب سے میرے
محبّوں اور میری ذرّیت کے محبّوں کو آتش جہنم سے آزاد کیا ہے۔ تیرا وعدہ حق ہے
اور تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ خداوند عالم کی جانب سے ندا آئے گی۔
اے فاطمہؑ تو صحیح کہتی ہے میں نے تیرا نام فاطمہؑ رکھا ہے۔ میں نے تیرے محبّوں اور
تیری ذرّیت کے محبّوں کو آتش جہنم سے چھڑا لیا ہے۔ میرا وعدہ حق ہے اور میں
خلاف وعدہ نہیں کرتا۔ میں نے جو اس بندے کو آگ کی طرف لے جانے کا حکم
دیا اس کی وجہ یہی ہے کہ تم اس کی شفاعت کرو اور میں تمہاری شفاعت
قبول کروں تاکہ میرے ملائکہ میرے انبیا و رسل اور اہل محشر کو معلوم ہو کہ تیری
منزلت میرے نزدیک کیا ہے۔ اب تم جس شخص کی پیشانی پر مومن لکھا ہوا دیکھو
اس کا ہاتھ پکڑو اور جنت میں داخل کردو۔

خوشا حال ان مومنین صادقین کا جو شفاعت فاطمہؑ سے متمتع اور کامیاب ہوں۔

الٰہی و سیدی ارزقنی شفاعۃ نبیّ المختار و اٰلہ
الاطہار یوم لا ینفع مال ولا بنون و انت
العزیز الغفار و آخر دعوٰی الحمد للّٰہ
ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ خیر خلقہٖ محمّد و
اٰلہ الطیّبین الطاہرین

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فاطمہؑ میری پارۂ جگر ہے جس نے اسے ایذا دی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی"

سوانح عمری چہاردہ معصومین علیہم السلام کے سلسلہ کی دوسری کتاب

سیرۃ الفاطمہؑ

یعنی

سوانح عمری حضرت سیدہ صلواۃ اللہ علیہا

من تصنیف لطیف

جناب مولانا مولوی حکیم سید ذاکر حسین صاحب

مترجم نہج البلاغہ

مطبع اثنا عشری دہلی میں طبع ہو کر شائع ہوئی

ایک ہزار جلد